إِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۝ فَمَن شَاءَ ذَكَرَهُ ۝

مقدمہ تاریخ ہند کی دوسری جلد

موسوم بہ

نظامِ سلطنت

جس کا تاریخی نام "فلسفۂ خرد افروز" ہے اور جسمیں مذہب و تمدن۔ اخلاق و معاشرت اور قوانینِ سلطنت پر محققانہ و مورخانہ بحث کی گئی ہے اور قدیم نظامات و قوانین جو ممالک روئے زمین اور اقوامِ عالم میں مروج رہے یکجا فراہم کر دیئے گئے ہیں جنکے مطالعہ سے ہر شخص کی بصیرت و دانائی میں اضافہ اور نسل انسانی کی کامرانی و مقصد وری کا راستہ سامنے نظر آنے لگتا ہے۔

مُصنّفہ

اکبر شاہ خاں نجیب آبادی

"مینیجر مکتبۂ عبرت نجیب آباد" نے چھپوا کر نجیب آباد سے شائع کی

اور

مدینہ برقی پریس بجنور میں باہتمام محمد مجید حسن پرنٹر طبع ہوئی

باراوّل ۱۰۰۰ جلد | ماہ مارچ ۱۹۳۵ء | قیمت فی جلد (عہ؍)

علمی دُنیا کا ایک عظیم الشان کارنامہ

مقدمۂ تاریخ ہند قدیم

جلد اول

مُصنفہ

مورخ اسلام مولانا اکبر شاہ خاں صاحب نجیب آبادی

ہندوستان کے تعلیم یافتہ طبقے کو ہمیشہ اس بات کا احساس رہا ہے کہ اس ملک کی صحیح ، مستند اور مدلل تاریخ جو ہندوستانی اقوام کی صحیح سرگذشت سے واقف بنا سکے آج تک مرتب و مدون نہیں ہوئی۔ سرکاری اور انگریزی اسکولوں اور کالجوں میں جو کتابیں تاریخ کے نام سے پڑھائی جاتی ہیں۔ ان کو تاریخ کہنا حماقت ہے۔ مولانا اکبر شاہ خاں صاحب نجیب آبادی جو ملک میں اپنے وسیع تاریخی مطالعہ اور صحیح تاریخی ذوق کی وجہ سے کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ اُنھوں نے تقریباً تیس سال تاریخ ہند کے لئے مطالعہ تاریخی میں صرف کئے اور ہندوستان کے علاوہ انگلستان تک کے کتب خانوں سے بھی تاریخی سامان بہم پہونچایا۔ اس طویل محنت شاقہ اور صرفِ زرِ کثیر کے بعد وہ تاریخ ہند کی تدوین و تالیف میں مصروف ہوئے۔ اور تاریخ ہند کے سلسلے میں سب سے پہلی جلد مقدمہ تاریخ ہند قدیم کے نام سے ابھی چند روز ہوئے شائع ہو گئی۔

یہ پہلی جلد اس قدر زیادہ ضروری اور اہم بنیادی مسائل پر مشتمل ہے اور اسکے اندر ساری دنیا کی اقوام و ممالک و مذاہب و تمدن و علوم کا ایسا خلاصہ آگیا ہے جو ہزارہا کتابوں کے پڑھنے کے بعد بھی انسان کو میسر نہیں ہو سکتا تھا۔ کتاب کو ہاتھ میں لیکر ختم کئے بغیر انسان پر کھانا پینا بھی دوبھر ہو جاتا ہے۔ صحیح ٹکسالی اُردو زبان میں اہم مسائل کو آسان سے آسان پیرایہ میں ادا کر دینے کا ملکہ مولانا کو خصوصیت سے حاصل ہے۔ اس کتاب سے جس طرح کالج کے ذی علم پروفیسر فائدہ اٹھا سکتے ہیں اسی طرح ایک معمولی طالب علم بھی مستفید ہو سکتا ہے۔ یہ مقدمہ درحقیقت تاریخ عالم کی کلید ہے اسکی ضرورت و اہمیت کسی ریویو سے سمجھ میں نہیں آسکتی۔ اسکی عظمت و ضرورت کا صحیح اندازہ مطالعہ ہی پر منحصر ہے۔ اس پہلے ایڈیشن کے ختم ہونے کے بعد غالباً آپ کو دوسرے ایڈیشن کیلئے انتظار کی سخت زحمت اٹھانی پڑے گی۔ لہٰذا بلا توقف اس پہلی جلد یعنی مقدمہ تاریخ ہند قدیم کو منگا لیجئے۔

قیمت فی جلد علاوہ محصولڈاک (عہ)

تمام کتابوں کے ملنے کا پتہ:۔ محمد ایوب خاں منیجر مکتبہ عبرت نجیب آباد۔ (یو۔پی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

اَلحَمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العٰلَمِین ؕ

تَبَارَکَ الَّذِی نَزَّلَ الفُرقَانَ عَلٰی عَبدِہٖ لِیَکُونَ لِلعٰلَمِینَ نَذِیرَا الَّذِی لَہٗ مُلکُ السَّمٰوٰتِ وَالاَرضِ وَلَم یَتَّخِذ وَلَدًا وَّلَم یَکُن لَّہٗ شَرِیکٌ فِی المُلکِ وَخَلَقَ کُلَّ شَیءٍ فَقَدَّرَہٗ تَقدِیرًا ؕ

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّونَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِینَ اٰمَنُوا صَلُّوا عَلَیہِ وَسَلِّمُوا تَسلِیمًا ؕ

امابعد

احباب کرام کی خدمت میں مودبانہ ملتمس ہوں کہ مقدمہ تاریخ ہند کی پہلی جلد کے تمام اوراق چھپ چکنے کے بعد جب اُس کا سرورق (ٹائیٹل پیج) لکھوانے اور چھپوانے کا موقع آیا تو میں مدینہ پریس بجنور میں موجود تھا اُس وقت تک مقدمہ کی اور کوئی جلد لکھنے کا مطلق خیال نہ تھا بلکہ میں مقدمہ کو اُس ایک ہی جلد میں ختم کرچکا تھا۔ اسکے بعد اصل تاریخ کی پہلی جلد کا نمبر تھا اور میں اُسی کی تہذیب و ترتیب کا کام شروع کرچکا تھا کیونکہ اُس کا جلد پریس میں پہونچنا ضروری تھا اور احباب کو ایسی ہی توقع بھی دلائی گئی تھی لیکن ٹھیک اُس وقت جبکہ اخویم مولوی عبدالقیوم خاں صاحب خطاط مرادآبادی مجھ سے تھوڑی دور دوسرے کمرے کے برآمدے میں بیٹھے ہوئے ٹائیٹل پیج کی کاپی لکھ رہے تھے اور میں بعض دوستوں سے بیٹھا ہوا باتیں کررہا تھا یکایک اور اچانک میرے دل میں ایک خیال اُسطرح آیا جیسے بجلی چمک جاتی اور آنکھوں کو خیرہ کرجاتی ہے

میں فوراً اپنی جگہ سے اُٹھا اور خطاط صاحب سے جاکر کہا کہ کتاب کے نام یعنی "مقدمہ تاریخ ہند قدیم" کے نیچے "جلد اول" کا لفظ اور لکھ دیجئے۔ چنانچہ لکھا گیا۔ اُسی وقت سے میں نے مصمم ارادہ کرلیا کہ مقدمہ کی ایک دوسری جلد اور لکھوں گا۔ [illegible] مجبور سے نجیب آباد آکر بعض دوسری مصروفیتوں سے فراغت حاصل کرنے کے بعد میں اس دوسری جلد کی نگارش میں مصروف ہوگیا ؎

روشن شود بہ پیش تو چون شمع سوز من
یکشب تو ہم اگر بہ نشینی بروز من

اس دوسری جلد کی ترتیب وتالیف میرے بعض کوتوال سیرت اور آہو گیر دوستوں کو خواہ کیسی ہی کمزور اور بے ربط کیوں نہ معلوم ہوئیں اس کو فطری اور قدرتی ترتیب اور تاریخ کے مطالعہ کرنے والوں کے لئے زیادہ سے زیادہ ضروری اور مفید یقین کرتا ہوں۔ قبائے گل میں گل بوٹے کا نہ ہونا جن کی آنکھوں میں کھٹکتا ہو اور کلام الٰہی کی ترتیب اور تقسیم مضامین جن کو (نعوذ باللہ) قابل ترمیم نظر آتی ہو اُن کو ایک گنہگار اور عصیان شعار انسان کی اس ناچیز تالیف میں اگر کمزوریاں نظر آئیں اور وہ اسکی اصل مقصد تک نہ پہنچ سکیں تو نہ تعجب کا مقام ہے اور نہ شکایت کا موقع

رفیقان برشما گر تلخ گرد د خواب معذورم ۔۔۔ مرا با چشم بیمارے سروکار است می نالم

تاریخ خواہ کسی ملک کی ہو تاریخ سے فائدہ اُٹھانے کے اصول اور مطالعہ تاریخ کو مفید اور نتیجہ خیز بنانے کے طریقے مختلف نہیں ہوسکتے میں نے اس دوسری جلد کے ذریعہ جس مقصد کو حاصل کرنا چاہا ہے وہ میرے نزدیک سب سے زیادہ اہم اور نہایت قیمتی مقصد ہے جس کا ہر شخص کو اس کتاب کے مطالعہ کر لینے کے بعد ہی علیٰ قدر قابلیت احساس ہوسکیگا۔ اس کتاب کا مطالعہ شروع کرنے پر اوّل اول یہ محسوس ہوسکتا ہے کہ اس میں بعض باتیں بے تعلق اور غیر ضروری ہیں لیکن بالاستیعاب مطالعہ ختم کر لینے کے بعد تسلیم کرنا پڑے گا کہ ہم نے کوئی بھی غیر ضروری چیز مطالعہ نہیں کی۔

میں نے اِس جلد میں مذہب، تمدن، اخلاق، نظامِ حکومت اور عالم انسانیت پر حسب ضرورت بحث کی ہے۔ جن چیزوں کو میں نے اس زمانے اور اس ملک کے لئے زیادہ اہم سمجھا اُن پر زیادہ زور دیا اور استیفا و استقصار کی شرط کو پورا کرنا ضروری نہ سمجھ کر بہت سی چیزوں کا استقرار نہیں کیا۔ میرے دوستوں میں بہت سے ذی علم اور وسیع النظر احباب ہیں۔ بہت سے معمولی قابلیت کے اُردو خواں ہیں، میں نے کوشش کی ہے کہ دونوں قسم کے حضرات اس سے فائدہ اُٹھا سکیں۔ اور اس کے مطالعہ میں اُن کا جو وقت صرف ہو اُس کا اُنہیں بعد مطالعہ افسوس نہ کرنا پڑے۔

اس سے پہلے بھی میں نے کوئی کتاب یہ سوچتے ہوئے نہیں لکھی کہ مجھ کو اس کے شائع ہونے سے کیا فائدہ پہنچے گا۔ اور میری ذات کے متعلق لوگ کیا خیال کریں گے۔ نہ اس طرف کبھی توجہ کی۔ ع کہ در شکنجہ فتد چوں شود کتاب تمام۔ بلکہ میرا مطمح نظر ہمیشہ یہ رہا ہے کہ لوگوں کو اس کے مطالعہ سے کس قدر اور کس قسم کا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ اس کتاب کو بھی اسی خیال سے شائع کر رہا ہوں کہ اس کا مطالعہ ضرور اس ملک کے باشندوں کو نفع پہنچائے گا اور وہ نفع چونکہ اُس انتظار کی زحمت واذیت سے جو اصل تاریخ کے متعلق کرنا پڑا ہے زیادہ وزن دار ہے لہذا میں نے اُس ملامت کی مطلق پروا نہیں کی جو اصل تاریخ کی اشاعت میں دیر اور توقف ہو جانے کے سبب مجھ کو کی جا رہی ہے۔ ؂

صد باغ و بزم چشم براہِ من ست و من　　　دستِ جنوں گرفتہ بویرانہ می روم

میرا خیال ہے کہ مذہبی اختلاف اور بیجا تعصبات نے ہندوستان کو جو نقصانات پہنچائے ہیں اور ہندوستانیوں کو جن مصائب سے دوچار ہونا پڑا ہے اور جن سے رستگاری کی ہنوز کوئی نمایاں صورت نظر نہیں آتی اُن کا بھی کچھ نہ کچھ ازالہ اس کتاب کے ذریعہ ہو سکے گا نیز اسلام کی حقیقت سمجھنے میں غیر مسلموں کو اور اسلام کی حقیقت سمجھانے میں مسلمانوں کو اس کے ذریعہ بہت کچھ مدد مل سکے گی۔ تاریخ کے سلسلہ میں ایک مسلمان تاریخ نویس اسی طرح اپنے فرض سے

سبکدوش ہو سکتا تھا۔

بلبل کجا رود چہ کند کاندریں چمن نشگفت غنچۂ کہ بگلچیں خبر نشد

اس ادائے فرض کو عیب سمجھنے والے بھی اگر چاہیں تو عدل و انصاف کے ساتھ اپنا فیصلہ صادر فرما سکتے ہیں۔

مرا بسادہ دلیہائے من تواں بخشید
خطا نمودہ ام و چشمِ آفریں دارم

یکم جولائی سنہ ۱۹۳۴ء

اکبر شاہ خاں
نجیب آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی

ہستی باریتعالیٰ اور عقل انسانی

اِس حقیقت پر قریباً تمام نسلِ انسانی کا اتفاق ہے کہ اس بانظام کارخانۂ عالم کو خلق و ایجاد اور پھر اُس کی ربوبیت و حفاظت کرنیوالی ایک مدبر بالارادہ علیم و خبیر اور حکیم و قدیر ہستی ہے۔ کارخانۂ عالم پر جس قدر زیادہ غور کیا جاتا ہے اُسی قدر اُس میں نظم و انتظام پایا جاتا ہے جو بلا کسی ناظم و منتظم کے ممکن نہیں۔ حکمت پائی جاتی ہے جو بغیر کسی حکیم کے ممکن نہیں، ربوبیت پائی جاتی ہے جو بغیر کسی رب کے ممکن نہیں، قدرت پائی جاتی ہے جو بغیر کسی قادر و قدیر کے ممکن نہیں تخلیق پائی جاتی ہے جو بغیر کسی خالق و خلاق کے ممکن نہیں فطرتِ انسانی مجبور ہے کہ ایک خالق و قادر و حکیم و پروردگار ہستی کا اقرار کرے ؂

بلوحے گر ہزاراں نقش پیداست | نیاید بے قلم زن یک الف راست

بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِهٖ بَصِیْرَةٌ ۙ وَّ لَوْ اَلْقٰی مَعَاذِیْرَهٗ (القیامۃ کوع ۱) — بلکہ انسان خود ہی اپنے نفس کے مقابلہ میں ایک حجت و دلیل ہے چاہے وہ کتنے ہی بہانے تراشے۔

اُسی خالق و پروردگار نے جس کی ہستی و ربوبیت کے اقرار سے انسانی وجود کا ہر ذرّہ گونج رہا ہے، اس خلاصۂ موجودات کو روحانی فضائل سے متصف فرما کر روئے زمین کی تمام مخلوقات پر فوقیت و برتری اور شرف و بزرگی عطا فرمائی اور باقی مخلوقات کو خادم بنا کر اُس کو سب کا مخدوم بنا دیا۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ (بنی اسرائیل ۷) — اور بیشک ہم نے بنی آدم کو عزت و برتری عطا کی

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا — وہی خدا ہے جس نے روئے زمین کی تمام چیزیں تمہاری

لیے پیدا کیں

وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ ۚ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ۝ (الجاثیہ-۲)

اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اُسی نے اِن سب کو تمہارے کام میں لگا رکھا ہے، بیشک ہستیٔ باریتعالیٰ کی ان میں بہت سی نشانیاں ہیں مگران لوگوں کے لئے جو غور وفکر کو کام میں لاتے ہیں۔

ہستیٔ باریتعالیٰ کا نشان وثبوت واقرار اس کی ہر ایک مخلوق میں موجود ہے ؎

ہر گیاہے کہ از زمیں روید   وحدہٗ لاشریک لہٗ گوید

جس قدر جس مخلوق میں احساس ہے اُسی قدر اس میں اقرار ہستیٔ باریتعالیٰ موجود ہے جمادات سے بڑھ کر بناتات میں اور بناتات سے بڑھ کر حیوانات میں اور تمام حیوانات سے بڑھ کر انسان میں احساس اور اقرار ہستیٔ باریتعالیٰ پایا جاتا ہے۔ انسان جو مخلوقات میں اعلیٰ ترین مقام رکھتا ہے اس کی فطرت میں ہستیٔ باریتعالیٰ کا سب سے نمایاں نقش ہونا چاہئے تھا۔ اور وہ موجود ہے جن لوگوں کو ہستیٔ باریتعالیٰ کا منکر کہا جاتا ہے وہ درحقیقت ہستیٔ باریتعالیٰ کے منکر نہیں بلکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ ہستیٔ باریتعالےٰ کے ایسے دلائل ہمیں نہیں ملتے جیسے محسوس ومادی اشیاء کی ہستی کے دلائل ہوتے ہیں۔ یہ اُنکی حماقت ونادانی کا اعلان ہے نہ ہستیٔ باریتعالیٰ کا انکار۔

کارخانۂ عالم کے اِس نظامِ ابلغ اور ترتیب محکم پر غور کرنے کے بعد ہر ملک اور ہر قوم کے ذی شعور لوگوں کو اقرار کرنا پڑا ہے کہ اِس تمام کائنات کی ایک علت العلل ضرور ہے۔

وَأَنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الْمُنتَهَىٰ (النجم-۳)   اور یہ کہ آخر سب کا منتہیٰ خدا تعالیٰ تک ہی ہے۔

ایک صانع عالم کی ہستی کا یقین تمام عالم انسانیت میں مشترک پایا جانا دلیل اثبات کی ہے کہ فطرتِ انسانی میں اقرارِ ربوبیت موجود ہے۔

أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۖ قَالُوا بَلَىٰ ۛ شَهِدْنَا (الاعراف-۲۲)

خدائے تعالیٰ نے بنی آدم سے پوچھا کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ سب نے کہا ہاں! ہم اثبات کے گواہ ہیں

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللهُ — اگر ان سے پوچھو کہ تم کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ یہی کہیں گے کہ اللہ نے

(الزخرف۔ ۷)

ہستی باریتعالیٰ کے متعلق تو انکار و اختلاف کی گنجائش ہی نہیں۔ ہاں صفاتِ باریتعالیٰ میں لوگوں نے کچھ کچھ اختلاف ضرور کیا ہے، اور ایسا ہونا ضروری تھا، کیونکہ انسانی عقل کی ترک و تاز یہیں تک ختم ہو جاتی ہے کہ اس کارخانۂ عالم کا کوئی پیدا کرنیوالا ضرور ہے اور اُسی نے انسان کو دوسری مخلوقات پر فوقیت و بزرگی عطا کی ہے۔ انسان کی فطرت کا تقاضا ہے کہ اُس کو یعنی اپنے مالک حقیقی کو پہچانے اور اُس سے تعلق پیدا کر کے قرب حاصل کرے لیکن انسان محض اپنی عقل کے ذریعہ اُس خالق و مالک کے متعلق جس پر تمام اسباب و علل کا خاتمہ ہو جاتا ہے بطور خود کوئی تسکین بخش علم حاصل نہیں کر سکتا۔ کیونکہ انسان اپنی عقل اور محدود حواس کے ذریعہ جو کچھ بھی معلوم کر سکتا ہے وہ اشیاء کا علم ہوتا ہے اور کوئی بھی شے خالقِ اشیاء کی مثیل و مانند نہیں ہو سکتی۔ انسانی عقل ہر شے کو اپنے احاطہ میں لے سکتی ہے مگر خدائے تعالیٰ کا احاطہ نہیں کر سکتی ؎ ہر چہ اندیشی پذیرائے فناست ۔ آنچہ در اندیشہ نایدآں خداست

لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ (الشوریٰ۔ ۲) — کوئی چیز بھی اُس جیسی نہیں

لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ — نگاہیں اُسکو نہیں جان سکتیں اور لوگوں کی نگاہوں کو

وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ○ (الانعام۔ ۱۳) — خدا خوب جانتا ہے وہ بڑا باریک بین باخبر ہے

انسان خدائے تعالیٰ کو نہ ان ظاہری آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے نہ عقلی دلائل سے ذات باریتعالیٰ کا علم حاصل کر سکتا ہے۔ اِنَّ الْعَقْلَ لِاِقَامَةِ رَسْمِ الْعُبُوْدِيَّةِ لَا لِاِدْرَاكِ الرُّبُوْبِيَّةِ (قول حضرت علیؓ)

(ترجمہ۔ عقل تو اس لئے دی گئی ہے کہ مراسم بندگی ادا کرنے کی طرف رہنمائی کرے وہ اس لئے عطا نہیں ہوئی کہ اس کے ذریعہ خدائے تعالیٰ کی ذات کا ادراک کیا جا سکے) انسانی عقل کا ادراک حواس کے ماتحت ہے۔ عقل انسانی جب کسی چیز کا تصور کرتی ہے تو وہ محسوسات کے دائرے سے باہر نہیں ہو سکتا بنابریں لیس کمثلہ شیءٌ تک پہونچنے میں عقل انسانی کی بیچارگی ظاہر۔ پس جبکہ انسان ذات باریتعالیٰ کا علم اپنے حواس و عقل کی امداد سے حاصل نہیں کر سکتا تو سوائے اسکے اور کیا ہو سکتا تھا کہ

وہ خدا جس نے انسان کو شرف و بزرگی عطا فرما کر اس کی جسمانی پرورش و ربوبیت کے لئے ہر قسم کے سامان مہیّا فرمائے اس کی رُوح کی تسکین اور اس کی فطرت کے صحیح اور جائز تقاضے کو پورا کرنے کے لئے کہ وہ اپنے خالق و مالک کو جاننا پہچاننا اور اُس سے تعلق پیدا کرنا چاہتا ہے خود ہی اس پر اپنے آپ کو ظاہر کرے اور اپنی خوشنودی کے طریقے الہام و وحی کے ذریعہ جو عقل و حواس سے بالاتر ایک ذریعہ ہے اُس کو بتائے اور اُس کی دستگیری فرمائے۔

ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ (بنی اسرائیل - ۴)

یہ اُن حکمت کی باتوں میں سے ہیں جو تیرے رب نے تیری طرف وحی کیں۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ ط (الانعام - ۱۱)

اور خدائے تعالیٰ کی شان اور مرتبے کو جیسا پہچاننا چاہئے تھا اُنھوں نے نہیں پہچانا جبکہ اُنھوں نے یہ کہا کہ خدا نے کسی بشر پر کوئی چیز نازل نہیں کی۔

عقل و الہام

حواس کے ذریعہ انسان کو جو علم حاصل ہوتا ہے وہ اگرچہ بہت محدود و ناقص ہوتا ہے لیکن اُسی کو عقل وسیع اور مفید بناتی اور اُسی کے ذریعہ اپنے کمالات کے اظہار کا موقع پاتی ہے۔ اسی لئے حواس خمسۂ ظاہری کو علم کا سرچشمہ کہا جاتا ہے۔ اگر حواس خمسہ ظاہری کی کارفرمائی نہ ہو تو انسان میں عقل کا وجود بھی تسلیم نہیں کیا جاسکتا اس لئے کہ محسوسات پر ہی معقولات کی بنیاد قائم ہوتی ہے لیکن محسوسات عقل کے بغیر غلطی سے پاک اور مفید نہیں ہوسکتے۔ مثلاً انسان کی آنکھ تھوڑی فاصلہ پر ایک تیزی سے گھومنے والے لٹو کو کھڑا ہوا ساکن اور رات کے وقت سبز رنگ کو نیلا رنگ محسوس کرتی ہے۔ بیماری میں بسا اوقات میٹھی چیز کا مزا کڑوا معلوم ہوتا ہے کسی وجہ سے کان بجنے لگتے ہیں اور مکھیوں کی سی بھنبھناہٹ سنائی دیتی ہے۔ بعض اوقات برف کی ڈلی پر بے خیالی میں ننگا پاؤں رکھا جائے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آگ کے انگارے پر پاؤں جا پڑا۔ حواس کی ایسی غلطیوں کی عقل

کے ذریعہ اصلاح ہوجاتی اور انسان غلطی سے بچ جاتا ہے۔ اس طرح وہ علم جو حواس و عقل دونوں کی امداد سے حاصل ہوتا ہے انسان کی ضروریات زندگی کے حصول اور حفاظت و پرورشِ جسمانی میں معین و مددگار اور آلۂ کار ثابت ہوتا ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ عقل بھی ایک حد تک پہنچ کر اپنے عجز کا اقرار کرتی اور کہتی ہے کہ ؎

اگر یک سرِ موئے برتر پرم　　　فروغ تجلّی بسوزد پرم

مثلاً روحِ انسانی یا نفس ناطقہ کی حقیقت کہ اجتماعِ ذراتِ مادّی کے بعد زندگی کہاں سے اور کس طرح آجاتی ہے، عقل اس کا جواب نہیں دیسکتی۔ عقل مادے کا کھوج لگا سکتی ہے لیکن مادے کی صفاتِ اولیہ اور مادے کے ساتھ قوت کا کیا تعلق ہے اور کس طرح ہے اور قوت کی حقیقت کیا ہے؟ اس کے متعلق عقل انسانی نہ کچھ بتا سکی ہے نہ بتا سکتی ہے۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ انسانی فطرت میں کثیر التعداد جذبات بھی موجود ہیں اور ان جذبات کے تقاضے عقل و فکر کی کارفرمائیوں کے دائرے سے باہر اور عقل کی گرفت سے یکسر آزاد اور بسا اوقات عقل کی رہبری کو تسلیم کرنے سے انکار کردیتے ہیں۔ یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ جذبات مثلاً محبت و نفرت ہمت و بہادری، تعجب و حیرت، اُمید و بیم، تحقیر و تعظیم، رشک و حسد، سوز و گداز، بیخودی و خود فراموشی، طیش و غضب۔ شرم و ندامت، رنج و غم، فرحت و انبساط، جوش و شوق وغیرہ فطرتِ انسانی کا جزو نہیں ہیں۔ اور ان جذبات کے بغیر بھی انسانی زندگی کو انسانی زندگی کے نام سے موسوم کیا جاسکتا ہے۔ حالانکہ یہی جذبات ہیں جن کی تہذیب و تربیت انسان کو اخلاقِ فاضلہ سے متصف بناتی اور فطرتِ انسانی کو تسکین پہنچاتی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ انسانی ضروریات کو پورا کرنے اور انسان کو اُس کے مقصد زندگی تک پہنچانے کے لئے صرف عقل ہی کی رہبری کافی نہیں اور یہی وجہ ہے کہ نسل انسانی ہمیشہ حواس و عقل سے فائق تر ایک اور ذریعۂ علم یعنی الہام ربّانی کی قائل و معتقد رہی ہے۔

فطرتِ انسانی میں حق و حقیقت کے فہم کی استعداد تو موجود ہے لیکن حق و حقیقت تک

پہنچنے اور نجات و کامرانی حاصل کرنے کے لئے وہ ہدایت آسمانی کی محتاج ہے۔ پس کیسے ممکن تھا کہ جس خدا نے انسان کی پرورش جسمانی کے تمام اسباب و ذرائع مہیا کردئے وہ اس کی روحانی پرورش اور اس کے فطری تقاضوں کی تربیت و تہذیب اور روحانی تشنگی کے فرو کرنے کا کوئی سامان مہیا نہ کرتا۔ چنانچہ اُس نے وحی اور الہام کے ذریعہ جو حواس و عقل کی دسترس سے بالاتر ایک ذریعۂ علم ہے فطرتِ انسانی کی اس تشنگی کو فرو کیا۔ اور انسان کو اس کی حقیقی سعادت تک پہنچنے کے طریقے بتائے۔

إِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدَىٰ (اللیل) — بلاشبہ رہنمائی کرنا ہمارا کام ہے۔

قُلْ إِنَّ هُدَى اللَّهِ هُوَ الْهُدَىٰ (البقرہ ۱۴) — کہدو کہ حقیقی ہدایت تو وہی ہو جو اللہ کی طرف سے ہدایت ہے

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت۔۷) — جن لوگوں نے ہماری راہ میں سعی و کوشش سے کام لیا تو ضرور ہے کہ ہم بھی اُن پر اپنی راہیں کھولدیں۔

انسان اس کارخانۂ عالم کی اُن تمام چیزوں سے جو اسکی خدمت کے لئے خدائے تعالےٰ نے پیدا کی ہیں کام لینے اور اُن سے نفع اُٹھانے اور اُن کو محکوم بنانے میں عقل سے امداد حاصل کرتا ہے اور عقل اُس کو اُن تمام قوانین الٰہی سے واقف و آگاہ بناتی ہو جو موجوداتِ عالم پر حاوی و عامل ہیں۔ انھیں قوانینِ الٰہی کو قانون نیچر یا قانون طبعی کہتے ہیں۔ اس قانون طبعی یا نیچرل فلاسفی سے عقل کے ذریعہ واقف اور مستفیض ہو کر انسانی فطرت میں ایک تحریک خالقِ کائنات کی ہستی کا اقرار کرنے اور اُس کی تلاش و جستجو پر آمادہ اور حیرت زدہ بنانے کی تو ہوسکتی ہے لیکن اس حیرت کو دور اور جستجو میں کامیاب بنانے کے لئے کافی نہیں ہوسکتی۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِأُولِي الْأَلْبَابِ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي — بیشک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کے اختلاف میں عقل والوں کیلئے نشانیاں ہیں جو لوگ اللہ تعالیٰ کو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے یعنی ہر حالت میں یاد رکھتے اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے ہیں

خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ (آل عمران - ۲۰)

وہ بے اختیار کہہ اُٹھتے ہیں کہ اے ہمارے رب تو جو ہماری ترقی کے سامان مہیا کرنیوالا ہے تو نے یہ تمام کارخانہ بیکار اور بے نتیجہ پیدا نہیں کیا۔ تیری ذات اس عیب سے پاک ہے کہ تو کوئی چیز عبث پیدا کرے۔

عقل انسانی انسان کو ہستیٔ باریتعالیٰ کا یقین دلا کر اپنا کام ایک حد تک ختم کردیتی ہی لیکن فطری جذبات انسان کو آگے بڑہاتے اور اُس اَن دیکھی ہستی کی تلاش میں جویان وپویان بنا کر بے چین وبے آرام بنا دیتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہنا چاہیے کہ عقل کی رہبری میں جس قدر سفر طے ہوسکتا ہے اُسے طے کرنے کے بعد انسان آگے بڑھنے اور اپنے سفر کو جاری رکھنے کے لئے مجبور ہوتا ہے۔ اور اُس کو ایک ایسے رہبر کی ضرورت پیش آتی ہے جو اُس کی اس آئندہ سفر میں رہبری کر سکے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُمْ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ ۝ (یونس ۶)

لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آچکی اور امراض قلبی کی دوا اور ایمان والوں کیلئے ہدایت اور رحمت پہنچ گئی۔

یہ بات فراموش نہیں ہونی چاہئے کہ حواس کا کام ایک محدود دائرے تک تھا عقل نے اُسکو وسیع کیا اور حواس اپنی بیچارگی کا اقرار کرتے ہوئے عقل کے ساتھ ساتھ رہے یہ نہیں ہوا کہ اس دوسرے وسیع دائرے میں عقل کی کارفرمائی شروع ہونے پر حواس بیکار اور کام سے دستبردار ہوگئے ہوں بلکہ وہ بدستور عقل کی ماتحتی میں مصروف کار رہے۔ مدعا یہ کہ عقل وحواس میں تضاد اور مخالفت ہرگز نہیں ہے۔ اسی طرح عقل کے عاجز ہونے کے بعد تیسرے وسیع تر دائرے میں قدم بڑہانے کے لئے جو رہبر (وحی والہام) دستگیری فرمائے گا عقل اُسکی ماتحتی میں مصروفِ کار رہے گی اور بیکار ومعطل ہوکر نہیں بیٹھ جائیگی یعنی وحی والہام اور عقل میں مخالفت اور تضاد ہرگز نہیں۔ جو نسبت حواس کو عقل کے ساتھ ہے وہی نسبت عقل کو وحی والہام کے ساتھ ہے۔ جو

شخص اپنے حواس اور عقل سے باختیار خود کام نہ لے کر بدحواسی اور بے عقلی میں مبتلا ہو جائیگا وہ وحی والہام سے بھی کوئی فائدہ نہ اُٹھائیگا اور ضلالت و گمراہی میں مبتلا ہو کر ہلاکت کے گڑھے میں گر جائے گا۔

حواسِ ظاہری خدائے تعالیٰ کی بنائی ہوئی اشیار کے ظاہری صفات کا علم حاصل کر سکے تھے عقل نے اشیار کے متعلق خدائے تعالیٰ کے بنائے ہوئے قانونِ نیچر سے واقفیت حاصل کر کے محسوسات کے متعلق علم کو وسیع کیا۔ مثلاً بصارت دور کی چیز کو نہیں دیکھ سکتی تھی، عقل نے بصارت کی اس کمزوری و عاجزی کو دوربین ایجاد کر کے دور کر دیا۔ جب ایک حد تک آگے بڑھ کر عقل بھی عاجز و درماندہ رہ گئی تو وحی والہام نے عقل کے ضعف و عجز کو دور کیا اور خدائے تعالیٰ کے روحانی قانون سے واقف وآگاہ بنا کر بصیرت یعنی عقل کی بینائی کے لئے دوربین بہم پہنچادی جس سے انسان اپنے اُس مطلوب کا شناسا بنا جس کی تلاش میں وہ جویان و پویاں تھا۔

عقلِ انسانی وحی والہام ہی کی ذریعہ راہ راست پر چل سکتی ہے اور وحی والہام کا ظہور بھی عقل ہی پر موقوف ہے۔ یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ عقل بینائی ہے اور وحی والہام روشنی جس طرح روشنی کے بغیر بینائی کام نہیں دیتی اسی طرح بینائی کے بغیر نور یا روشنی کا احساس نہیں ہو سکتا

قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللهِ نُورٌ وَّكِتَابٌ مُّبِينٌ ط (المائدہ ۳۰) بیشک تمہارے پاس خدا کی طرف سے نور اور واضح کتاب آگئی۔

یا یوں سمجھئے کہ عقل ایک چراغ ہے اور وحیٔ الٰہی روغن ہے۔ جو روشنی دینے میں چراغ کا معاون ہے غرض دونوں ہی ہدایت انسانی کے لئے لازم و ملزوم ہیں۔ دوسرے الفاظ میں بطور خلاصہ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ عقلِ انسانی ارادے کے صرف اُس حصّہ کی تہذیب کر سکتی ہے جو اُسکے ماتحت ہو لیکن ارادے کے اُس حصّہ کی تہذیب جو جذبات کے ماتحت ہے الہام الٰہی کے ذریعہ ہی ممکن ہے نہ اور کسی طرح۔

رسالت و نبوّت

جبکہ الہامِ الٰہی کی ضرورت ثابت اور انسانی فطرت اس کی متقاضی و خواہاں ہے تو خود انسان کے اندر کوئی ایسی استعداد بھی ضرور ہونی چاہیئے جو حواس و عقل سے بالاتر ہو اور انسان کو الہامِ الٰہی سے فیضیاب بنا سکے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ انسان کو ان حواسِ ظاہری کے علاوہ ایک اور حاسّہ بھی دیا گیا ہے جس کو حاسّہ قلبی یا لطیفہ قلبی کہا جاتا ہے اور وہ مہبطِ الہام الٰہی اور منزلِ وحی ربّانی بننے کی قابلیت رکھتا ہے۔ اور اس کو حواس خمسۂ ظاہری سے کوئی تعلق و مناسبت نہیں سچے خوابوں پر غور کرنے سے بھی اس خصوصی استعداد کا کچھ کچھ اندازہ ہو سکتا ہے۔ خواب میں حالات و واقعات بالکل بیداری کی طرح سامنے آتے ہیں۔ اگر خواب کو خیال بھی کہا جائے تو وہ بھی شاہدہ ہی بنجاتا ہے حالانکہ بیداری میں یہ ممکن نہیں۔ حواسِ ظاہری کے معطل اور بیکار ہونے کی حالت میں بحالتِ خواب انسان کو اس طرح ایک علم حاصل ہوتا ہے کہ اُس طرح حواسِ ظاہری کے علیٰ حالہم برسرِ کار ہونے کی حالت میں نہیں ہو سکتا خواب کی حالت میں جبکہ سُننے دیکھنے، چکھنے، سونگھنے، چھونے کی قوتیں اپنا اپنا کام ترک کر دیتی ہیں انسان چلتا ہے، گفتگو کرتا ہے، عجیب عجیب نظارے دیکھتا ہے اور متاثر ہوتا ہے۔ کبھی خواب میں دیکھتا ہے کہ کسی نے اس کے بازو پر لاٹھی ماری پھر جب بیدار ہوتا ہے تو بازو میں درد محسوس کرتا ہے، معلوم ہوا کہ خواب کی حالتِ ربودگی میں جبکہ انسان کے حواس معطل ہوتے ہیں وہ ایسے واردات کا مورد بن سکتا ہے جو اُس کے جسم اور مادّے کو متاثر کر سکیں۔ وحی اور الہام کے ذریعہ جو علم حاصل ہوتا ہے اُس میں بھی حواس کو دخل نہیں اور اسی لئے عقل نہ اُس میں کوئی ترمیم کر سکتی ہے نہ ترمیم و تصرف کا حق رکھتی ہے۔ اور اسی لئے وہ ایک ایسی صداقت ہوتی ہے جس کو علم غیب کہا جاتا ہے پس اس حقیقت کے تسلیم کرنے میں عذر نہیں ہو سکتا کہ خدائے تعالیٰ اپنے بعض برگزیدہ بندوں کو وحی و الہام کے ذریعہ علم عطا فرماتا ہے، جو حواس سے بالاتر ایک ذریعہ علم ہے

دنیا کی کوئی قوم، کوئی ملک اور کوئی زمانہ ایسا نہیں بتایا جا سکتا کہ کسی نہ کسی رنگ میں نسلِ انسانی الہامِ الٰہی کے عقیدہ و اقرار سے جدا ہوئی ہو اور فطرتِ انسانی کی تشنگی مبدل بہ سیرابی نہ ہوتی رہی ہو۔ یہ بجائے خود ایک زبردست استقرائی دلیل ہے۔

وحی والہام کا مرتبہ عقل وحواس سے بالاتر ہونے کے باوجود انسان نے عقیدۂ وحی والہام سے کبھی انحراف وانکار نہیں کیا۔ اور تمام قابلِ تذکرہ مذاہب اس کے مُصدّق ہیں صداقتوں اور حقیقتوں کے معلوم اور تسلیم کرنے کے لئے انسان صرف معقولی ومنطقی دلائل ہی پر حصر نہیں رکھتا بلکہ حقائق کے متعلق علم وعقیدے کی بنیاد اور طریقوں پر بھی قائم ہوتی ہے۔ اور محسوسات کے متعلق بھی انسانی علوم نے صرف معقولی ومنطقی شاہراہوں پر ہی چل کر ترقی نہیں کی ہے بلکہ انسان کی تمدنی ترقیات کی بنیاد فطری شاہراہوں پر گامزن ہونے سے قایم ہوئی ہے۔ چاہے وہ عقل اور منطق سے جدا ہی کیوں نہوں شلاً زبان کے الفاظ اور اُنکا مفہوم ہر ایک انسان ابتداءً بلا دلیل ہی سیکھتا اور سمجھتا ہے۔ اسم اور مسمٰی کے تعلق کا سبب یا ثبوت تلاش نہیں کرتا۔ حالانکہ بعد میں انہی بلا دلیل سیکھے ہوئے الفاظ ومعانی کے ذریعہ معقولی دلائل کے دریا بہا دیتا ہے۔ سنکھیا کھانے یا سانپ کے ڈسنے سے آدمی مرجاتا ہے یہ ایک حقیقت ہے اور اس پر سب کا اعتقاد ہے اور اب معقولی دلائل سے سانپ اور سنکھیے کے زہر اور ہلاکت کے واقع ہونے میں جو تعلق اور سلسلۂ علل ونتائج واقع ہے اُس کا بھی بہت کچھ کھوج لگایا جا چکا ہے لیکن مذکورہ حقیقت اور مذکورہ اعتقاد کی بنیاد پہلے ہی سے قائم ہے اور سبب ونتیجے کے تعلق کی وضاحت معلوم کرنے کی بعد میں کوشش کی گئی ہے اگر یہ کوشش نہ کیجاتی یا کامیاب نہ ہوتی تب بھی مذکورہ حقیقت حقیقت ہی رہتی۔ انسان دوسروں سے سیکھ کر اور دوسروں کی امداد پاکر ہی علوم وفنون میں ترقی کر سکا ہے۔ انسانی فطرت اور انسانی افتاد وتمہید ہی خالقِ عالم نے ایسی رکھی ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان سے سیکھنے اور امداد پانے کا محتاج ہے۔ اِسی لئے انسان کو متمدن حیوان بھی کہا جاتا ہے۔ خدائے تعالیٰ

نے ہر انسان کو وجدان، حواس، عقل، جذبات وغیرہ عطا کئے ہیں۔ اور انہی کے ذریعہ وہ ہر قسم کی علمی و تمدنی و معاشری ترقیات کر سکا ہے۔ لیکن اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ ایک انسان پیدا ہونے کے بعد ماں باپ یا دوسرے مربیوں کی امداد کے بغیر اور دوسرے انسانوں سے بالکل جدا اور بے تعلق رہکر بھی کوئی ترقی کر سکتا ہو اور اگر دوسرے انسانوں سے سیکھنے اور دوسری انسانوں کے نمونے کی پیروی کرنیکا کسی انسان کو قطعاً موقع نہ ملے تو اُس کی حالت چوپایوں سے بدتر اور ذلیل تر ہوگی۔ چنانچہ انسانوں کے وہ بچے جنہوں نے بھیڑیوں کے غاروں میں بھیڑیوں کے ساتھ پرورش پائی اور جوان ہونے کے بعد انسانوں کے ہاتھ لگے مذکورۂ بالا حقیقت کی بہترین مثال ہیں۔ پھر انسانی نسلوں پر غور کرو کہ ہر آنے والی نسل کو جانے والی نسل سے اُس کے معلومات و تجربات کا ایک ذخیرہ وراثتاً ہاتھ آتا ہے۔ اُس پر یہ نسل اور اضافہ کر کے اپنے بعد آنے والی نسل کو سپرد کر جاتی ہے۔ اور وہ اور اضافہ کرنے میں مصروف ہو جاتی ہے اس طرح نوع انسان کے پاس آج جو علوم و سائنس و تمدن وغیرہ موجود ہے اس کا بڑا حصہ اُس نے دوسروں سے حاصل کیا ہے۔ یہ بھی دلیل اس کی ہے کہ وہ دوسروں کا محتاج ہے اور تمام معلومات معقولی طور پر ہی بہم نہیں پہنچی ہیں۔

ایک ہی شخص غلہ پیدا کرنے کے لئے کاشتکار۔ مکان بنانے کے لئے معمار، کپڑا تیار کرنے کے لئے جولاہہ، کپڑا سینے کے لئے درزی، روٹی پکانے کے لئے بھٹیارہ، بیماریوں کا علاج کرنے کے لئے طبیب، دوائیں فراہم کرنے کے لئے عطار، جوتیاں تیار کرنے کے لئے موچی نہیں بن سکتا۔ اور تمام کام تنہا انجام نہیں دے سکتا۔ حالانکہ اُس کو غلہ، مکان، کپڑا۔ دوا، جوتی وغیرہ سب چیزوں کی ضرورت ہے۔ اور اس میں کاشتکار، معمار، جولاہا، لوہار، نجار، طبیب، عطار، موچی وغیرہ سب کچھ بننے کی استعداد بھی موجود ہے لیکن وہ سب کچھ نہیں بنتا بلکہ کوئی ایک یا کچھ ایک ہی بن سکتا ہے اور باقی ضرورتیں دوسروں کی امداد سے پوری کرتا ہے۔ یہ بھی ممکن نہیں کہ سب کے سب آدمی ڈاکٹر یا طبیب ہی بنجائیں، یا سارے کے سارے انجنیر یا معمار

ہی ہو جائیں۔ اگر تمام آدمی ایک ہی کام کرنے لگیں اور یہ اختلافِ اشغال و اختلافِ احوال نہ رہے تو تمام نسلِ انسانی غارت و ہلاک ہو جائے۔ یہ سچ ہے کہ انسان میں سب کچھ بننے کی استعداد کم و زیادہ موجود ہے۔ لیکن فطرتوں کے خالق نے جو نسلِ انسانی کی ضرورتوں سے واقف ہے ہر شخص میں بطور تخم ہر قسم کی استعداد رکھ کر کسی ایک قسم کی استعداد کو دوسری سے بڑھ کر اور زیادہ رکھا ہے اور جو استعداد زیادہ رکھی گئی ہے اس کے نشو و نما میں زیادہ آسانی ہوتی ہے اور اُس استعداد کے حسبِ حال کام کرنے میں انسان کو زیادہ دقت نہیں اُٹھانی پڑتی۔ اس طرح اختلافِ احوال کا ایک قدرتی انتظام بھی موجود ہے۔

قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ (بنی اسرائیل) کہہ دو کہ ہر شخص اپنی اپنی افتادِ طبع کے موافق کام کرتا ہے

انسانوں کے اِس اختلافِ احوال کے ساتھ ہی تمام کارخانۂ عالم پر نظر ڈالو تو بڑی آسانی سے یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ کائناتِ عالم کی پیدائش اُس کا نظام، اُس کا حُسن، اُسکی خوبی سب کچھ اختلاف ہی پر مبنی ہے۔ اگر اختلاف نہ ہو تو حرکت اور زندگی غائب ہو کر مرگ و جمود کے سوا کچھ نہ پایا جائے۔

پس باوجود اس کے کہ ہر شخص کو بلا توسط حواس و عقل کوئی صحیح علم حاصل ہو سکتا اور حواس کے عارضی طور پر معطل و بیکار ہونے کی حالت میں یعنی بحالت خواب رویائے صادقہ کے ذریعہ ہر انسان پر کوئی ایسی حقیقت منکشف ہو سکتی ہے جو صرف محسوسات کے ذریعہ ممکن نہیں پھر بھی ہر شخص نبی یا پیغمبر نہیں بن سکتا۔ انسان کی اُس پیاس کو بجھانے کی غرض سے جو معرفتِ الٰہی اور رضائے الٰہی کے لئے اور اپنی زندگی کے حقیقی مقصد سے آگاہ اور راحت دائمی حاصل کرنے کے لئے اُس کی فطرت میں ودیعت کی گئی ہے خدائے تعالیٰ نے انبیاء و رسل کو مبعوث کیا اور اُن کو وحی والہام کے ذریعہ ہدایت نامے دئے ہر شخص رسول و ہادی نہیں بن سکتا تھا۔ اگر ہر شخص نبی یا رسول ہوتا تو یہ دنیا انسان کے لئے نہ دار الامتحان رہتی اور نہ کسی قانون و شریعت کی ضرورت باقی رہتی۔ حالانکہ الٰہی قانون کی احتیاج سے فطرت

انسانی بے نیاز نہیں ہوسکتی۔ انسان چونکہ انسان ہی کے نمونے کی پیروی سے فائدہ اٹھا سکتا ہے لہذا ہر ایک نبی یا رسول کا انسان ہونا بھی ضروری تھا۔ چنانچہ نسلِ انسانی میں انسان ہی انبیاء و رسل مبعوث ہوتے اور انسانوں کو راہِ حق بتاتے رہے۔ وحی والہام یعنی الٰہی ہدایت ناموں کے ذریعہ انسان کو دوسرے انسانوں کے حقوق بھی بتائے جاتے اور انسان کو اُس کا صحیح نصب العین اور مقصدِ زندگی بتا کر آخری زندگی اور جزاو سزا کا یقین بھی دلایا جاتا رہا ہے۔ خدائے تعالیٰ نے نبوت و رسالت کے لیے جس کو چاہا منتخب فرمایا اور جس کو چاہا نبی بنا کر انسانوں کے لیے رہبر اور نمونہ بنایا۔

وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ	اور جب اُن کے پاس کوئی حکم الٰہی آتا ہے تو کہتے ہیں کہ جیسی نبوت پیغمبرانِ خدا کو دی گئی ہے اُسی قسم کی نبوت جب تک ہم کو نہ دیجائیگی ہم ایمان نہ لائیں گے حالانکہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ اپنی پیغمبری کی امانت کس کو سپرد کرے

(الانعام۔ ۱۵)

نبوت کی تعریف علامہ توفیق صدقی مصری نے ان الفاظ میں بیان کی ہے۔

"نبوت نام ہے اُس اصلاح کا جو زمین پر خدائے تعالیٰ کی جانب سے ایک ایسے شخص کے ہاتھوں عمل میں آئے جس کو خدائے تعالیٰ نے خاص اسی کام کے لیے اپنی مخلوقات میں سے منتخب کر لیا ہو"۔

پھر آگے چل کر فرماتے ہیں کہ:۔

"نبوت کا فائدہ دنیا کو تیزی سے آگے بڑھانا۔ بندگان خدا کے دلوں کی اصلاح کرنا اور لوگوں کے دلوں کے اُن شکوک کو دور کرنا ہے جو روز آخرت پر ایمان لانے اور آخرت کی جزا وسزا کو تسلیم کرنے کے متعلق پیدا ہوتے ہیں تاکہ انسانوں کے تمام اعمال و افعال و اقوال کا ظاہر و باطن ایک ہو جائے"۔

خدائے تعالیٰ کے سچے نبی یا رسول کو جو ہدایت نامہ منجانب اللہ دیا جاتا ہے اُس میں کوئی

شاقض نہیں ہوا کرتا اور وہ محققین کے انکشافات و اجتہادات کے لیے کبھی سد راہ نہیں بنتا اُس میں کوئی ایسی تعلیم نہیں ہوتی جو حقائق تجربہ شدہ کی مخالفت کرے۔ ہر شخص اپنی مدت العمر کے واقعات و تجربات و علوم پر غور کر سکتا ہے کہ اُس کو زیادہ قیمتی اور زیادہ اہم باتوں کا اکثر و بیشتر علم محض اتفاقی طور پر یا کسی سے سُن کر یا کسی کے توجہ دلانے سے ہوا اور اُس نے بعد میں عقل کے ذریعہ اس کی صحت کے دلائل بھی فراہم کیے۔ اور تجربہ کی کسوٹی پر پرکھا۔ بطور خود اسباب سے نتائج تک پہنچنے کی کوشش میں کسی مفید اور اہم واقفیت تک پہنچنے کے مواقع ہر شخص کو بہت ہی کم پیش آتے ہیں۔ پس نبوت حقّہ اور الٰہی ہدایت نامہ بھی اسی قسم کا علم صحیح اور صداقت حقّہ ہے جو انسان کو وہبی طور پر ملتی ہے پھر اُس کے حق اور صحیح ہونے کے دلائل بھی ہاتھ آجاتے ہیں، جو عقلی بھی ہوتے ہیں اور وجدانی بھی اور پھر تجربہ بھی اس کی تصدیق کر دیتا ہے۔ ہدایت نامۂ الٰہیہ اور عقل کی مثال یوں بھی دی جا سکتی ہے کہ ہدایت نامۂ الٰہی عقلِ خارجی ہے اور عقل ہدایتِ باطنی اور یہ دونوں ایک دوسرے کے معین و مددگار ہیں۔ اور دونوں مل کر مکمل سامانِ ہدایت بنتے ہیں۔ ہدایت نامۂ الٰہی کے ذریعہ جو علم حاصل ہوتا ہے اُس میں اور انسان کی سعی و کوشش اور عقل و تجربہ و محسوسات کے ذریعہ حاصل کیے ہوئے علم میں ایک نمایاں فرق یہ بھی ہے کہ انسانی تحقیقات ایک زمانہ میں مسلّم اور یقینی ہونے کے باوجود کسی دوسرے زمانہ میں غلط ثابت ہو جاتی ہیں لیکن ہدایت نامۂ الٰہی کے ذریعہ جو علم حاصل ہوتا ہے وہ کبھی غلط ثابت نہیں ہوتا۔

یہ بھی ظاہر ہے کہ نفع و نقصان، دوست دشمن اور اچھے بُرے کی تمیز عقل و تجربہ کی امداد کے بغیر ممکن نہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ عقل و تجربہ حقیقت و صحت اور راستی و صداقت کی طرف انسان کو متوجہ و مائل تو کر سکتے ہیں لیکن مقصودِ اصلی تک پہنچانے اور فائز المرام بنانے کی پوری قابلیت نہیں رکھتے۔ انسان کے حواس ظاہری بیحد ضروری ہونے کے باوجود قدم قدم پر ٹھوکر کا باعث بھی ہوتے رہتے ہیں۔ اسی طرح عقلِ انسانی نہایت قیمتی چیز ہونیکے باوجود

انسان کی غلط کاریوں کا باعث بھی بنتی رہتی ہے اور سب کو معلوم ہے کہ عقل و تجربے کی حالت ہمیشہ متغیر رہتی ہے۔ بعض باتیں کسی زمانہ میں حماقت اور غلطیاں سمجھی جاتی تھیں آج وہ دانائی اور عقلمندی کا نشان قرار پا گئی ہیں۔ کسی زمانہ میں ارسطو اور افلاطون کے نظریئے ثابت شدہ حقائق کا جامہ پہنے ہوئے تھے لیکن آج مدارس کے معمولی طلبا اُن کا مذاق اُڑا رہے اور اُنکا سرتاپا غلط ہونا ثابت کر رہے ہیں۔ بقراط و جالینوس و افلاطون و ارسطو کو جسم انسانی کے دورانِ خون کا علم نہ تھا، حالانکہ بہت سی بیماریوں کی تشخیص و معالجے کا اس علم پر انحصار ہے۔ آج ہر طبیب اور ڈاکٹر دورانِ خون اور اس کی حقیقت اور دلائل سے اس طرح واقف و آگاہ ہے کہ شک و شبہ کو مطلق دخل نہیں۔ پھر لطف یہ کہ کوئی شخص اس بات کی بھی ذمہ داری نہیں لے سکتا کہ آج جن باتوں کو ثابت شدہ حقائق سمجھا جاتا ہے کل یہ بھی اسی طرح غلط ثابت نہ ہو جائینگی جیسے کہ ارسطو و افلاطون کے زمانہ کی ثابت شدہ باتیں آج غلط ثابت ہو رہی ہیں۔

جزا و سزا اور حیات بعد الممات

انسان کو خدائے تعالیٰ نے اس کارخانۂ عالم کی تمام چیزوں کا مخدوم بنایا ہے۔ انسان بخلاف دوسری مخلوقات کے اپنے ارادے اور اختیار سے موالید ثلاثہ یعنی جمادات، نباتات اور حیوانات کو اپنا مسخر و خادم بناتا اور اُن میں تصرف کرتا ہے۔ لہذا اس اختیار و تصرف کی جو اس کے آزاد ارادے کے ماتحت عمل میں آتا اور اُس کو مخدومیت کے تخت پر بٹھاتا ہے ذمہ داری بھی اُسی پر عائد ہونی چاہیے۔ اور اپنے اعمالِ ارادی کے نتائج اس کو ضرور بھگتنے چاہئیں۔ یہی وجہ ہے کہ انسان کو اس مادی دنیا میں اپنی جسمانی و دنیوی زندگی کی ضروریات بھی خود ہی اپنے ارادے اور سعی و عمل کے ذریعہ مہیا کرنی پڑتی ہیں۔ "جو[1] شخص اپنی زمین میں ہل چلاتا، بیج بکھیرتا، پانی دیتا اور حفاظت کرتا ہے وہ اپنے ان اعمال کے نتیجے میں غلہ کے انبار کا مالک

[1] یہ عبارت میں نے اپنی کتاب موسومہ حجۃ الاسلام سے اس جگہ نقل کر دی ہے۔ (اکبر شاہ خاں)

بنتا ہے۔ جو شخص چوری کرتا ہے ذلت اُٹھاتا اور جیلخانے کی مصیبت برداشت کرتا ہے۔ جو اپنی غذا میں احتیاط نہیں کرتا وہ بیماری میں مبتلا ہوتا اور جو کسی کی مصیبت میں کام آتا ہے وہ اس سے محبت اور شکر گذاری کا برتاؤ دیکھتا ہے۔ غور طلب صرف یہ امر ہے کہ انسان کے تمام اعمال و افعال کی جزا و سزا کے لیے اس دنیا کا میدان اور اس موجودہ زندگی کا عرصہ کافی ہے یا نہیں۔ ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ انسان چونکہ اختیار و ارادے کا مالک ہے اور اُس کے افعال و اعمال لامحدود اقسام اور لامحدود حیثیات اور لامحدود کیفیات کے ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا یہ دنیوی زندگی اس کے اعمال کی پوری پوری جزا و سزا کے لیے کافی نہیں ہو سکتی۔ ایک شخص کسی کے بازو پر تلوار مارتا اور اُس کا ہاتھ بیکار کر دیتا ہے۔ تلوار مارنے کا فعل چند سکنڈ سے زیادہ کا کام نہیں ہے۔ لیکن اس کا نتیجہ بہت طویل ہے۔ یعنی اُس مجروح شخص کا ہاتھ ساری عمر کے لیے بیکار ہو گیا۔ کوئی شخص کسی زہریلے دھوئیں سے پرہیز نہیں کرتا اور چند منٹ کی بے احتیاطی سے مدت العمر کے لیئے اندھا ہو جاتا ہے۔ کوئی شخص زنا کا ارتکاب کرتا ہے اور ساری عمر کے لیئے آتشک کی بیماری میں مبتلا رہتا ہے۔ کسی شخص کو کوئی گالی دیتا یا نقصان پہنچاتا ہے اور ساری عمر کے لیئے اس کو اپنا دشمن بنا لیتا ہے۔ اسی طرح کوئی شخص چند مہینے کی محنت اور کوشش سے اپنا گھر بناتا اور ساری عمر اُس گھر سے آرام اور نفع اُٹھاتا ہے۔ کوئی شخص اپنے تاریک کمرے کی دیوار یا چھت میں روشندان کھولتا ہے اور ہمیشہ اُس روشندان کے ذریعہ تازہ ہوا اور روشنی حاصل کرتا ہے۔ غرض یہ بات بڑی آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ اس دنیا میں ہمارے بہت سے اعمال ایسے نظر آتے ہیں جن کا ارتکاب و اکتساب تو محدود مدت اور معمولی حیثیت میں ہوتا ہے لیکن اُن کی جزا یا سزا غیر محدود اور طویل مدت تک عظیم الشان حیثیت کی ہوتی ہے۔ یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ ہمارا ہر ایک عمل ایک الگ نتیجہ بھی پیدا کرتا ہے اور کئی کئی اعمال کا مجموعہ ایک اور عظیم الشان نتیجہ بھی پیدا کر دیتا ہے۔ مثلاً کوئی شخص اپنے کھیت میں مویشی چھوڑ دیتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اُس کا کھیت ویران ہو جاتا ہے اور غلہ

اُس کو حاصل نہیں ہوتا۔ پھر وہی شخص بلا وجہ لوگوں کو گالیاں دیتا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لوگ اُس کے دشمن ہوجاتے ہیں اور وہ ہمسایوں کی ہمدردی سے محروم ہوجاتا ہے۔ پھر وہ نقصان رساں غذا کھاتا ہے جس کے نتیجے میں بیمار ہوجاتا ہے۔ اب اِن مذکورہ تینوں کاموں کا مِل کر ایک اور نتیجہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ اُس کی ساکھ اور عزت برباد ہوجاتی ہے، کوئی اُس کی عیادت کو نہیں جاتا، اُس کے بچے بھیک مانگتے پھرتے ہیں۔ ہمسایے قرض نہیں دیتے اور اُس کی تباہ حالی کو بنظرِ اطمینان دیکھتے ہیں۔ یہ بجائے خود ایک الگ اور عظیم الشان نتیجہ ہے جو اُس کے مذکورہ کئی اعمال کے مجموعہ سے پیدا و مرتب ہوا ہے۔ اسی طرح ایسے ایسے کئی مجموعے مِل کر ایک اَور بہت ہی بڑا نتیجہ پیدا کر دیتے ہیں، وقس علیٰ ہذا۔ پس یہ کیسے فرض کیا جاسکتا ہے کہ ہماری یہ زندگی جو ہمارے اعمال کا مجموعہ اور محدود پیانہ ہے ہمارے نتائجِ اعمال کا بھی پیمانہ بنجائے اور جو ظرف ہمارے اعمال سے پُر ہے ہمارے تام وکمال نتائجِ اعمال بھی اُسی ظرف کا مظروف بنجائیں اور معاملہ یہیں ختم ہوجائے۔ عقلِ سلیم بجز اس کے اور کوئی صورت تجویز ہی نہیں کرسکتی کہ اِس زندگی میں بہت ہی تھوڑے سے کاموں کی اور بہت ہی تھوڑی سی جزا و سزا مل سکتی ہے۔ پوری پوری جزا و سزا کے لیے کوئی دوسری زندگی اور دوسرا میدان ہونا چاہیے۔ جہاں اس روح کو جو اختیار و ارادہ کی مالک ہے اپنے نیک اور بد اعمال کے نتائج برداشت کرنے کا موقع ملے۔ پھر یہ بات بھی بدیہی ہے کہ ہمارے کئی کئی اعمال کا مجموعہ ایک الگ نتیجہ بھی مرتب کرتا ہے، اسی طرح اُن مجموعوں کے مجموعے اور بھی بڑے بڑے نتیجے پیدا کرتے ہیں۔ پس ساری زندگی کے اعمال کا جو ایک سب سے بڑا مکمل مجموعہ ہوگا اس کا نتیجہ لازماً اُس زندگی کے بعد ہی مرتب ہوسکیگا۔ اور اُس کے برداشت کرنے کے لیے یقیناً اس روح یا نفسِ ناطقہ کو موجود رہنا پڑیگا۔

وَكُلَّ إِنسَانٍ أَلْزَمْنَاهُ طَائِرَهُ فِي عُنُقِهِ وَنُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا يَلْقَاهُ	اور ہم نے ہر آدمی کی بُرائی بھلائی کو اس کے ساتھ لازم کرکے اس کے گلے کا ہار بنادیا ہے یعنی ہر ایک کی

مَنْشُوْرًا ۝ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ۝ مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِىْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۝ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝

(بنی اسرائیل-۲)

تقدیر ہر ایک کے ساتھ ہے اور قیامت کے دن ہم اُسکا نامۂ اعمال نکال کر اس کے سامنے پیش کر دینگے اور وہ اس کو اپنے روبرو کھلا ہوا دیکھ لیگا اور ہم اُس سے کہیں گے کہ یہ اپنا نامۂ اعمال پڑھ لے اور آج اپنا حساب لینے کے لیے تو خود ہی کافی ہے جو شخص سیدھے راستہ پر چلا تو وہ اپنے ہی فائدہ کے لیے سیدھے راستے چلتا ہے اور جو بھٹکا تو اس کے بھٹکنے کا خمیازہ بھی اُسی کو بھگتنا پڑیگا۔ اور کوئی متنفس کسی دوسرے کے بارِ گناہ کو اپنے اوپر نہیں لیگا۔ اور جب تک ہم رسول بھیجکر اتمام حجت نہ کرلیں کسی کو اُس کے گناہ کی سزا نہیں دیا کرتے[۵]

تعلیماتِ انبیاء اور کتب سماویہ کے ذریعہ انسان کو اس حقیقت سے آگاہی حاصل ہوئی کہ جس راحتِ دائمی اور جس مقصودِ اصلی کے حصول کی تشنگی روحِ انسانی اور فطرت انسانی میں مضمر ہے وہ اس دنیوی زندگی کے محدود پیمانہ میں میسر نہیں آسکتی۔ اس کے حصول کے لیے ایک دوسری غیر محدود زندگی کی ضرورت ہے اور روحِ انسانی ناپید اور فنا ہونے کے لیے نہیں پیدا کی گئی بلکہ اس زندگی کے حقیقی نتائجِ اعمال آنیوالی دوسری زندگی میں سامنے آئیں گے صرف اُسی رنج و راحت کو جو اس دنیوی زندگی میں مل سکتا ہے سب سے زیادہ اہمیت نہیں دینی چاہیے۔

کارخانۂ عالم پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں ذی حیات مخلوق کو غیر ذی حیات مخلوق پر فضیلت حاصل ہے۔ ذی حیات مخلوق میں صاحبِ ارادہ اور صاحبِ اختیار مخلوق کا مرتبہ زیادہ بلند ہے پھر صاحبِ اختیار و ارادہ مخلوق میں وہ مخلوق سب سے زیادہ افضل ہے

---

[۵] یہاں حجۃ الاسلام کا اقتباس ختم ہوا (اکبر شاہ خاں)

جس میں اختیار و ارادے کے ساتھ مآل اندیشی و انجام بینی کی صفت بھی موجود ہو۔ اور ظاہر ہے کہ جمادات میں علاماتِ حیات نہیں پائے جاتے۔ نباتات و حیوانات میں علاماتِ حیات پائے جاتے ہیں مگر نباتات میں اختیار و ارادہ نہیں پایا جاتا اور حیوانات میں پایا جاتا ہے لیکن باقی تمام حیوانات میں محدود و مقید قسم کا حیوانی اختیار و ارادہ ہے آزاد ارادہ نہیں۔ اور حیوانات میں مآل اندیشی و انجام بینی کی صفت بھی ایسی نہیں پائی جاتی جیسی کہ انسان میں پائی جاتی ہے۔ بنابریں انسان کو تمام جمادات و نباتات و حیوانات پر شرف و فضیلت حاصل ہے اور اس مآل اندیشی اور غور و تامل کی صفتِ خاص کا انسان میں موجود ہونا دلیل اس امر کی ہے کہ انسان کی اس محدود زندگی کا تعلق کسی آنیوالی دوسری زندگی اور آنیوالے دوسرے جہان سے ہے اور اس دنیوی زندگی میں دوسری آنیوالی زندگی کے لیے اس کو سامان فراہم کرنا چاہیے ورنہ دوسرے حیوانات کو مآل اندیشی اور آئندہ کے فکر و غم سے بیخوف و مطمئن رکھ کر انسان کو محض اس محدود زندگی کے لیے اس مصیبت میں مبتلا کرنا عبث اور بلاحکمت قرار پاتا۔

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ (المؤمنون - ۶)	کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ ہم نے تمہیں فضول پیدا کیا ہے اور تم لوٹ کر ہمارے پاس نہ آؤ گے۔

انبیاء علیہم السلام نے انسان کی عقل اور اس کی مآل اندیشی کے رُخ کو صحیح رکھنے کی ہمیشہ کوشش کی اور عالمِ معاد کے لیے تیاری کی ترغیب دی ورنہ اس محدود دنیوی زندگی کے لیے اس صفتِ مآل اندیشی کا عطا ہونا اس لیے بھی بلانتیجہ ٹھہرتا ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ؎

بناداں آں چناں روزی رساند   کہ دانا اندراں حیراں بماند

تعلیماتِ انبیاء ہی سے انسان کو خدائے تعالیٰ کی رضامندی و ناراضی اور نیکی و بدی کا صحیح علم حاصل ہوا ورنہ انسان بطور خود نیکی و بدی کا تعین اور رضائے الٰہی کی راہیں اور خدائے تعالیٰ تک پہنچنے کے طریقے معلوم نہیں کر سکتا تھا۔ نسلِ انسانی جس طرح ہمیشہ وحی و الہام اور

ہادیانِ برحق کی معتقد رہی ہے اسی طرح جزا وسزا اور عالم معاد کا اعتقاد اُس سے کبھی جدا نہیں ہوا
اِس کارخانۂ عالم کی لاتعداد اشیاء کی حقیقتوں اور اُن کے رازوں کو معلوم کرنے کے شوق میں نسلِ انسانی برابر مصروف ہے اور ہر روز نئے نئے انکشافات ہو رہے ہیں لیکن اب تک انسانی علم و واقفیت کی حیثیت وہی ہے جو ایک قطرے کی حیثیت سمندر کے مقابل ہے۔ اندریں حالات انسان کہاں یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ وہ نیکی و بدی اور حق و باطل کی صحیح تعیین اور جزا و سزا کے متعلق عقائد بلا تعلیماتِ انبیاء خود ہی وضع اور قائم کر سکتا تھا۔

انسانی فطرت، اُس کے وجدانات، اُس کے تاثرات اور اُس کے جذبات کو کبھی بھی تسکین حاصل نہیں ہوئی جب تک کہ ایک قادر و مقتدر، خالق و مالک، مدبر بالارادہ اور غیب کے پردے میں پوشیدہ بزرگ و برتر ہستی پر ایمان یعنی خدائے تعالیٰ کے متعلق یقین نے اس کی دستگیری نہیں کی اور کلام الٰہی یعنی تعلیمات انبیاء نے اس کو روشنی نہیں دکھائی۔ نوعِ انسان میں اس محسوس مشہود عالم سے بالاتر ایک دوسرے غیر محسوس زبردست غیبی نظام کا تصور ہمیشہ موجود رہا ہے۔ وجودِ باریتعالیٰ اور ایک غیر مرئی نظام کا صرف تصور ہی نہیں بلکہ محسوسات سے بڑھکر یقین رہا ہے۔ اور اسی کو مذہب یا مذہبیت کہتے ہیں۔ مذہب ذاتِ باریتعالیٰ اور اُس کے صفاتِ حسنۂ کاملہ پر یقین اور جزا و سزا کے عقیدے، نیکی و بدی اور خیر و شر کی تمیز کا نام ہے۔ انسان چونکہ فطرۃً متمدن ہے لہٰذا ایک انسان کو دوسرے انسان کے ساتھ معاملہ اور برتاؤ کرنے کے لیے کچھ اخلاقی آئین و قوانین کی بھی ضرورت ہے اور مذہب ہی انسان کو اخلاقِ فاضلہ سکھاتا اور اُس کے جذبات کو ایک معتدل اور مناسب پیمانے میں ڈھالتا ہے۔ اور مذہب ہی حیات بعد الممات کا یقین دلا کر انسان کی اس دنیوی زندگی کے لیے ضروری دستور العمل پیش کرتا ہے۔

مذہب اور نسل انسانی

مذہب جس کی مختصر تعریف اوپر بیان ہو چکی ہے وہ محبوب چیز ہے کہ نسل انسانی سے کبھی جُدا

نہیں ہوئی اور قیاسات منطقی اور دلائلِ عقلی کے ذریعہ ہرگز پیدا نہیں ہوئی۔ مذہب نسلِ انسانی کو ہمیشہ وہبی طور پر ملا اور عقل و فہم نے اُس کی تصدیق کی عقلِ انسانی مذہب کی مُصدِق تو رہی ہے لیکن حقیقی مذہب کی موجد کبھی نہیں ہوئی۔ مذہب کے تعلیم کردہ عقائد ہی انسانی فطرت اور انسان کے تاثرات و جذبات کی تہذیب اور کامل تسکین کا سامان بن سکتے ہیں۔ انسانی عقل اس ذمہ داری کو اپنے کاندھوں پر اُٹھانے سے ہمیشہ عاجز رہی ہے۔ انسان دوسرے انسانوں کے ساتھ مل کر زندگی بسر کرنے کی سہولت حاصل کرنے کے لئے ضرورۃً بھی اور اپنے دل کی بے چینیوں کو سکون و اطمینان سے تبدیل کرنے کے لئے فطرۃً بھی اور اپنی کمزوریوں اور مجبوریوں کے ہجوم میں یاس و نا اُمیدی کا شکار بننے سے بچنے کے لئے اضطراراً بھی اور اپنی قوتِ عمل اور سعی و کوشش کو متحرک کرنے کے لیے عقلاً بھی ذاتِ باری تعالیٰ پر ایمان لانے اور پابندِ مذہب بننے کے لیے مجبور ہے اور اس مذہب ہی کے سہارے نے انسان کو مشکلات کے مقابلہ پر مستعد بنا کر ہر قسم کی تمدنی ترقیات کے حاصل کرنے کا موقع بہم پہنچایا ہے۔ اگر مذہب کے سوا صرف عقل ہی کے ذریعہ انسان نے نیکی و بدی کا علم حاصل کیا ہوتا اور عقل ہی خیر و شر کا صحیح امتیاز بتا سکتی اور روح کی بقا اور جزا و سزا کا عقیدہ جو مذہب نے تعلیم کیا ہے نہ ہوتا تو انسان شرفِ انسانیت تک پہنچانے والے افعال اور تمدنِ انسانی کے قیام و بقا و ترقی کے لیے اہم ترین اخلاقِ محمودہ سے بے نصیب رہتا اور تمام دنیا فتنہ و فساد اور شرارت و بدمعاشی کا گہوارہ بن جاتی۔ مثلاً عقل لوگوں کے سامنے کسی کی چیز پر بلا معاوضہ ادا کیے اور بلا رضا مندی قبضہ کرنے سے ضرور روکتی لیکن تنہائی میں جبکہ کوئی دیکھ نہ سکے چوری کی اجازت دیدیتی۔ کمزور پر ظلم کرنے کے بعد زیرِ انتقام آنے کا خطرہ ہو تو عقل روک سکتی ہے لیکن اگر انتقام کا مطلق اندیشہ نہ رہے تو عقل کا فیصلہ اس کے خلاف ہو سکتا ہے۔ مگر مذہبی عقائد یعنی ایمان باللہ اور جزا و سزا کا یقین کہ ہمہ بیں و ہمہ داں حاکم کے حضور حاضر ہونا ہے انسان کو خلوت و جلوت ہر مقام اور دنیوی

زندگی میں پاداشِ عمل کا اندیشہ ہو یا نہ ہو ہر حالت میں گناہ اور بدی سے روکتا اور دوسروں کے ساتھ عدل و انصاف کا برتاؤ کرنے بلکہ خود تکلیف سہہ کر اور نقصان اُٹھا کر دوسروں کو راحت اور نفع پہنچانے کی ترغیب دیتا ہے۔ پلوٹارک یونانی جو عہد قدیم کا مشہور حکیم اور مشہور مصنف و مورخ بھی ہے کہتا ہے کہ

"خدا تعالیٰ کی ہستی کا یقین ہی تمام معاشرتِ انسانی کی خوبی کا سبب اور قیام عدل کا موجب ہے۔ صرف مذہب ہی وہ قوت ہے جو انسانی قوت کو اس کی حد سے متجاوز نہیں ہونے دیتی اور کمزور کی تقویت کا موجب ہو سکتی ہے۔"

ارسطو کا قول ہے کہ

"قانونِ سلطنت بعض حقوقِ انسانی کی حفاظت کر سکتا ہے لیکن انسان کو نیک نہیں بنا سکتا۔"

اس میں شک نہیں کہ انسانی عقل اور سائنس نے حقیقتِ اشیاء کا کھوج لگانے میں حیرت انگیز ترقی کی ہے اور حقائقِ اشیاء کے متعلق آئندہ بہت کچھ معلوم ہونے کی توقعات ہیں لیکن اس بات سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ معارف و معلومات و حقائق کی ایک خاص قسم ایسی بھی ہے کہ اُس کے حدود میں عقلِ انسانی کو قدم رکھنے کی مطلق جگہ نہیں مل سکی اور نہ مل سکتی ہے۔ اگر صرف عقل اور محسوسات کے ذریعہ حاصل شدہ علم کی روشنی کو کافی سمجھا جائے اور منطق ہی کے پیمانے میں انسان کی زندگی کو ڈھالا جائے تو یکسر تمام جذبات سے جن کے لیے عقل کی ماتحتی ضروری نہیں دست بردار ہونا پڑیگا۔ حالانکہ جذبات سے انسان کا مبرّا و بے تعلق ہونا ممکن نہیں۔ جذبات کو مفید اور صحیح سانچے میں ڈھالنا اور اُن کو انسان کے لیے نافع اور موجب ترقیات بنانا عقل کا نہیں صرف مذہب ہی کا کام ہے۔ انسان کے اخلاقِ فاضلہ کی بنیاد عموماً جذبات ہی پر قائم اور اس لیے مذہب ہی انسان میں اخلاقِ فاضلہ

پیدا کر سکا ہے نسلِ انسانی نے ہمیشہ مذہب کی ضرورت اور آسمانی و الہامی ہدایات کی اتباع کو جو فطرتِ انسانی کی پیاس بجھانے اور انسان کو اخلاقِ فاضلہ سے متصف کرنے کا ذریعہ ہے اپنے لیے ضروری و لازمی چیز قرار دیا ہے۔ چنانچہ ہر ملک اور ہر قوم میں الٰہی مذاہب اور سلسلۂ انبیاء کا ثبوت ملتا ہے اور صفاتِ باریتعالیٰ کا علم اور حیاتِ بعد الممات اور جزا و سزا کا یقین انسان کی اخلاقی تربیت و ترقیات کا موجب ہوا ہے۔ تمام وہ اخلاقِ حسنہ جو اقوامِ عالم اور نسلِ انسانی میں مستحسن و پسندیدہ سمجھے جاتے ہیں سب تعلیماتِ انبیاء اور الہاماتِ الٰہیہ کا نتیجہ ہیں۔ ہم یہ نہیں بتا سکتے کہ کون کونسا خُلقِ حَسَن کس کس نبی کی تعلیم کا نتیجہ اور کس کس زمانہ میں تعلیم کیا گیا ہے۔ مگر اس ناواقفیت سے اس یقین کو کوئی صدمہ نہیں پہنچ سکتا کہ نسلِ انسانی کی تمام اخلاقی خوبیاں تعلیماتِ انبیاء یعنی ہدایاتِ الٰہیہ کا نتیجہ ہیں ؎

چمکتی ہے جو ریگ اکثر نشاں ہیں مہ جبینوں کا ٭ جسے ہم روندتے پھرتے ہیں یہ سب خاکِ انساں ہے

دنیا میں نسل انسانی کی ترقیات کو مذہب سے بے تعلق و بے نیاز بتانا سخت حماقت اور بے بصیرتی کی بات ہے نسلِ انسانی اب تک مذہب ہی کی آغوش میں پلتی ہوئی اپنی موجودہ حالت تک ترقی کر سکی ہے اور عالمِ انسانیت میں جو جو عیوب و فسادات و نامرادیاں پائی جاتی ہیں وہ سب مذہب سے روگردانی اور بغاوت اختیار کرنے اور مذہب کے غلط استعمال سے پیدا ہوئی ہیں۔ یہ سچ ہے کہ دنیا میں جس قدر بھی مذاہب موجود پائے جاتے ہیں وہ نہ سارے کے سارے برحق اور نہ سب کے سب اپنی اصلی حالت پر موجود اور نہ غلطیوں سے پاک ہیں لیکن یہ بھی دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ موجودہ مذاہب میں صداقت وحقانیت کا کوئی شائبہ اور کوئی عکس اور کوئی نقش موجود نہیں اور مذاہبِ عالم کا انسانیت کے نظم و نظام اور اخلاق و تہذیب میں کوئی حصہ ہی نہیں۔ بہت سے غلط اور قابلِ اصلاح عقائد و اعمال کے باوجود اقرارِ ہستیٔ باریتعالیٰ اور اعمال کی جزا و سزا کے عقیدے کی موجودگی کے سبب مجموعی طور پر مذاہب کا وجود دنیا کے لیے مفید ہے۔

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ ۚ

(آل عمران ۔۷)

کہدو کہ اے اہل کتاب آؤ ایسی بات پر ہم اور تم متفق ہو جائیں جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں مانی جاتی ہے کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی چیز کو اُس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور اللہ کے سوا ہم میں سے کوئی کسی کو اپنا مالک نہ سمجھے۔

وَإِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ ۝ فَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۖ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ۝ (المؤمنون ۔۴)

اور تمہارا (خدا والوں کا) دین حقیقی کے اعتبار سے ایک ہی گروہ ہے اور میں تمہارا رب ہوں تم مجھ سے ہی ڈرتے رہو پس لوگوں نے آپس میں پھوٹ ڈالکر اپنا اپنا دین جُدا کر لیا اب جو دین جس گروہ کے پاس ہے وہ اُسی سے خوش ہے۔

کون نہیں جانتا کہ ہندوؤں کے مندروں کو جن میں پوجا پاٹ کا سلسلہ جاری ہے مسمار کر دیا جائے۔ عیسائیوں کے گرجوں کو جن میں اتوار کے روز گھنٹے بجتے اور عبادتی گیت گائے جاتے ہیں ڈھا دیا جائے اور مسلمانوں کی مسجدوں کو جن میں پانچ وقت اللہ اکبر کی صدائیں بلند کی جاتی ہیں اور خدائے واحد و لاشریک کے حضور خشوع وخضوع کے ساتھ نمازیں ادا کی جاتی ہیں منہدم اور مجوسیوں کے آتشخانوں کو جن میں یزداں پرستی سے دلوں کو گرمایا جاتا ہے سرد کر دیا جائے اور دنیا میں کوئی متنفس ایسا باقی نہ چھوڑا جائے جو خدائے واحد و لاشریک کی رضا جوئی کے لیے اپنی جان و مال سب کچھ قربان کر دینے پر آمادہ اور روزِ جزا کے مواخذے سے بچنے کے لیے اپنی خواہشاتِ نفسانی کا مقابلہ کر سکتا ہو اور تمام اُن باتوں کو جو کسی نہ کسی حیثیت سے مذہب کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں فنا کر دیا جائے تو یہ دلفریب دنیا نہ صرف یہ کہ بے لطف دنیا ہو جائیگی بلکہ درندوں کا اکھاڑہ، وحشی جانوروں کا جنگل اور شیطانوں کی بستی بن جائیگی پس اس بات کے تسلیم کر لینے میں ذرا بھی تامل نہ ہونا چاہیئے کہ دنیا میں تہذیب و تمدن اور تمدنی ترقیات کی بنیاد

مذہب نے قائم کی اور مذہبیت کی عمر نسلِ انسانی کی عمر سے ایک دن بھی کم نہیں ہے اور مذہب کوئی خیالی اور وہمی چیز نہیں ہے۔ بلکہ ایک حقیقت ہے اور ایسی حقیقت کہ اُس سے بڑھ کر کوئی حقیقی چیز نہیں اور ایک صداقت ہے اور ایسی صداقت کہ اُس سے بڑھ کر کوئی صداقت نہیں ہوسکتی۔ اور یہی وجہ ہے کہ مذہب کے لیے انسان ہمیشہ ہر قسم کی قربانی کرنے اور ہر قسم کی صعوبات برداشت کرنے پر آمادہ ہوتا رہا ہے۔

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا (الحج۔۶)

اور اگر خدائے تعالیٰ لوگوں کو ایک دوسرے کے ہاتھ سے دفع نہ کراتا رہتا تو عیسائیوں کی خانقاہیں اور گرجے اور یہودیوں اور دوسری جماعتوں کے عبادتخانے اور مسلمانوں کی مسجدیں جن میں کثرت سے خدا کا نام لیا جاتا ہے کبھی کے ڈھائے جاچکے ہوتے

یہ بھی یاد دلا دینا ضروری ہے کہ اگرچہ عقل تہذیبِ نفس۔ اکتسابِ اخلاقِ فاضلہ۔ خیر و شر کی حقیقی تمیز اور زندگی کے اعلیٰ ترین مقصد تک پہنچانے کا تنہا ذریعہ نہیں بن سکتی تاہم وہ انسان کو مذہب کے دروازے تک پہنچا دیتی ہے اور مذہب کے ساتھ مل کر آئندہ جاری رہنے والے سفر میں بھی رفیق سفر رہتی ہے۔ عقل اور مذہب ایک دوسرے کے معین و مددگار ہوتے ہیں مخالف ہرگز نہیں ہوتے۔ عقل کی موجودگی ہی مذہب کو کارفرمائی کا موقع دیتی ہے اور اسی لئے فاتر العقل پر احکامِ مذہبی کی پابندی و تعمیل ضروری نہیں رہتی۔

دین الفطرت

مذہب کا سب سے بڑا اور اہم کام یہ ہے کہ وہ انسان کی اس محدود دنیوی زندگی کے نتائجِ اعمال کو دوسری آنیوالی اُخروی زندگی پر اثر انداز ہونے والے یقین دلا کر اس دنیوی زندگی کے صحیح مقصد سے آشنا بنائے۔ مذہب سے مُراد اس جگہ الٰہی مذاہب یا الہامی مذاہب یا آسمانی مذاہب ہیں جن میں خدائے تعالیٰ کی ذات و صفات کا اقرار و ایمان اور حیات بعد الممات اور

جزا وسزا کا یقین لازمی ہے۔ باقی دہری یا فلسفی مذاہب کو مذہب کہنا ہی غلطی ہے اور ان دہری مذاہب کو عالمِ انسانیت میں کبھی کوئی اہمیت حاصل نہیں ہوئی نہ ہو سکتی تھی۔ ہر ایک الہامی مذہب کسی صاحبِ الہام وحی یعنی نبی یا رسول یا رشی یا اوتار کے ذریعہ دنیا میں شائع ہوا اور بہت سے انبیاء وقتاً فوقتاً دنیا میں مبعوث ہوتے رہے۔ تمام الٰہی مذاہب کا خلاصہ اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے۔

(۱) ہستیٔ باریتعالیٰ، صفاتِ باریتعالیٰ اور جزا وسزا پر ایمان۔

(۲) خدائے تعالیٰ کی محبت و تعظیم اور خدائے تعالیٰ سے طلب حاجات۔

(۳) تہذیبِ اخلاق اور شفقت علیٰ خلق اللہ۔

اِن ہر سہ اجزائے مذہب کو ایک دوسرے سے نہایت قوی تعلق ہے جزو اول یعنی ایمان باللہ اور ایمان بالیوم الآخر کا لازمی نتیجہ دوسرا جزو یعنی عبادت ہے جس میں طلبِ حاجات یعنی دعا بھی شامل ہے۔ ان ہر دو اجزائے مذہب کا لازمی نتیجہ تیسرا جزو یعنی تہذیبِ اخلاق اور تہذیبِ نفس ہے صحیح مذہب انسان کا تعلق خدائے تعالیٰ سے پیدا کر دیتا ہے اور بغیر ہدایاتِ الٰہیہ کی تعمیل کیئے یہ تعلق پیدا نہیں ہوتا۔

مذکورہ ہر سہ اجزائے مذہب ہی مذہب کی اساس و بنیاد اور انسان کی فطرت میں مرکوز و مضمر ہیں لیکن خواہشاتِ نفسانی انسان کو انجام بینی سے روک کر دمِ نقد راحت کا گرویدہ بنانے پر آمادہ اور مذہبی تقاضوں پر غفلت کے پردے ڈالنے میں مصروف رہتی ہیں جن کو نفسانیت یا ترغیبِ شیطانی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ ط اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○ (یوسف - ۷)	نفسِ انسانی تو انسان کو بُرائی کے لیے ہمیشہ ترغیب دیتا رہتا ہے۔ مگر یہ کہ میرا رب ہی اپنا رحم فرمائے۔ یقیناً میرا رب بخشنے والا مہربان ہے۔

انبیاء و رسل انسان کی فطرت کو بیدار کرنے اور اُس کے مذہبی تقاضے یاد دلانے کے لیے

مبعوث ہوتے رہے ہیں۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۚ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ (الروم - ۴)

تو تو ایک خدا کا ہو کر اصل دین کی طرف متوجہ رہ۔ یہ خدا کی بنائی ہوئی سرشت ہے جس پر خدا نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ خدائے تعالیٰ کی بناوٹ میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا یہی حقیقی دین ہے۔

مذکورہ اجزائے مذہب ہی کو دین الفطرت کہنا چاہیئے۔ یہ دین الفطرت تمام الٰہی مذاہب کا مابہ الاشتراک بھی ہے اور اُنکا خلاصہ و اصلیت بھی۔

نسلِ انسانی میں شروع ہی سے تعاون اور تقسیمِ عمل کا سلسلہ جاری ہے۔ اعمال و اشغال کے تنوع اور پیچیدگی نے حقوق کی تعیین اور نظامِ اخلاق یا آئین و قانون کی احتیاج پیدا کردی کہ عدل قائم ہو کر ہر شخص نقصان و زیاں سے محفوظ رہ سکے۔ یوں کہنا چاہیے کہ تمدن کی ابتداء ہوتے ہی انسان ایک ایسے قانون و آئین کا محتاج ہوا جو اُس کو دوسرے انسانوں کے ساتھ تعلق و تعاون میں امداد دے سکے۔ یہی وہ قانون تھا جو تہذیبِ اخلاق اور شفقت علیٰ خلق اللہ یعنی مذہب کے جزو ثالث کی تفسیر و تشریح تھا نسل انسانی کی تعداد نے جوں جوں ترقی کی اور جس قدر باہمی تعاون اور اعمال میں پیچیدگیاں پیدا ہوتی گئیں اُسی قدر اخلاقی آئین و قوانین کی زیادہ ضرورت پیش آتی گئی۔ ساتھ ہی توجہ الی اللہ کے لیے اظہارِ عبودیت یعنی طریقۂ عبادت میں بھی اصلاح و ترمیم کی ضرورتیں رونما ہوئیں۔ اس طرح فطرتِ انسانی کی شگفتگی کے ساتھ ساتھ ہی دین الفطرت بھی شگفتہ ہوتا گیا۔ یعنی انسان کی تمدنی ترقیات کے ساتھ ہی ساتھ اُس کے مذہب کا بھی مفصل و مشرح ہونا ضروری تھا چنانچہ انبیاء و رسل اور ہادیانِ برحق حسب ضرورت احکام و شرائع لاتے رہے لیکن اصولِ مذہب یا دین الفطرت ہرگز ہرگز تبدیل و منسوخ نہیں ہوا نہ ہو سکتا تھا۔ دنیا میں کوئی بھی سچا ہادی اور خدائے تعالیٰ کا فرستادہ نبی ایسا نہیں بتایا جا سکتا جس نے مذکورہ دین الفطرت کو ترمیم و تبدیل کیا ہو۔

ابتداً جب نسل انسانی زمین پر نمودار ہوئی تو اس کے لیے محدود و مختصر اور سیدھے سادے اعمال و افعال کے نہایت سادہ اور مختصر مذہبی قانون کی ضرورت تھی۔ یا یوں کہیے کہ دین الفطرت بلا کسی تفصیل کے اُس کے لیے کافی تھا۔ جس طرح انسان کے اعضائے جسمانی دماغ، دل، معدہ، جگر، شرائیں، اعصاب، ہاتھ، پاؤں، انگلیاں وغیرہ اور اُن کے افعال میں لاتعداد نسلیں گذرنے کے بعد بھی کوئی فرق نہیں آیا۔ اِسی طرح اُس کے جذبات و تاثرات اور فطری تقاضوں میں بھی کوئی نمایاں فرق ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ مسرت و خوشی، غم و الم، محبت و شوق، نفرت و عداوت، غیظ و غضب، خوف و ہراس، اُمید و بیم وغیرہ جذبات جس طرح آج انسانوں میں پائے جاتے ہیں اسی طرح قدیم زمانے میں بھی انسان کے ساتھ موجود تھے۔ لیکن اِن کے ظاہر و نمایاں ہونے کی صورت اور اسباب میں فرق ضرور پیدا ہوا اِن جذبات کا ظہور پہلے بھی اپنے ماحول کے ماتحت تھا اور آج بھی اپنے ماحول کے ماتحت ہوتا ہے۔ مگر پہلے ماحول کچھ اور تھا اور آج کچھ اور ہے۔ فطرت پہلے بھی محسنوں اور حسینوں کی محبت دل میں پیدا کرتی تھی اور آج بھی وہ یہی کام کرتی ہے لیکن پہلے محسن اور حسین کے صفات کچھ اور تھے اور آج کچھ اور ہیں۔ بالکل اسی طرح دینِ الٰہی یا دین القیم یا دین الفطرت تو ایک ہی چیز اور ناقابل تبدیل ہے۔ مگر اُس کی تفصیلات و تعبیرات حسب ضرورت اور حسبِ ماحول بدلتی رہی ہیں اور اُسی کو شرائع یا قوانین مذہبی کی تبدیلی کہنا چاہیے۔ جو ایک دوسرے کے غیر تو ہوتے ہیں لیکن ایک دوسرے کی ضد نہیں ہو سکتے۔

خدائے تعالیٰ کی ذات و صفات پر ایمان لانا، اُسکی عبادت کرنا۔ گناہوں سے بچنا اور نیکی کرنا تمام مذاہب میں موجود ہے۔ اور انسان ان سب باتوں کا طالب و خواہاں اور اسی لیے کہا جاتا ہے کہ پابندئ مذہب انسان کی فطرت میں شامل ہے اور اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ جن لوگوں نے عقل اور الہام دونوں سے فائدہ نہ اُٹھایا اور اپنے اختیار و ارادے کا غلط استعمال کیا بتقاضائے فطرت خدائے تعالیٰ کی تلاش میں آوارہ و گم کردہ راہ بن کر چاند سورج۔ ستارے،

فرضی ارواح، دریا، پہاڑ، درخت وغیرہ کو خدا سمجھ کر ان کی پرستش کرنے لگے۔

ارتقائے مذہب و تمدّن

(۱)

شریعت اُس قانون کا نام ہے جو انسان کو ایسی اچھی طرح زندگی بسر کرنے کے اصول بتاتا ہے جو اُس کی دینی و دنیوی حاجت روائی کے لیے کافی ہوں۔ اسی لیے ابتدائی زمانے کی شریعتیں یعنی مذہبی قوانین اور الٰہی ہدایت نامے اور ابتدائی زمانے کے انبیاء کا دائرہ نبوت مختص المقام اور مختص الزمان تھا۔ اُس ابتدائی زمانہ میں جبکہ تمام ملکوں اور تمام قوموں میں ایک دوسرے سے تعلقات قائم کرنے اور ایک دوسرے سے کچھ سیکھنے سکھانے کے ذرائع موجود نہ تھے اور اقوام و ممالک الگ الگ ماحول میں جدا جدا تمدنوں کے ماتحت زندگی بسر کرتے تھے کسی ایک قوم کو ایسی شریعت اور ایسے مذہبی قانون کی تعلیم دینا جو تمام اقوام عالم کے لیے ضروری ہو بالکل فضول تھا اور نہ ایسی تعلیم اُس قوم کے لیے مفید ہو سکتی تھی یہ بات ناقابلِ انکار تاریخی و معقولی شواہد سے ثابت ہے کہ بالکل ابتدائی زمانہ میں معاشی ضرورتوں اور سامان خورش کی تلاش اور دوسرے اسباب کی بنا پر نسل انسانی بہت سے گروہوں میں تقسیم ہو کر ممالک عالم میں منتشر اور ایک گروہ دوسرے گروہ سے بالکل جدا اور بے تعلق تھا اور اسی لیے الگ الگ زبانیں اور ہر ملک میں جدا جدا تمدن و معاشرت کی بنیاد قائم ہو کر جدا جدا قومیں بن گئیں اور ایک قوم کو دوسری قوم سے کوئی تعلق نہ رہا۔ خدائے تعالےٰ نے خود ہی اپنی قدرتِ کاملہ سے ایسے اسباب پیدا کر دیے کہ اُس کی بنائی ہوئی زمین کے ہر حصّے اور ہر ملک میں انسانی گروہ پہنچ گئے۔ ہر قوم کے لیے اُس کے ملک میں جس طرح حسبِ ضرورت سامانِ معیشت موجود کر دیے گئے تھے اُسی طرح ہر قوم اور ہر ملک میں جدا جدا رہبر و ہادی بھی خدائے تعالیٰ نے مبعوث کیے جو اُسی ملک و قوم کی زبان میں اور اسی ملک و قوم

کے حسب حال ہدایت نامے لائے۔

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوۡمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمۡ ؕ (ابراہیم-۱)	اور ہم نے جب کوئی رسول بھیجا تو اُسی کی قومی زبان میں ہدایت کرنے والا بھیجا کہ اُن لوگوں کو اچھی طرح سمجھا سکے۔

چین، روس، ترکستان، افغانستان۔ایران، شام، عرب، مصر، ہندوستان، دکن افریقہ، یورپ وغیرہ تمام اُن ملکوں میں جہاں جہاں نسلِ انسانی موجود تھی ہادیانِ برحق بھی ضرور مبعوث ہوئے۔

وَاِنۡ مِّنۡ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيۡهَا نَذِيۡرٌ ؕ (فاطر-۲)	کوئی قوم ایسی نہیں کہ اُس میں کوئی ڈرانیوالا یعنی ہادی برحق نہ گذرا ہو۔

ہر ملک اور ہر قوم میں بار بار نبی مبعوث ہوئے اور شریعتیں لائے جن میں ہر پہلی شریعت کے مقابلہ میں بعد کو نازل ہونیوالی شریعت نئی پیدا ہوجانے والی ضرورتوں کو بھی پورا کرنیوالی ہونے کے سبب زیادہ مفید اور زیادہ مفصل ہوتی تھی۔جس طرح بچے کے پیدا ہونے سے پہلے ماں کی چھاتیوں میں دودھ پیدا ہوجاتا ہے اسی طرح ضرورتِ پیش آئندہ سے پہلے ہی خدائے تعالیٰ شریعت نازل فرماتا رہا ہے جو آئندہ کسی بڑے تغیر اور انقلاب تک کے لیے کافی ہوئی ہے۔چنانچہ کوئی شریعت سو برس کے لیے۔کوئی پانسو سال کے لیے، کوئی ہزار سال۔کے لیے اور کوئی اس سے بھی زیادہ یا کم مدت کے لیے نازل ہوئی جس کی تفصیل صفحاتِ تاریخ سے بہت کچھ معلوم ہوسکتی ہے۔انسانی تمدن کی ترقی و وسعت کے ساتھ ہی ساتھ ذرائع تعلیم، تجارت اور سفر کی سہولتوں نے ترقی کی اور کئی کئی قومیں مل کر ایک قوم اور کئی کئی چھوٹے چھوٹے ملک مل کر ایک بڑا ملک بننے اور ایک ہی تمدن کے دائرے میں آنے لگے۔لہٰذا انبیاء پر نازل ہونیوالی شریعتوں اور انبیاء کی نبوتوں کے دائروں میں بھی وسعت کا پیدا ہونا ضروری تھا یہاں تک کہ ساری دنیا اپنی تمدنی ترقیات اور انسانوں اور زبانوں کے میل جول اور بری و بحری تجارتوں کی وسعت کے سبب ایک ملک اور ایک قوم کے حکم میں تبدیل ہونے کے

قریب پہنچی اور ضرورت پیدا ہوئی کہ ایک ایسی شریعت نسلِ انسانی کو دیجائے جو اُس کی تمام دینی و دنیوی اور جسمانی و روحانی ضرورتوں کیلیے دستور العمل اور رہنما بن سکے۔ ایسی شریعت جو ساری دنیا کے لیے کافی ہو وہ یقیناً سلسلۂ ارتقائے شرائع میں سب سے آخری شریعت ہونی چاہیے۔ اور اُسکی عمر بھی نسل انسانی کے قیام و بقا تک ممتد و طویل ہونی لازمی ہے کیونکہ تمدنوں کا تعدد، ملکوں اور قوموں کی بیگانگی و بے تعلقی ہی بیک وقت دنیا میں متعدد انبیاء اور متعدد شرائع کے موجود ہونے کا باعث تھا۔ رفتار ترقی نے جس طرح چھوٹی چھوٹی قوموں کو ملا کر بڑی بڑی قوموں میں اور چھوٹے چھوٹے ملکوں کو ملا کر بڑے ملکوں میں تبدیل کیا اسی طرح شریعتوں کے دائروں کو وسیع کیا اور اسی لیے ہر شریعت کا زمانہ محدود ہوتا رہا، لہذا اس ارتقاء کی آخری حد اور کمال یہی ہو سکتا ہے کہ شریعتوں کا تعدد وحدت میں تبدیل ہو جائے اور آئندہ تبدیلی شریعت کی احتیاج باقی نہ رہے۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ط (المائدہ ۔ ۱)

آج میں تمہارے دین کو تمہارے لیے کامل کر چکا اور میں نے تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور میں نے اسی دین اسلام کو تمہارے لیے پسند فرمایا۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا وَّلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ (السبأ ۔ ۱۰)

اور ہم نے اے رسول تجھ کو تمام دنیا کے لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے کہ ان کو ایمان لانے پر ہماری خوشنودی کی خوشخبری اور انکار پر ہمارے عذاب سے ڈرا دے مگر اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔

قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا (الاعراف ۲۰)

کہو اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں

(۲)

مذکورۂ بالا حقیقت اس طرح بھی ذہن نشین ہو سکتی ہے کہ جب نسلِ انسانی بالکل ابتدائی حالت میں تھی تو اُس کے لیے نظامِ اخلاق اور نظامِ حکومت بھی بہت سادہ اور اسی حالت

کے حسب حال خدائے تعالیٰ نے تعلیم فرمایا ہوگا۔ مثلاً خاندانی نظام کہ ہر چھوٹا اپنے بڑے کی اطاعت کرے اور تمام افراد خاندان ایک بزرگِ خاندان کے احکام کی خلاف ورزی نہ کریں اور بزرگِ خاندان کو اپنے مطیع اہل خاندان کی ضروریات کا شفقت کے ساتھ خیال ولحاظ رکھنا چاہیے۔ اس کے بعد قبائلی نظامِ حکومت کی ضرورت پیش آئی ہوگی جس میں سردارِ قبیلہ کے فرائض اور قبیلے کے متعدد خاندانوں اور اُن کے معاملات وفصلِ خصومات وغیرہ کے متعلق آئین واحکام ہونگے۔ اور یہ یقیناً پہلے نظام سے زیادہ مفصل ہوگا۔ پھر اس کے بعد اس سے بھی زیادہ تفصیل کی ضرورت پیش آئی ہوگی اور بہت سے قبائل کے مجموعے یعنی ایک قوم کے لیے نظامِ حکومت قائم ہوا ہوگا۔ اس کے بعد پورے ملک کے لیے جس میں بہت سی قومیں آباد ہوں ایک نظامِ حکومت زیرِ عمل آیا ہوگا۔ غرض اسی طرح درجہ بدرجہ نسلِ انسانی کو دنیا میں مختلف شرائع، نظامات اور قوانین ملتے رہے اور وہ ترقی کے مدارج طے کرتی رہی اور آج اِن نظامات کے بگڑے ہوئے اور مسخ شدہ نمونے دنیا میں پائے جاتے ہیں۔ دیہات کے پدھانوں اور دیہاتی پنچایتوں پر غور کرو۔ میر محلوں اور چودھریوں کے فرائض پر نظر ڈالو۔ برادریوں اور اُن کے مراسم اور پابندیوں کو دیکھو۔ جاگیرداروں اور چھوٹے چھوٹے رؤسا اور سرحدی افغانی قبائل کے جرگوں اور خوانین کی حکومت کا مطالعہ کرو۔ خودمختار بادشاہوں اور اُن کے طرزِ حکومت، پھر موجودہ زمانے کی قومی وملکی جمہوریتوں۔ پھر عام جمہوریت اور اشتراکیت وغیرہ کے نظامات کو دیکھو۔ یہ سب اُن نظامات کے نمونے ہیں جو اپنے اپنے مخصوص اوقات، مخصوص اقوام اور مخصوص ممالک میں خدائے تعالیٰ کی طرف سے ہادیانِ برحق کے ذریعہ تعلیم ہوتے اور زیرِ عمل آتے اور انسانی تصرفات کی بدولت مسخ ہو ہو کر منسوخ ہوتے رہے اور انسان کی آبا رواہوا پرستی اور تقلیدِ جامد کی بدولت اب تک اُن کی سڑی ہوئی لاشیں اور منتشر ہڈیاں دنیا میں موجود پائی جاتی ہیں۔

اختلافِ مذاہب

اوپر بیان ہوچکا ہے کہ مذاہب کی تبدیلیاں تمدنوں اور نسلِ انسانی کی حالتوں کی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ ضروری تھیں اور ہر نئے آنیوالے مذہب کے بعد پُرانا مذہب غیر ضروری اور بیکار تھا پس مذاہب کے اگلے اور پچھلے ہونے کے سبب جو اختلاف اور فرق دو مذہبوں میں پایا جائے اُس کو مخالفت کے نام سے ہرگز تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ اختلاف اور مخالفت میں امتیاز کرنے سے مذاہب کے اختلاف کی حیثیت بہت معمولی رہ جاتی ہے اور دین الفطرت کے مابہ الاشتراک کی موجودگی میں تفصیلات و فروعات کا اختلاف موجبِ حیرت نہیں رہتا لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ صرف مذکورہ قسم کا اختلاف ہی نہیں بلکہ مذاہب میں بعض اختلافات مخالفت کے درجے تک بھی پہنچے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ایسے ہی اہم اختلافات کا اصل سبب سمجھنے کے لیے اس بات پر غور کرنا ضروری ہے کہ مذہب انسان کے جذبات کو ایک بہترین سانچے میں ڈھالکر اُن کو اخلاقِ فاضلہ بنا دیتا ہے۔ لیکن انسان ہمیشہ اپنے جذبات پر قابو پانے اور احکام مذہبی کی پابندی کرنے میں مختلف الاحوال رہا ہے۔ اور ایک انسان کے افعال و اعمال ارادی میں دوسرے انسان کی نسبت اختلاف ضرور پایا گیا ہے۔ مثلاً ایک شخص خوش ذائقہ غذاؤں کو خوش لباسی پر ترجیح دیتا ہے۔ دوسرا لباس کی درستی خوبی کو خوش خوراکی پر فائق ٹھہراتا ہے۔ کسی کو خوش آوازی زیادہ پسند ہے کسی کو خوبصورتی اور کسی کو خوش آوازی اور خوبصورتی دونوں کے مقابلہ میں خوش سیرتی زیادہ محبوب ہے۔ مذہب افراط و تفریط سے بچاکر نقطۂ وسط یعنی اعتدال پر قائم رکھنا چاہتا ہے۔ مگر انسان کبھی افراط اور کبھی تفریط کی طرف جھک جاتا رہا ہے۔ اس افراط یا تفریط کی طرف مائل ہونے میں انسان کو انواع و اقسام کی خرابیوں میں مبتلا ہونا پڑا۔ مذہب نے تعلیم دی تھی کہ برگزیدگانِ الٰہی اور ہادیانِ برحق کی تکریم و تعظیم کو ایک حد تک مدنظر رکھ کر اُن کی اطاعت و پیروی کیجائے

بعض نے انبیاء علیہم السلام کی تعظیم و تکریم میں کوتاہی کی اور اُنکے اُسوۂ حسنہ کی پیروی سے غافل ہو گئے۔ بعض نے تعظیم کو حدِ اعتدال سے بڑھا کر انبیاء کو خدائے تعالیٰ کے مرتبے تک پہنچا دیا۔ اس طرح دونوں قسم کے لوگ حکم الٰہی کی خلاف ورزی کے مرتکب ہو کر مجرم و خطا کار ہوئے حالانکہ دونوں کے کام ایک دوسرے کے مخالف تھے۔ یا مثلاً مذہب نے بتایا تھا کہ دنیوی لذت و راحت کے مقابلے میں اُخروی لذت و راحت زیادہ قیمتی ہے مگر دنیوی راحتوں کے سامان کا حسبِ ضرورت حاصل کرنا اور حقوق العباد کو مدِ نظر رکھنا بھی ضروری ہے۔ بعض نے دنیوی سامانِ راحت کی طلب و فراہمی میں اس قدر مبالغہ کیا کہ آخرت کی طرف سے بالکل غافل ہو گئے۔ بعض نے دنیوی زندگی کی ضروریات کو سراسر غیر ضروری سمجھ کر انکی فراہمی بالکل ترک کر دی اور راہبانہ زندگی اختیار کی۔ یہ دونوں گروہ بھی افراط و تفریط میں مبتلا ہو کر گمراہ اور امتحان میں ناکامیاب ہو گئے۔ حالانکہ دونوں اپنے آپ کو پابند مذہب یقین کرتے اور اپنے اپنے طرزِ عمل کو صحیح بتانے کے لیے صحیح مذہب کو موڑ توڑ کر اپنے اپنے ڈھب کا بنانا چاہتے ہیں۔ نسلِ انسانی کی یہ غلط کاری بھی قدیم سے چلی آ رہی ہے کہ لوگوں نے ہمیشہ الٰہی مذاہب کو اپنی اہواء و خواہشات کے سانچے میں ڈھالنے اور مسخ کر کے کچھ کا کچھ بنا دینے کی کوشش کی ہے۔ اِس طرح مذاہب کے بہت سے احکام و ہدایات کا انسانی تصورات کے ذریعہ مسخ ہو جانا اور ایک مذہب کے بعض حصوں کا دوسرے مذہب کے بعض حصوں کے مخالف و متضاد نظر آنا لازمی تھا۔ ورنہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے تو شریعتیں نسل انسانی کے تمدن و حالات کی تبدیلیوں کے متوازی نازل ہوتی رہی ہیں اور ظاہر ہے کہ وہ ایک دوسری کے غیر تو ہو سکتی تھیں لیکن ایک دوسرے کی مخالف و متضاد نہیں تھیں۔

یہ بھی ظاہر ہے کہ شریعتیں اپنی عمر اور مدتِ مقررہ پوری کرنے کے بعد اپنی اصلی حالت میں موجود نہیں رہ سکتی تھیں اور نہ اُن کو آج اصلی حالت میں معلوم و موجود کیا جا سکتا ہے۔ اور نہ اُنکے معلوم و موجود کرنے کی کوئی ضرورت باقی ہے۔ اس لیے کہ اب ارتقائے شرائع

کی آخری منزل پر پہنچ کر آخری کامل شریعت کی ضرورت ہے اور وہی کامل شریعت موجود ہونی چاہیے۔ اور اس کے موجود ہونے اور موجود رہنے کا اُسی خدا کی طرف سے انتظام ہونا چاہیے جس نے نسل انسانی کو ہمیشہ اُس کی ضرورت کے لیے ہر قسم کے سامان بہم پہنچائے ہیں۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر-۱)	بیشک ہم ہی نے اس ہدایت نامے کو نازل کیا ہے اور یقیناً ہم ہی اس کے نگہبان بھی ہیں۔

مگر بہت سے انسان اپنی آباد پرستی اور جذبہ محبت کے غلط استعمال کی وجہ سے آج تک اُن پرانی منسوخ و مسخ شدہ شرائع کو اسی طرح اپنی چھاتی سے لگائے ہوئے ہیں جس طرح بعض اوقات بندر اپنے مرے ہوئے بچے کی لاش کو سینے سے لگائے پھرتا اور اُس کے مرجانے کا یقین نہیں کرتا۔

انسان اپنے ارادہ وعمل میں مختار ہے

خدائے تعالیٰ کا قانون یا سنت اللہ جمادات، نباتات، حیوانات سب پر حاوی ہے اور اس کی خلاف ورزی کی کسی کو مجال نہیں ہے۔ جمادات اپنے وزن کشش اتصال اور جسامت وغیرہ کے مقررہ قوانین میں تبدیلیاں نہیں کرسکتیں۔ پانی حرارت پاکر بھاپ بنجاتا اور بھاپ سردی پاکر پانی کی شکل میں تبدیل ہوجاتی ہے۔ پانی ایک خاص درجہ کی حرارت تک پہنچ کر برف بنجانے میں کوئی عذر و تامل نہیں کرسکتا اور برف ایک خاص درجۂ حرارت میں پہنچ کر پانی بننے سے انکار نہیں کرتا مختلف دھاتیں مختلف مدارجِ حرارت میں پہنچ کر رقیق بنجاتی ہیں جس طرح لکڑی پانی میں تیرتی ہے اسی طرح لوہا پارے میں تیرنے لگتا ہے۔ نباتات بھی زمین سے اُگنے۔ برگ و بار لاتے، مقررہ اوقات میں اپنے پتّے جھاڑ دینے۔ اپنی جڑوں کے ذریعہ زمین سے اور اپنے پتّوں کے ذریعہ ہوا سے غذا جذب کرنے میں خدائے تعالیٰ کے مقررہ فرمودہ قانون کی پابند اور خلاف ورزی کا اختیار نہیں رکھتیں۔ کیڑے مکوڑے، پرند اور چوپائے وغیرہ

بھی قانونِ الٰہی یا قانون قدرت کے ماتحت زندگی بسر کرنے اور اپنی ضروریاتِ زندگی کے لیے تمام سامان و علوم قدرتی و فطری طور پر حاصل رکھتے ہیں اور اُن کو کسی سے کچھ سیکھنے اور اپنی سعی و کوشش سے کوئی علم حاصل کرنے کی ضرورت نہیں۔ انسان بھی دوسرے حیوانات کی طرح ہوا میں سانس لینے، پانی سے پیاس بجھانے اور غذا کے ذریعہ بدل ما یتحلل کا محتاج ہے جس طرح دوسرے جانور اپنے اعضا اور اپنی جلد کی رنگت خود تبدیل نہیں کر سکتے انسان بھی اپنے جسم میں اس قسم کی تبدیلی نہیں کر سکتا اور تصریح بالا کے موافق سب ہی قانون قدرت کے شکنجے میں جکڑے ہوئے اور مجبور نظر آتے ہیں۔ لیکن انسان کی حالت دوسرے حیوانات سے کسی قدر مختلف ہے۔ انسان کو خدائے تعالیٰ نے ضروریات زندگی فراہم کرنے کے لیے دوسروں سے علوم و امداد حاصل کرنے اور سعی و کوشش بجا لانے کا محتاج بنایا ہے۔ انسان سیکھنے اور کوشش کرنے کے بغیر پانی میں تیرنا نہیں جان سکتا لیکن مچھلی پیدا ہوتے ہی فطری طور پر پانی میں تیرنا جانتی ہے اور کُتّا بھی جس نے دریا یا تالاب کی صورت کبھی نہ دیکھی ہو اگر پانی میں گر پڑے تو گرتے ہی تیرنے لگتا اور تالاب یا دریا میں ڈوب کر مرنے سے بچ جاتا ہے۔

جو شخص زراعت کا فن سیکھ چکا ہے اور کھیت کی حفاظت و نگرانی میں کوتاہی نہیں کرتا وہ غلہ کا مالک بنجاتا اور دوسرا شخص جس نے فنِ زراعت سے آگاہی حاصل نہیں کی اور کھیت کی حفاظت و نگرانی بھی عمل میں نہیں لایا وہ کھیت سے غلہ نہیں پاتا اور دوسرے ذرائع اور دوسری قسم کی کوشش و عمل کو کام میں لا کر غلہ حاصل کرتا اور کوئی بھی کوشش نہ کرے تو غلہ سے محروم رہتا ہے۔ دوسرے حیوانات اپنی غذائیں ابتدائی زمانے سے لیکر آج تک دنیا میں موجود پاتے ہیں اُن کو کسی ترکیب و عمل کی ضرورت بھی پیش نہیں آتی۔ مویشیوں کے لئے گھاس۔ پرندوں کے لیے درختوں کے پھل اور کیڑے مکوڑے۔ درندوں کے لیے جنگلی جانور۔ مچھلیوں کے لیے پانی کے کیڑے۔ بڑی مچھلیوں کے لیے چھوٹی مچھلیاں بکثرت

کے لیے مکھیاں۔ سب کو زندہ رہنے کے لیے یکساں طور پر بآسانی حسب ضرورت میسر
آجاتی ہیں۔ اور پیٹ بھرنے کے لیے کسی سے کچھ سیکھنے یا دریافت کرنے یا امداد حاصل
کرنے کی احتیاج اور دوسرے سامان وآلات کی ضرورت پیش نہیں آتی لیکن انسان کو
اپنی غذا حاصل کرنے کے لیے بہت سے آلات وتدابیر اور انواع واقسام کی سعی وکوشش
بجالانے اور باہمی تعاون کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اسی طرح دوسری ضروریاتِ زندگی
شلاً مکان ولباس وغیرہ کی حالت ہے کہ ہر ایک چرند وپرند اپنے غار اور گھونسلے بنانے کا
علم فطری طور پر رکھتا اور لباس کا محتاج نہیں لیکن انسان کو مکان اور لباس کے لیے
بڑی بڑی کوششیں کرنی پڑتی ہیں۔ تمام دوسرے جانور اذیت رساں چیزوں کی شناخت
فطری طور پر رکھتے ہیں لیکن انسان کو مضر اور مہلک چیزوں کا علم بھی اپنی سعی وکوشش کے
بعد ہی حاصل ہوسکتا ہے۔ ایک نباتات خور اُس گھاس یا اُس بوٹی کو ہرگز نہیں کھائیگا
جس کے کھانے سے اُس کو نقصان پہنچے لیکن انسان علم حاصل کیے بغیر کسی مہلک غذا
کو کھا سکتا ہے۔ اس علم وواقفیت کے حاصل کرنے اور اپنی سعی وکوشش کے ذریعہ اپنی
ضروریات فراہم کرنے ہی میں انسان کی تمام ترقیات کا راز پنہاں ہے۔ دوسرے تمام جانور
جن کو اپنی ضروریات کے حصول وفراہمی میں کسی اکتسابی علم اور سعی وکوشش کی ضرورت
نہیں اور جن کو فطری طور پر ان کا ضروری علم دیدیا گیا ہے وہ سب انسان کے خادم اور
بجاآوریٔ خدمات میں مصروف ہیں اور اپنے فطری علوم میں جس طرح کوئی ترقی نہیں
کرسکتے اسی طرح خدائے تعالیٰ کے مقرر فرمودہ قوانین کی خلاف ورزی پر بھی آمادہ نہیں
ہوتے لیکن اِس مخدوم کی یہ حالت ہے کہ اس کو سب کچھ سیکھنے اور کوشش کرنے
کے بعد ہی میسر ہوتا ہے مگر اس کی سعی وکوشش کے لیے کوئی حدبندی نہیں۔ اِس کے
لئے ترقی کا میدان بہت وسیع رکھا گیا ہے۔ اگر یہ سعی وکوشش سے کام نہ لے اور حصولِ
علم ومعرفت کی طرف قطعاً متوجہ نہ ہو تو چوپایوں سے زیادہ ذلیل وضعیف ہے اور ایک

مچھر یا مکھی اور ایک کتے یا بلی سے بھی اپنے آپ کو نہیں بچا سکتا اور سردی و گرمی وغیرہ کی ہلاکت آفرینی سے محفوظ رہنے کا کوئی سامان نہیں رکھتا لیکن اگر سعی و کوشش اور حصولِ واقفیت میں مصروف رہ کر ترقی کرنا چاہے تو شیر اور ہاتھی کو گرفتار کر سکتا اور آگ، پانی، ہوا، بجلی وغیرہ کو قابو میں لا کر اُن سے غلاموں کی طرح کام لے سکتا اور انواع و اقسام کے سامانِ راحت اپنے لیے مہیا کر سکتا ہے۔ پس جبکہ اس کی جسمانی پرورش و حفاظت کے لیے خود اسی کی ذمہ داریوں۔ اسی کے اعمال اور اسی کی سعی و کوشش پر انحصار ہے اور اسی لیے دوسرے تمام جانداروں کے مقابلہ میں فضیلت و شرافت کا مستحق ہے تو روحانی ترقیات اور راحتِ دائمی کے لیے اس کے اعمال، اس کے ارادے اور اس کی کوشش کو دخل کیوں نہ ہوگا۔

لَيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ (النجم-۳) | انسان کو اسی قدر ملتا ہے جس قدر اُس نے کوشش کی۔

جب یہ بات سمجھ میں آ گئی کہ انسانی اعمال اور انسانی سعی و کوشش کے نتائج اُس کی زندگی کو بھلا یا بُرا بناتے ہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اپنی کوششوں، اپنے کاموں اور اپنے معارف و معلومات میں انسان مختلف و متفاوت مدارج رکھتے ہیں تو مذہبوں کے بگاڑ دینے، مذہبی تعلیمات پر عامل نہ ہونے۔ قوانین مذہب کی پابندی میں متفاوت ہونے کی وجہ باسانی سمجھ میں آسکتی ہے جس طرح خدائے تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی غذاؤں اور خدائے تعالیٰ کے مہیا کیے ہوئے سامانوں کو غلط طریق پر استعمال کرنے یا مناسب طریق پر استعمال نہ کرنے سے انسان بیمار اور ہلاک ہو جاتا ہے اسی طرح انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات پر عمل نہ کرنے سے انسانوں پر روحانی و اخلاقی موت وارد ہوتی رہی ہے۔ جس طرح انسانوں نے بار بار قوانینِ حفظانِ صحت کی خلاف ورزی سے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالا اُسی طرح اُنھوں نے بار بار تعلیماتِ آلٰہیہ کی خلاف ورزی سے اپنے مقصدِ زندگی کو برباد کیا۔ اس حقیقت سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ رحمدلی و خدا ترسی یعنی کسی مصیبت زدہ کو دیکھ کر بیچین ہو جانا۔ پاسِ عہد و ایفائے وعدہ کو ضروری سمجھنا۔ حقوقِ دوستی و مروت کو مدنظر رکھنا۔ دیانت و امانت کو لازمۂ انسانیت و شرافت یقین کرنا۔ خیانت اور چوری کو عیب

جاننا۔ بزرگوں کی تعظیم و تکریم مدنظر رکھنا چھوٹوں پر شفقت کرنا، عدل و انصاف کو قائم رکھنا شرم و حیا کی قدر کرنا عفت و پاکبازی کو لازمۂ انسانیت جاننا غیبت و چغل خوری کو قابل نفرت سمجھنا۔ بلاوجہ کسی کو نہ ستانا، مصائب کے مقابلے میں صبر و ثابت قدمی دکھانا۔ قوائے بہیمیہ پر قابو رکھنا، شجاعت و بہادری کو قابل قدر سمجھنا، بزدلی و نامردی کو برا جاننا وغیرہ اخلاقی خوبیاں جو ہر ایک ملک اور ہر ایک قوم میں مشترک طور پر پائی جاتی ہیں۔ یہ سب مذہبی تعلیمات اور اُن برگزیدگان الٰہی کی کوششوں کا نتیجہ ہیں جو ہر ملک اور ہر قوم میں خدائے تعالیٰ کی طرف سے انسانوں کی رہبری و ہدایت کے لیے مامور و مبعوث ہوتے رہے ہیں لیکن ساتھ ہی کوئی قوم اور کوئی ملک ایسا نہیں بتایا جا سکتا جہاں انسان کی نابینائی، حماقت، سرکشی اور شرارتوں کی بدولت انہی مذکورۂ بالا اخلاقِ فاضلہ کی خلاف ورزی کرنے والے اور اپنے جذبات کو بے لگام رکھنے والے بھی موجود نہ ہوں۔ انسان کی حماقت و سرکشی نے جس طرح اخلاقِ فاضلہ کو برباد کرنے کی کوششیں مسلسل جاری رکھیں اُسی طرح اس نے مذاہب حقہ اور ہادیانِ برحق کی تعلیمات کے مقصدِ وحید ایمان باللہ اور ایمان بالیوم الآخر اور اعمالِ صالحہ یعنی عبادت الٰہیہ کی مخالفت میں بھی کمی نہیں کی۔

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ (الکہف ۴)	اور کہو حق ہمارے رب کی طرف سے ہے سو جو کوئی چاہے ایمان لائے اور جو چاہے انکار کرے۔

مذہب اور تمدن کا تعلق

مذہب کے لغوی معنی ہیں شاہراہ، سڑک اور راستہ۔ عرفاً مذہب نام ہے اُس مکمل نظامِ عمل کا جو انسان کو ہستیٔ باری تعالیٰ یعنی اُس کے خالق و مالک کا یقین دلا کر اور اس کے صفاتِ حسنۂ کاملہ سے واقف بنا کر دنیوی زندگی بسر کرنے کے صحیح اصول بتاتا۔ اس دنیوی زندگی کے بعد ایک دوسری آنیوالی دائمی زندگی کا یقین دلاتا اور اس دنیوی زندگی کے اعمال کو اُخروی

زندگی کی راحت واذیت کا سبب ٹھہرا کر نیکی و بدی میں امتیاز سکھاتا اور انسان کی مکمل رہنمائی کرتا اور اس کو اس دنیوی زندگی کے حقیقی مقصد تک پہنچانے اور کامیاب بنانے میں دستگیری فرماتا ہے۔

تمدن کے لغوی معنی ہیں شہریت۔ مدینہ عربی زبان میں شہر کو کہتے ہیں۔ مدینہ سے لفظ تمدن مشتق ہوا ہے۔ اصطلاحاً تمدن بہت سے آدمیوں کی اُس حالت کو کہتے ہیں جو ایک جگہ مل جُل کر رہنے اور باہم گر امداد و نفع حاصل کرنے اور اس معاونت سے فائدہ اُٹھا کر دنیوی زندگی کے سامانِ آسائش میں اضافہ و ترقی کے اسباب کی فراہمی سے پیدا ہوتی ہے۔ عام طور پر تمدن کا لفظ کسی قوم یا ملک کی ترقی یافتہ دنیوی زندگی اور بہتر حالت پر بولا جاتا ہے جس میں اتفاق و اتحاد، اعلیٰ معاشرت، اخلاق کا ایک حصہ، نظافت و صفائی، ذہانت و دانائی وغیرہ مفہومات شامل ہیں۔ انسانوں کے ہر گروہ، ہر جماعت اور ہر قوم کو اس لیے متمدن کہا جا سکتا ہے کہ وہ مل جُل کر رہتے اور ایک دوسرے سے امداد و اعانت حاصل کرتے ہیں۔ اور بقول ارسطو انسان کو متمدن حیوان بھی اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ دوسرے انسانوں کی امداد اور دوسروں کے ساتھ مل کر زندگی بسر کرنے پر مجبور ہے لیکن عرف عام میں زیادہ ترقی یافتہ قوموں کو متمدن اور کم ترقی یافتہ کو غیر متمدن یا دیہاتی، جنگلی اور وحشی قوموں کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس متمدن اور غیر متمدن کا اصل مفہوم ادنیٰ تمدن اور اعلیٰ تمدن والی قومیں ہوتا ہے۔ بہرحال تمدن کے لفظ سے باہمی تعلق اور باہمی تعاون کا مفہوم جُدا نہیں ہو سکتا۔

پس کہا جا سکتا ہے کہ مذہب اور تمدن میں وہی تعلق ہے جو کُل اور جزو میں ہوتا ہے۔ مذہب ایک مکمل نظام یا انسانی زندگی کا کامل دستور العمل ہے جس کا ایک جزو جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے انسان کو باہم دگر تعلق و تعاون کے لیے ہدایات دیتا ہے۔ اور ان ہدایاتِ مذہبی نے ہی انسان کو آپس میں ایسی عادلانہ و منصفانہ روش پر چلنا سکھایا کہ انسان

کی نفس پرستی وخود مطلبی اور حماقت وسرکشی اُس کو برادرکُشی وجفاکوشی کی ہلاکت آفرینی میں مبتلا نہ کرسکے۔ تہذیبِ نفس یا تہذیبِ اخلاق یا حقوق العباد یا شفقت علی خلق اللہ یا قیامِ عدل ابتدائے آفرینشِ انسانی سے مذاہبِ الہیہ کا جزم لازم رہا ہے اور اسی جزو لازم نے سب سے زیادہ مذاہب وشرائع کی تبدیلیوں کو ضروری ٹھہرایا ہے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ مذہب ہستی باری تعالیٰ اور جزا وسزا کا یقین دلا کر انسان کو نیکی پر عمل کرنے اور بدی سے بچنے کا حکم دیتا ہے۔ نیکیوں میں اُس نے عبادت یا تعظیم الہٰی کے ساتھ ہی مخلوقِ الہٰی اور دوسرے انسانوں کے حقوق کی ادائگی اور اُن کے ساتھ حسب احکامِ الہٰی عدل کا برتاؤ کرنے کو بھی ضروری ٹھہرایا۔ اور اس کی خلاف ورزی کو بدی قرار دے کر نافرمانی حکمِ الہٰی سے ڈرایا اور بتایا کہ حقوق اللہ کے ادا کرنے میں قصور ہونے کا نتیجہ جس طرح دائمی راحت سے محرومی عذاب الیم ہے اسی طرح حقوق العباد کے ادا کرنے میں کوتاہی دائمی عذاب اور ناکامی کا موجب بن سکتی ہے۔

اِنَّ اللہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَ
اِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ
وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ
وَاَوْفُوْا بِعَھْدِ اللہِ اِذَا عٰھَدْتُّمْ وَلَا
تَنْقُضُوا الْاَیْمَانَ بَعْدَ تَوْکِیْدِھَا
وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللہَ عَلَیْکُمْ کَفِیْلًا اِنَّ
اللہَ یَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝

(النحل - ۱۳)

اللہ تعالیٰ انصاف کرنے کا حکم دیتا اور لوگوں کے ساتھ احسان کرنے اور قریبیوں کو مالی امداد دینے کی تاکید فرماتا اور بے حیائی کے کاموں اور نامعقول حرکتوں اور ایک دوسرے پر زیادتی کرنے سے منع فرماتا ہے۔ تم لوگوں کو نصیحت کرتا ہے کہ تم اس قسم کی باتوں کا خیال رکھو اور جب تم آپس میں قول و قرار کرلو تو اللہ کی قسم کو پورا کرو اور قسموں کو پختہ کرنے کے بعد نہ توڑو جبکہ تم اللہ کو اپنا ضامن ٹھہرا چکے ہو۔ تم جو کچھ کرتے ہو اُس سے یقیناً خدا تعالےٰ واقف ہے۔

انسان جس طرح بلا وحی والہام اور بغیر امدادِ مذہب اور بدون تعلیم انبیاء معرفتِ الٰہی، عبادتِ الٰہی

اور اُخروی زندگی کے متعلق کوئی واقفیت محض اپنی عقلِ ناتمام کے ذریعہ حاصل نہیں کر سکتا۔
اِسی طرح وہ تمدنی نظام اور با ہمد گر حقوقِ انسانی کی تعیین بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے کہ جذبات کی طاقتوں پر اُس کی عقل غالب نہیں آسکتی تھی۔ انسان کے باہمی تعلقات میں سب سے زیادہ جذباتِ بے لگام ہی عامل ہو سکتے تھے جن پر صرف مذہب ہی حکومت کر سکا اور جن سے صرف مذہب ہی کام لے سکا ہے۔ پس یہ کہنا کہ نظامِ تمدن انسان خود تجویز کر سکتا اور مذہب صرف عقائدِ امورِ غیبیہ اور عبادات ہی سے تعلق رکھتا ہے سراسر حماقت اور نابینائی کی بات ہے۔ مذہب اور تمدنی نظام کی الگ الگ حدود قائم کرنا اور ایک کو دوسرے سے بے تعلق بتانا ایسا ہی ہے جیسے معدے اور دماغ کے کاموں کو ایک دوسرے سے قطعاً بے تعلق ٹھہرانا۔ حالانکہ معدہ اگر غذا ہضم کرنی چھوڑ دے اور جسم انسانی کے لیے بدل ما یتحلل بہم نہ پہنچائے تو تمام جسم انسانی بیکار اور ہلاکت سے دوچار ہو جائے جس میں دماغ بھی شامل ہے۔ ایک انسان طاقتور ہو کر دوسرے کمزور انسان سے اُس کی محبوب و مملوک چیزیں چھین سکتا، ایک انسان دوسرے انسان سے جھوٹ بول کر اُس کو کسی غلط فہمی میں مبتلا کر سکتا، ایک انسان دوسرے انسان سے انتقام لینے میں اعتدال سے گزر سکتا اور معمولی سی خطا پر دوسرے کو موت کے گھاٹ اُتار سکتا ہے۔ مذہب اس قسم کے تمام کاموں کو گناہ اور بدی اور خدائے تعالیٰ کی ناراضی کا موجب ٹھہرا کر عذابِ الٰہی اور مواخذۂ روزِ جزا سے ڈراتا اور انسان کو راہِ راست پر قائم رکھتا ہے۔ دنیا میں جس قدر فسادات، جس قدر مظالم، جس قدر بیہودگیاں انسانی تمدنوں میں شامل و عامل ہیں یہ سب مذاہب کی خلاف ورزی اور مذاہب کے بگاڑ دینے، اور احکامِ مذہبی کو مسخ و مبدل کر دینے کے نتائج ہیں۔ نظامِ تمدن کا تعلق حقوق العباد ہی سے ہو سکتا ہے مثلاً انسان کے جسم و جان کی حفاظت۔ ہر انسان کہاں تک آزادی کا حق رکھتا ہے۔ ہر انسان کہاں تک حقِ ملکیت رکھتا اور اپنی مملوکات پر اُس کو کہاں تک تصرف کا حق حاصل ہے۔ معاہدے اور وعدے کا پورا کرنا کس قدر ضروری ہے۔ کون کون سا

محتاج مستحقِ امداد و اعانت ہے اور اُس کی امداد کرنا کس قدر ضروری ہے۔ کون کون سا انسان مستحقِ حمایت اور مستحق تکریم ہے، خاوند اور بیوی کے ایک دوسرے پر کیا حقوق ہیں۔ کس کس جرم کی کیا کیا سزا ہونی چاہیے۔ حکم سزا اور اُس کے نفاذ کا کس کس کو اختیار ہے۔ ایک انسان کے دوسرے انسان پر عام حقوق کیا کیا ہیں۔ غرض اسی قسم کے قوانین نظام تمدن کے اجزاء کہے جا سکتے ہیں اور ان میں سے کوئی بھی بات ایسی نہیں ہے جس کے متعلق مذہب نے ہدایات نہ دی ہوں اور ان ہدایاتِ مذہبی کی بجا آوری و تکمیل حیاتِ اُخروی کے لیے مفید اور اُن کی خلاف ورزی اُخروی زندگی میں اذیت رساں نہ بتائی ہو۔ جبکہ یہ دنیوی زندگی ہی حیات بعد الممات پر اثر انداز ہے تو یہ کس طرح ممکن ہے کہ اس زندگی کے لیے دستور العمل خدائے تعالیٰ کی طرف سے نہ ملے اور انسان خود ہی انسانی زندگی کا قانون ساز بن جائے۔

قانونِ قدرت اور انسان

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے تمام کائنات ایک قانون کے ماتحت مصروفِ عمل ہے جس کو قانونِ قدرت یا سنت اللہ کہتے ہیں۔ شمس و قمر کا طلوع و غروب، موسموں کی تبدیلی، نباتات کا مقررہ اوقات میں مقررہ اقسام کے پھول پھل لانا، پانی کا نشیب کی طرف بہنا اور حرارت پا کر بھاپ کی شکل میں تبدیل ہو جانا، ہر سبب کا ایک نتیجہ برآمد ہونا اور ہر نتیجے کے لیے ایک سبب کا ہونا تمام موجودات میں مشاہدہ ہو رہا ہے اور یہ خدائے تعالیٰ کا بنایا ہوا قانون ہے جو اُسی کی قوت و قدرت سے مخلوقات میں جاری و ساری ہے۔ کسی کی مجال نہیں کہ اُس کے نفاذ میں رُکاوٹ پیدا کر دے یا کوئی ترمیم و تنسیخ کر سکے۔

فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ؕ (فاطر ۵) | پس تو خدائے تعالیٰ کے قانون قدرت کو ہرگز بدلتا ہوا نہ پائے گا جس طرح خدائے تعالیٰ کے علم اور اُس کی مشیت اور اُس کی قدرت کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح اُس کے بنائے ہوئے اور نافذ فرمائے ہوئے اِس قانونِ قدرت کا بھی احاطہ تمامہ ممکن نہیں

یہی وجہ ہے کہ بہت سے تغیرات دنیا میں ایسے رونما ہوتے ہیں کہ انسان کو اُن کا سبب معلوم نہیں ہوتا لیکن انسان کی لاعلمی کے یہ معنی نہیں ہو سکتے کہ سبب کا وجود ہی نہیں۔ اسباب و نتائج کے تعلق کی لاعلمی کو قانونِ قدرت کا بطلان ہرگز نہیں کہا جا سکتا۔ عقل انسانی صرف اُس قانونِ کائنات یا نیچر فلاسفی سے ایک حد تک واقف ہو سکتی ہے جو اُس تمام مخلوق میں جاری و ساری ہے جس کو انسان مسخر و محکوم و خادم بنا کر کام لیتا اور کام لینے کا حق رکھتا ہے ورنہ سنت اللہ یا قانونِ قدرت تو خدائے تعالیٰ کا وہ قانون ہے جو ابتدائے آفرینش سے عالم معاد اور روزِ جزا اور ابد تک سب پر حاوی ہے۔ قانونِ قدرت یا سنت اللہ کی تقنین و تنفیذ دونوں خدائے تعالیٰ ہی سے براہِ راست وابستہ ہیں۔ اُس کی جب کوئی انسان اپنے اختیار و ارادے سے خلاف ورزی کرنا چاہتا ہے تو خلاف ورزی پر قادر نہیں ہو سکتا اور اپنے اختیار و ارادے کو غلط استعمال کرنے کی کوشش اور بیجا سعی کی سزا بھی اس کو ضرور مل جاتی ہے۔ مثلاً جو شخص تاریکی میں اپنی آنکھ سے دیکھنے کا کام لینا چاہتا ہے آنکھ اُس کا کہنا نہیں مانتی اور وہ نہیں دیکھ سکتا۔ جو شخص جلتی ہوئی آگ میں اپنا ہاتھ داخل کر دیتا ہے اُس کا ہاتھ جل کر بیکار ہو جاتا ہے۔ جو شخص اپنے کمرے کا روشندان بند کر دیتا ہے اُس کے کمرے میں روشنی اور ہوا کی آمد کم ہو جاتی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ قانونِ قدرت کو کوئی شخص توڑ نہیں سکتا۔ کیونکہ اُس کی ایجاد اور نفاذ و اجراء دونوں ایک ہی قوت سے متعلق ہیں جس نے اُسے بنایا ہے وہی اُس کو عامل و نافذ بنا رہا ہے۔ یعنی قانونِ قدرت کا نفاذ کسی دوسرے کو سپرد نہیں ہوا۔ اور اسی لیے اُس میں تبدیل و تحویل ممکن نہیں۔

وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا (بنی اسرائیل) | اور تو ہمارے قانونِ قدرت میں کبھی رد و بدل نہ پائیگا۔

سنت اللہ یا قانونِ قدرت کی خلاف ورزی کی سزا خود قانونِ قدرت ہی کے ذریعہ انسان کو مل جاتی اور نتائجِ اعمال عموماً اسی دنیوی زندگی میں انسان کے گلوگیر ہو جاتے ہیں۔

وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ (بنی اسرائیل - ۲) | اور ہم نے ہر ایک آدمی کے نتائج اعمال کو اُس کے ساتھ لازم کر کے اُس کے گلے کا ہار بنا دیا ہے۔

لیکن انسان کے اختیار و ارادے کو جس قانون کا نافذ کنندہ بنایا گیا ہے اُس کی خلاف ورزی بھی ممکن ہے اور خلاف ورزی کی سزا بھی فوراً ملنی ضروری نہیں ہے بعض لوگوں نے غلطی اور بے بصیرتی سے یہ سمجھ لیا ہے کہ انسان بھی چوپایوں کی طرح اپنے اختیار و ارادے کے متعلق مسئول نہ ہوگا۔ اور نہ زیرِ مواخذہ آئیگا حالانکہ انسان کے سوا دوسرے تمام حیوانوں کا اختیار و ارادہ نہ قانونِ قدرت کی خلاف ورزی کرتا ہے نہ وہ اس مادی دنیا کے علاوہ کسی دوسرے جہان میں جزا و سزا کے مستحق ہیں۔ ایک چوپائے کا محدود و مقید ارادہ اُس کو کبھی کسی مضر غذا کے کھانے پر آمادہ نہیں کرتا لیکن انسان کا اختیار و ارادہ اُس کو سنکھیا کھانے پر بھی آمادہ کر سکتا ہے۔ ایک چوپایہ پیدائشی طور پر اپنی ضروریاتِ جسمانی قانونِ قدرت کے ماتحت بآسانی پا لیتا ہے مثلاً سردی کے موسم میں قدرتی طور پر بال زیادہ اور گرمیوں میں کم ہو جاتے ہیں اور وہ محتاجِ لباس نہیں لیکن انسان محتاجِ لباس ہے اور اپنے آزاد اختیار اور آزاد ارادے کے ذریعہ اپنا لباس گرمی و سردی کے لیے اپنی سعی و کوشش کو کام میں لاکر فراہم و مہیا کرتا ہے۔ چوپایوں کو ناخن تراشنے کی ضرورت پیش نہیں آتی مگر انسان کو ناخن تراشنے اور سر چہرے کے بالوں کی اصلاح ضروری ہے۔ اِسی طرح دوسرے حیوانات کو عوارضِ روحانی کی اصلاح اور معالجے کی ضرورت پیش نہیں آتی لیکن انسان کو اپنی نفسانی بیماریوں مثلاً جہل، طمع، جلد بازی، کنجوسی اور ظلم وغیرہ عوارض کی اصلاح اپنے اختیار و ارادے کے ذریعہ کرنی پڑتی ہے اور اسی کا نام اتباعِ شریعت اور پابندئ مذہب ہے۔ اور شریعت گویا نجاستوں کو دور کر دینے والا پانی ہے۔

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا (الرعد-۲)	خدا نے آسمان سے مینہ برسایا پھر بقدر اپنی اپنی سمائی کے نالے بہہ نکلے اور پانی کا سیلاب کوڑے کرکٹ اور جھاگ کو لے چلا۔

یا شریعت ایک نسخۂ شفا ہے جو قلبی بیماریوں کا علاج ہے

شِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ	سینہ کی بیماریوں کے لیئے دارو کے شفا اور ایمان والوں

لِّلْمُؤْمِنِيْنَ (یونس - ٦) کے واسطے ہدایت اور رحمت ہے۔

سلسلۂ کلام میں اب ہم اُس مقام پر پہنچ گئے ہیں جہاں سے مذہب کے دیگر اجزاء کو ملتوی رکھ کر صرف تمدن اور آئینِ تمدن پر بحث و نظر کیجائے۔

انسان اور قانونِ تمدّن

قانون یا دستور یا آئین یا نظام نام ہے اُس مجموعۂ احکام یا مجموعۂ ہدایات کا جو کسی برتر و فائق تر و طاقتور و مالک و علیم ہستی کی طرف سے ادنیٰ و پست تر اور کمزور و مملوک و کم علم افراد کے اعمال و افعال کو پُر حکمت طور پر متعین و محدود کر کے مطلوبہ نتائج برآمد کرنے کے لیے صادر کیے جائیں۔ قانون و آئین کے وضع کرنے کے لیے اصل مقصود و مطلوب سے واقفیت اور علم و حکمت کی ضرورت ہے۔ اس کے بعد اس قانون کے نافذ کرنے اور اُس پر عمل کرانے کے لیے قوت کی ضرورت ہوتی ہے۔ واضع قانون اگر چاہے تو خود ہی اپنی زبردست قوت کو کام میں لاکر اپنے مرتب کردہ قانون کو نافذ اور جاری کر سکتا ہے اور اگر چاہے تو اپنے وضع کردہ قانون کو نفاذ کے لیے کسی دوسرے کو قوتِ تنفیذ دیکر سپرد کر سکتا اور قانون ہی میں تنفیذیہ قوت کے لیے بھی ہدایات شامل کر سکتا ہے۔ اصل طاقت اور سب سے بڑی قوت مقنن ہی کی ہوتی ہے۔ اگر مقنن سب سے اعلیٰ و برتر قوت کا مالک نہ ہوگا تو اُس قانون کا زیرِ عمل آنا بھی لازمی نہ ہوگا۔

قانونِ قدرت یا سنت اللہ میں قوتِ تقنین اور قوت تنفیذ دونوں ایک ہی ذاتِ باری تعالے کے دستِ قدرت میں مجتمع ہیں لیکن خدائے تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ کے ماتحت انسان کو بھی ایک محدود دائرہ میں ارادہ و اختیار عطا فرما دیا ہے۔ اور اس محدود دائرے میں انسان اپنے اختیار و ارادے کا آزادانہ استعمال کر سکتا ہے اور اسی لیے اپنے اعمالِ ارادی کی جزاء و سزا بھگتنے کے لیے اُس کا ایک دوسرے جہان میں موجود ہونا اور حیات بعد الممات پانا ضروری ہوا اور یہ دنیوی زندگی اس کے لیے دارالعمل اور دارالامتحان قرار پائی لہٰذا خدا تعالےٰ

نے کہ اپنے علمِ تام اور خالقِ کائنات ہونے کے سبب وہی حقیقی مقنن ہو سکتا ہے۔ انسان کو اُس کے دائرہ اختیار و ارادے کے متعلق وحی و الہام اور انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ قوانین عطا فرمائے جن کو کتب سماویہ۔ کتب الہیہ، شرائع الٰہی اور مذہب حقّہ کہا جاتا ہے۔ اِن قوانین الٰہیہ کے لیے انسان محتاج تھا اور اُس کی اس احتیاج کو خدائے تعالیٰ نے پورا فرما کر قانونِ الٰہی کے نفاذ و اجراء کو اُس کے اختیار و ارادے کے سپرد کر دیا۔

انسان اپنی گوری رنگت کو سیاہ اور سیاہ رنگت کو گوری نہیں بنا سکتا۔ انسان اپنے چھوٹے قد کو بڑا اور لمبے قد کو چھوٹا نہیں کر سکتا۔ انسان اپنی دونوں آنکھوں میں سے ایک آنکھ پیشانی پر اور ایک پشت کی جانب سر کے پچھلے حصے میں نہیں لگا سکتا۔ انسان اپنے دونوں ہاتھوں سے پرند کے بازوؤں کا اور اپنے ہونٹوں سے سارس کی چونچ کا اور اپنی ناک سے ہاتھی کی سونڈ کا کام نہیں لے سکتا۔ انسان نمک سے مصری کا مزا اور خوبانی سے فالسہ کا ذائقہ حاصل نہیں کر سکتا جس طرح پیاس کو روٹی سے نہیں بجھا سکتا اسی طرح بھوک کو پانی سے فرو نہیں کر سکتا۔ کیوں؟ اس لیے کہ یہ قانونِ قدرت اور سنت اللہ کی خلاف ورزی تھی اور سنت اللہ کو توڑا نہیں جا سکتا اور انسان کے اختیار کی حدود سے یہ سب باتیں بالاتر ہیں۔ اسی لئے کتبِ سماویہ اور مذاہبِ حقّہ انسان کو کوئی بھی ایسا حکم نہیں دیتے اور اُس سے کسی ایسے کام کی فرمائش قطعاً نہیں کرتے جو اُس کے دائرۂ اختیار سے باہر ہو۔

انسان اپنی زبان سے جس کو چاہے بُرا کہے اور جسکی چاہے تعریف و ثنا بیان کرے جس کو چاہے راحت و آرام پہنچائے اور جسکے ساتھ چاہے ظلم و ستم اور بے انصافی کا برتاؤ کرے جب تک چاہے لیٹا رہے اور جب چاہے کھڑا ہو جائے جس طرح رات کو نقب زنی میں مصروف رہ سکتا ہے اسی طرح عبادت الٰہی میں رات بسر کر سکتا ہے۔ غرض اپنے اختیار و ارادہ کے دائرہ میں وہ اپنے تمام اعمال جس طرح چاہے بجا لا سکتا ہے لہذا تمام انبیاء اور تمام الٰہی مذاہب اُسکے اس دائرہ اختیار کے اندر ہی اُس کو احکام و ہدایات دیتے ہیں اور ان احکام کی تعمیل کرنے یا نہ کرنے ہی سے جزا و سزا مرتب ہوتی ہے۔ اِن احکام مذہبی کا دائرہ اسی قدر وسیع ہو سکتا ہے جس قدر انسان کے اختیار و

ارادے کا دائرہ وسیع ہے۔ پس یہ بات بآسانی ذہن نشین ہو سکتی ہے کہ انسان اپنے اعمالِ ارادی کے ذریعہ جو صحیح تمدنی ترقی کرتا ہے وہ وحی و الہام اور مذہب ہی کی رہبری میں کر سکتا ہے اس لیے کہ مذہب اُس کے اعمال ارادی و اختیاری کے متعلق ہی ہدایات دیتا اور کسی اہم اختیاری و ارادی فعل کو بے لگام و بے قید نہیں چھوڑتا۔

ہدایت نامۂ الٰہی جو نبیٔ برحق لے کر آتا ہے اُس میں بہت سی ایسی ہدایات بھی ہوتی ہیں جو انسان کو قانونِ قدرت کی اُن خلاف ورزیوں سے بچاتی ہیں جن میں انسان اپنی جہالت اور نابینائی سے مبتلا ہو سکتا ہے۔ انسانی عقل اگرچہ بہت کچھ قانون قدرت سے واقف ہو سکتی اور ہوتی جاتی ہے اور انسان کو بلا امدادِ وحی و الہام بھی قانونِ قدرت کے اُس حصہ کا علم حاصل ہو سکتا ہے جو اس دنیا کی مادی مخلوقات میں عامل اور جاری و ساری ہے۔ تاہم پورے قانونِ قدرت کا احاطہ کر لینا انسانی عقل و حواس کی استطاعت سے بالاتر ہے۔

وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ؕ (المدثر ۱)	اور تیرے رب کی مخلوقات کے لشکروں کا حال اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔
وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ؕ (بنی سرائیل ۱)	اور تم کو اسرار الٰہی میں سے تھوڑا ہی سا علم دیا گیا ہے۔

چونکہ انسان کا جہالت کی وجہ سے اپنے اختیار و ارادے کا قانونِ قدرت کی خلاف ورزی میں غلط استعمال کر لینا ممکن تھا۔ لہٰذا الٰہی ہدایت ناموں نے انسان کو بہت سی ایسی باتوں سے بھی منع کیا جو اس کو زیرِ مواخذۂ قانونِ قدرت لاسکتی تھیں مثلاً اکل و شرب کے متعلق ہدایات یا لباس و مکان کے متعلق ہدایات یا جاگنے اور سونے کے متعلق ہدایات وغیرہ۔

خود ایک انسان دوسرے انسان کے ساتھ کس طرح پیش آئے اور ایک انسان دوسرے انسان سے کہ وہ بھی عقل و حواس رکھتا اور وہ بھی اشیائے کائنات کا مخدوم ہے کس طرح کام لے اور ان دو ہمسروں میں تعلقات کس قسم کے اور کن اصولوں کے ماتحت ہوں۔ اس کے متعلق عقل انسانی نہ کوئی قانون بنا سکتی ہے نہ بنانے کا حق رکھتی ہے اور نہ اُس کے نافذ العمل بنانے

کا کوئی استحقاق کسی انسان کے لیے ثابت کیا جا سکتا ہے۔ جس طرح انسان خود اپنا خالق نہیں اسی طرح وہ خود اپنا مقنن بھی نہیں بن سکتا۔ پس انسان کا فطرتاً متمدن اور ایک دوسرے کی امداد و اعانت کا محتاج ہونا صاف بتا رہا ہے کہ آپس کے حقوق کی تعیین اور ایک دوسرے کے ساتھ برتاؤ کے متعلق خالقِ انسان کی طرف سے رہبری ہونی چاہیے۔ اسی طرح عقل انسانی کی بیماگی دور ہو کر عدل قائم ہو سکتا ہے اور اسی سے تمدنی ترقی وابستہ ہے۔ وحی و الہام کے ذریعہ جس طرح حقوق اللہ سے انسان کو آگاہی حاصل ہو سکتی ہے اُسی طرح حقوق العباد سے واقفیت بہم پہنچ سکتی اور فطرت انسانی کو اطمینان و سکون حاصل ہو سکتا ہے۔ جبکہ نسل انسانی کے اعمال و عقائد کی تعلیم و تربیت کا تمام سامان مذہب ہی کے ذریعہ فراہم ہوا ہے اور خدائے تعالیٰ کی طرف سے حسبِ ضرورت ہدایت نامے نازل ہوتے رہے ہیں تو یہ خیال ہی سراسر باطل ٹھہرتا ہے کہ انسان بھی قانون سازی کا استحقاق رکھتا اور حقوق انسانی کی حفاظت و نگہداشت کے لیے خود قانون بنا سکتا ہے۔ قانونِ تمدن اور قانونِ مذہب کی الگ الگ حدود قائم ہی نہیں کیجا سکتیں حقیقت یہ ہے کہ نظاماتِ تمدن میں جس قدر انسانی تصرفات کو دخل ملا ہے اُسی قدر اُن میں خرابیاں رونما ہوئی ہیں۔ آج دنیا میں بہت سی متمدن کہلانے والی قومیں اپنے نام نہاد اعلیٰ تمدنوں کی خرابیوں اور اذیت رسانیوں سے نالاں اور کسی راحت رساں نظامِ تمدن کی متلاشی نظر آ رہی ہیں جس کے ثبوت میں یورپ و امریکہ کے بہت سے لوگوں کی تقریریں اور تحریریں پیش کیجا سکتی ہیں۔ اس کا سبب سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ اُن نظاماتِ تمدن میں انسانی تصرفات زیادہ اور مذہبی تعلیمات کے نتائج برائے نام باقی رہ گئے ہیں۔ نظام تمدن کے لیے اُس کا مذہبی ہونا ضروری ثابت کرنے سے یہ مدعا ہے کہ قانون کے اصول الہامی و مذہبی ہونے ضروری ہیں۔ اصول کو قائم رکھتے ہوئے اُن کی جزئیات اور فروعات کی ترتیب و تبدیل کا حق ہر مذہبی قانون نے قانون کے نافذ کرنیوالی قوت کو عطا فرمایا ہے اور اسی لیے ہر الٰہی مذہب میں فقہائے مذہب کے مرتب کردہ فقہ کا تاریخ سے ثبوت بہم پہنچتا ہے اور اس تفقہ

فی الدین اور اجتہاد کی اجازت کا ہونا ضروری بھی تھا اِس لیے انسان ہمیشہ انسان ہی رہیگا انسان کو مشین یا جمادی اور دہاتی کل اور لکڑی کا چرخا نہیں بنایا جا سکتا۔ اس کی تفصیل کسی مناسب موقع پر بیان ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ۔

مذہب اور قانونِ سلطنت

اوپر جس نظام تمدن یا قانون تمدن کا ذکر ہوا ہے اُس کو دو یا زیادہ حصّوں میں تقسیم کرنا اور اُن حصص کی صحیح اور یقینی حدود قائم کرنا بیحد دشوار ہے۔ نظامِ تمدن جس چیز سے عبارت ہے وہ نظامِ اخلاق کے نام سے موسوم ہو سکتا اور نظامِ سلطنت یا قانونِ ریاست اسی کا ایک جزو قرار دیا جا سکتا ہے لیکن جب ریاست یا سلطنت کے وسیع مفہوم پر غور کیا جائے تو اس کی حدود میں وہ تمام چیزیں بھی داخل ہو سکتی ہیں جن کو اخلاق کا محدود مفہوم قرار دیکر اخلاقی کہا جاتا اور سلطنت و ریاست کے دائرے سے باہر سمجھا جاتا ہے۔ اس طرح نظامِ اخلاق اور نظام سلطنت دونوں نظامِ تمدن کے مترادف وہم معنی قرار پاتے ہیں۔ اور یہ دقت محض اس لیے واقع ہوئی ہے کہ لوگوں نے اِن زیر بحث الفاظ کی جُدا جُدا مختلف تعریفیں بیان کی ہیں اور ریاست و سلطنت کا مفہوم ادلتا بدلتا رہا ہے۔

اوپر کی فصل میں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ نظامِ تمدن یا قوانینِ تمدن انسان کو خدائے تعالیٰ کی طرف سے ملنا چاہیے اور وہی انسان کی صحیح تمدنی ترقی کا موجب ہو سکتا ہے اور انسان اس کو نہیں بنا سکتا۔ ہاں! اس قانون کے نفاذ اور زیر عمل لانے کی قوت انسان کو حاصل ہو سکتی ہے جو خدائے تعالیٰ نے اس کو عطا کر دی ہے اور اس قوت کو کارآمد اور عامل بنانے کی ہدایات بھی اسی قانون میں موجود ہوتی ہیں۔ اس قوتِ عاملہ یا قوت تنفیذیہ پر جب غور کیا جاتا ہے تو اس کا مرکزی نقطہ نبی یا رسول یا ہادیٔ برحق کی ذات ہی ہو سکتی ہے کیونکہ ہدایت نامہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے اُسی کو ملتا ہے، وہی اس ہدایت نامہ پر سب سے پہلے عمل کرتا اور وہی دوسرے انسانوں تک

سب سے پہلے اس کا پہنچانے والا اور وہی سب سے زیادہ اس کا سمجھنے والا اور وہی سب سے بہتر اُس کا سمجھانے والا ہوتا ہے۔ لہٰذا وہی سب سے بہتر اُس کا نافذ کرنیوالا اور لوگوں میں اس کو معمول بہا بنانے والا ہو سکتا ہے۔ اس ہدایت نامہ کا نفاذ کبھی صرف تعلیم و تذکیر کے ذریعہ ممکن ہوتا ہے اس حالت میں ہادیٔ برحق کی ظاہری حیثیت صرف معلّم و مُذکّر کی ہوتی ہے اور کبھی قوت و شوکت کا استعمال ضروری ہوتا ہے اُس حالت میں ہادیٔ برحق کو قوت و شوکت بھی حاصل کرنی پڑتی ہے اور اس کی حیثیتِ ظاہری فرمانروا اور بادشاہ کی ہوتی ہے۔ خدائےتعالیٰ نے اپنے ہر ایک رسول اور نبی کو جو ہدایت نامہ لیکر آیا اُسی ہدایت نامے میں لوگوں کیلئے مطاع و واجب التکریم اور نمونۂ عمل بھی ضرور ٹھہرایا ہے کوئی بھی نبی یا رسول ایسا نہیں بتایا جا سکتا جو کسی دوسرے انسان کا محکوم و غلام و فرمانبردار ہونے کی حالت میں نبی یا رسول بنایا گیا ہو۔ نبی صرف خدائےتعالیٰ کا کامل فرمانبردار اور لوگوں کیلئے رہبر و ہادی ہوتا ہے۔ یوں کہنا چاہیے کہ نبی یا رسول خود فرمانروا ہوتا ہے وہ کسی دوسرے انسان کا فرمانبردار و تابع فرمان ہرگز نہیں بن سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ تمام انبیاء و رسل کی مخالفت میں کمربستہ ہو جانے والے سب سے پہلے عموماً وہی لوگ ہوئے جن کو پہلے سے فرمانروائی کے مواقع حاصل تھے۔ کیونکہ وہ نبی یا ہادیٔ برحق کو اپنا رقیب اور اپنی موجودہ فرمانروائی کا درہم برہم کر دینے والا یقین کرتے تھے۔ انبیاء علیہم السلام کی حکومت نوعِ انسان پر اس قسم کی ظالمانہ حکومت نہیں ہوتی جیسی کہ ہم آج کل خود مختار بادشاہوں یا غالب قوموں کی مغلوب قوموں پر دیکھ رہے ہیں۔ بلکہ وہ کامل عدل اور کامل ہمدردیٔ نوعِ انسانی پر مبنی ہوتی ہے اور انسان کو اُس کے مقصدِ زندگی تک پہنچانے میں اعانت و رہبری کرتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کسی کو کوئی چیز زبردستی نہیں منواتے بلکہ اُن کا کام وعظ و تذکیر اور انسان کی سچی بہی خواہی اور مظالم کو دور کر کے نوعِ انسان میں حقیقی مساوات قائم کرنا ہوتا ہے۔ چونکہ انبیاء و رسل انسان کی غلط کاریوں کی اصلاح کرنے اور انسان کو راہِ راست پر چلانے کے لیے معلم و رہبر و ہادی بن کر مبعوث ہوتے ہیں لہٰذا اُن کو اس زمانہ کے موجودہ غلط کاروں کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے اور

اُن کے لائے ہوئے ہدایت نامے چونکہ انسان کے افعال و اعمالِ ارادی کے دائرے سے متعلق ہوتے ہیں لہٰذا وہ انسان کو ہمیشہ ایسے آسان اور فطری دلائل سے اپنی لائی ہوئی ہدایات کی طرف متوجہ کرتے ہیں جو اُس زمانے کے لوگوں کی سمجھ میں بآسانی آجائیں۔ انبیاء علیہم السلام کے پیش کردہ دلائل ہمیشہ فطرتِ انسانی پر اثر انداز اور جذباتِ انسانی کو صحیح سانچے میں ڈھال لینے والے ہوتے ہیں وہ محض لفاظی اور انسان کے وضع کردہ خشک منطقی اصولوں کی قید میں نہیں رہتے وہ منطق و فلسفہ سے اس طرح بے نیاز ہوتے ہیں جیسے ایک بدوی کو عربی صرف و نحو کے سیکھنے کی مطلق ضرورت نہیں ہوتی۔ چنانچہ جو لوگ ان کی باتوں کو سُنتے اور غور و تامل سے کام لیتے ہیں اُن پر حقیقت بآسانی منکشف ہو جاتی ہے اور وہ اپنی جان و مال سب کچھ رضائے الٰہی پر قربان کر دینے کے لیے آمادہ ہو جاتے ہیں۔ مگر کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ وہ اپنی محبوب چیزوں، اپنی محبوب بدعادتوں اور اپنے محبوب مقاصدِ ذمیمہ اور اپنی محبوب ظالمانہ حکومتوں اور اپنے مظالم کو ترک کرنا نہیں چاہتے وہ ہادیانِ برحق کو اُن کے فرض تبلیغ سے روکنا اور باز رکھنا چاہتے اور اُن کی مخالفت پر کمربستہ ہو جاتے ہیں۔ اس طرح ہادیِ برحق کے مبعوث ہونے اور نئے ہدایت نامۂ الٰہی کے آنے پر حق و باطل میں ایک تصادم واقع ہو کر مطلع صاف ہو جاتا رہا ہے۔ انبیاء علیہم السلام نوعِ انسان کی حقیقی اور سچی ہمدردی کرنیوالے ہوتے ہیں اُن کا اصل فرض ہدایات و احکام الٰہیہ کا لوگوں تک پہنچا دینا ہوتا ہے۔ خدائے تعالیٰ جو فطرت انسانی کا خالق اور علیم و خبیر خدا ہے ایسے ہی نفوسِ قدسی کو نبوت و ہدایت کے لیے منتخب فرماتا رہا ہے جو اس فرضِ تبلیغ کو کما حقہ ادا کر سکیں۔

يَآ اَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ۭ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۭ (المائدہ۔۱۰)	اے رسول جو احکام تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل ہوئے ہیں لوگوں کو پہنچا دو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو گویا تم نے خدا کا کوئی پیغام بھی نہیں پہنچایا اور اللہ تم کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھیگا۔
اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ۭ (الانعام ۱۵)	اللہ جس جگہ اپنی امانتِ رسالت سپرد کرتا ہے وہ اُس کے

محفوظ اور قابل اطمینان ہونے کو بھی خوب جانتا ہے۔

اب اس بات کا سمجھنا کچھ بھی مشکل نہیں رہا کہ بعض انبیاء ایسے وقت اور ایسے ملک اور ایسی قوم میں مبعوث ہوئے کہ اُن کو دیگر ہدایات کے ساتھ شخصی نظامِ سلطنت اور ایک بادشاہ کی ضرورت بھی لہٰذا فلاحِ انسانی کے لیے بادشاہ کے صفات اور شخصی نظامِ سلطنت ہدایت نامۂ الٰہیہ نے پیش کر دیا۔ مثلاً داؤد و سلیمان علیہما السلام کسی زمانہ میں حکومتِ اعیان یا سردارانِ قوم کی چھوٹی چھوٹی الگ الگ حکومتوں کی ایک اتحادی و وفاقی سلطنت مناسب سمجھی گئی۔ مثلاً بنی اسرائیل کے بارہ قبائل کا نظامِ حکومت۔ کسی زمانہ میں جنگی نظامِ حکومت زیادہ مناسب سمجھا گیا کہ سپہ سالارِ افواج ہی کو بادشاہ مانا جائے مثلاً ملک طالوت کی حکومت۔ کسی زمانہ میں قائم شدہ سلطنت کی صرف اصلاح ہی کافی سمجھی گئی۔ مثلاً یوسف علیہ السلام کے ذریعہ سلطنتِ مصر کی اصلاح۔ کسی زمانے میں سلطنت کے مظالم حد سے زیادہ بڑھ گئے تو خدائے تعالیٰ نے اس سلطنت ہی کو درہم برہم کر کے مظلوموں کی نجات کا سامان پیدا کر دیا۔ مثلاً موسیٰ علیہ السلام کا بنی اسرائیل کو غلامی سے آزاد کرانا اور فرعون اور فرعونیوں کا تباہ و غرق ہونا یا مثلاً حزقیل و دانیال ؑ کی تدابیر کے نتیجے میں فارس کی سلطنت کا بابل کی حکومت پر حملہ آور ہو کر اس کو برباد کر دینا اور بنی اسرائیل کا بابلیوں کی غلامی سے آزاد ہو کر اور سلطنتِ فارس سے امداد پا کر بیت المقدس کو پھر تعمیر و آباد کرنا اور جدید اصولوں پر اپنی حکومت قائم کرنا۔ اسی طرح ہر ملک اور ہر قوم میں مختلف اقسام کے نظاماتِ سلطنت الٰہی ہدایت ناموں کے ماتحت قائم ہوتے اور نادرست ظالمانہ نظامات برباد ہوتے رہے اور یہ سب کچھ ہدایاتِ الٰہیہ اور انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ ہوا۔ خدائے تعالیٰ نے انسان کو جو اختیار و ارادہ عطا فرمایا تھا اُس کو کسی وقت بھی واپس نہیں لیا اور اس کے لیے بذریعۂ انبیاء حسب ضرورت ہدایت نامے نازل فرماتا رہا اور ایسا ہی ہونا بھی چاہیے تھا۔ انسان نے خدائی ہدایت ناموں کی خلاف ورزی کر کے خود اپنے آپ کو مصائب میں مبتلا کیا اور نقصان و زیاں اٹھاتا رہا۔ انسان کے لیے مفید اور صحیح نظامِ سلطنت وہی ہو سکتا تھا جو انبیاء

علیہم السلام کے لائے ہوئے ہدایت ناموں کے ذریعہ ملا ہو۔ انبیاء علیہم السلام کے لائے ہوئے ہدایت ناموں کی نسبت اوپر مفصل بیان ہو چکا ہے کہ وہ محدود زمانے کے لیے ہوتے تھے اور سلسلۂ انبیاء نے نسل انسانی کو تدریجی ترقی دی ہے۔ اس تدریج وارتقاء کا اعلیٰ مقام اور سب سے اونچی چوٹی یہ تھی کہ تمام دنیا اور تمام نسل انسانی کے لیے ایک ہادی اور ایک ہدایت نامہ آجائے اور اس ہدایت نامہ میں یہ التزام واہتمام ہو کہ ترمیم وتنسیخ کی ضرورت پیش نہ آئے۔ ایسا کامل ہدایت نامہ اور کامل مذہب اور کامل و بے عیب مذہبی نظامِ سلطنت دنیا میں موجود ہے یا نہیں؟ اور اگر ایسا کامل نظامِ سلطنت تلاش کیا جا سکتا ہے تو اس کا کامل و بے عیب ہونا کس طرح ثابت ہو سکیگا؟ اس کا جواب آئندہ آنے والا ہے اس وقت صرف یہ بتانا منظور تھا کہ دنیا میں نسل انسانی کے لیے بہترین حکومت اور بہترین نظامِ سلطنت وہی ہو سکتا ہے جو مذہب نے قائم اور تعلیم کیا ہو۔ اور یہی نظامِ سلطنت فطرتِ انسانی کے مطابق اور دنیا میں کامل عدل قائم کرنے والا ہو سکتا ہے اور اس مذہبی نظام کے ذریعہ قائم شدہ سلطنت کو خلافت بھی کہا جاتا ہے۔

مذہبی سلطنت اور انسانی آزادی

انبیاء اور شرائع الٰہیہ کا نزول انسان کے افعال واعمالِ اختیاری وارادی کو غلطی سے بچانے کے لیے ہوا۔ شرائع الٰہیہ نے انسان کے اختیار وارادے کو ہرگز سلب اور ضبط کرنا نہیں چاہا بلکہ اس کی رہبری کے لیے جس کا وہ محتاج تھا ہدایت اور روشنی پیش کر دی کہ وہ اگر چاہے تو صراطِ مستقیم پر گامزن ہو کر کامیاب و بامراد ہو جائے۔ ہادیانِ برحق نے انسان کو ہرگز مجبور کرنا نہیں چاہا۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ﴿البقرہ۔ ۲۵۶﴾ | دین کے معاملہ میں زبردستی کا کوئی کام نہیں۔

اگر انسان کو اپنے افعال واعمال میں مجبور کر کے اُس کے اختیار وارادے کو جو کہ سے خدا تعالیٰ

کی طرف سے ملا ہوا ہے سلب کر لیا جاتا تو پھر انسان اپنے اعمال و افعال کا ہرگز ذمہ دار نہ رہتا اور اس کے لیے جزا و سزا اور حیات بعد الممات یعنی دوسری زندگی بھی نہ ہوتی۔ وہ تمدنی ترقیات سے بھی محروم رہتا۔ اس کے لیے چوپایوں کی طرح عقل حیوانی اور حواس کافی ہوتے اور وہ چوپایوں کی طرح اس دنیا میں ایک دوپایہ ہوتا۔ اور چوپایوں سے بھی ذلیل ترین حالت میں زندگی بسر کر کے فنا ہو جاتا۔ غرض اس بات کے تسلیم کرنے میں کسی سمجھدار شخص کو انکار نہیں ہو سکتا کہ وہ مذہب اور وہ ہادی جو انسان کے اختیار و ارادے کو سلب کرنا اور انسان کو جبر و اکراہ کے نیچے لا کر اپنے احکام منوانا چاہے ہرگز الٰہی مذہب..... اور ہادئ برحق نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ اس مذہبی جبر و اکراہ کے معنی انسان کو اس کی انسانیت کے امتیاز و شرف سے خارج کر دینے کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتے۔ پس جبکہ مذہب انسان کے اختیار و ارادے کو آزاد ہی چھوڑتا ہے اور آزاد ہی چھوڑنا ضروری بھی ہے تو اس آزادی کی حفاظت کا بھی کوئی انتظام مذہب ہی کو پیش کرنا چاہیے۔ کون نہیں جانتا کہ ایک طاقتور صاحبِ اختیار و ارادہ انسان دوسرے کمزور صاحبِ اختیار و ارادہ انسان کے اختیار کو سلب کر کے اُسی انسانیت کی حدود سے خارج اور چوپایوں کی صف میں داخل کر سکتا ہے۔ طاقتور کے اس ظلم کو دور کر کے مظلوم کو اُس کا حق دلانا یقیناً الٰہی مذہب کے فرائض میں سے ایک فرض ہونا چاہیے۔ چنانچہ الٰہی مذاہب نے اپنے اس فرض کو بھی ادا کیا ہے الٰہی مذاہب کا سب سے بڑا رکن اور سب سے زیادہ اہم و اقدم جزو ایمان باللہ اور ایمان بالیوم الآخر ہے۔ جس طرح توحید سب سے زیادہ ضروری چیز ہے اسی طرح شرک تمام گناہوں سے بڑا گناہ ہے لیکن الٰہی شریعت اور مذہبی سلطنت کے قانون میں شرک کی کوئی تعزیر اور سزا نہیں ہوا کرتی کیونکہ انسان کا یہ گناہ صرف اس کی ذات سے تعلق رکھتا ہے۔ دوسرے پر اس کا کوئی اثر نہیں۔ اسی طرح عبادات میں کوتاہی کرنیوالے کی کوئی سزا نہیں لیکن چوری کرنے، دوسرے کو ستانے، قتل کرنے اور نقصان پہنچانے کی سزائیں ضرور ہوتی ہیں۔ مثلاً مسلمانوں میں کوئی شخص نماز ترک کر دے یا

رمضان میں کوئی شخص روزہ نہ رکھے تو اُس کو نماز روزہ کی ترغیب دیجائیگی اور عذاب آخرت سے ڈرایا جائیگا لیکن اُس کے لیے کوئی تعزیر شریعت اسلام میں نہیں لیکن اگر کوئی شخص چوری کرے تو اُس کا ہاتھ قلم کر دیا جائیگا یا اور کوئی سزا جو مسلمانوں کا امیر یا خلیفہ تجویز کرے دی جائیگی۔ اسی طرح کوئی شخص یا کوئی جماعت انسانی آزادی کو سلب کرے اور خیالات وعقائد و عبادات کو طاقت کے ساتھ روکے اور اختلافِ مذہب کی وجہ سے ستائے تو اُس کے خلاف قتال کیا جائے گا تاکہ عقائد و مذہب کے متعلق کوئی دباؤ باقی نہ رہے اور انسان کی فطری آزادی محفوظ رہے چور کو سزا دیجاتی ہے۔ فساد و بدامنی پیدا کرنے والے کے خلاف ہتھیار سنبھالے جاتے ہیں۔ اس لیے کہ کسی شخص کو دوسروں کے حقوق غصب کرنے اور دوسروں کو آزار پہنچانے کا موقع نہ ملے لیکن مشرک کو محض اس کے شرک کی وجہ سے کوئی سزا نہیں دیجاتی حالانکہ شرک سب سے بڑا گناہ ہے۔

وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ (ہود - ۱۰)	اور تیرا رب ایسا نہیں کہ بستیوں کو محض شرک کی وجہ سے ہلاک کردے اور اُن بستیوں کے رہنے والے فساد پھیلانیوالے نہ ہوں۔

مشرک چونکہ اپنے اختیار سے اپنی جان پر ظلم کرتا یعنی اپنے آپ کو دوسرے جہان میں مستحق عقوبت بناتا ہے لہذا جب تک وہ دوسروں کے لیے موجبِ اذیت اور دوسروں کی آزادی برباد کرنے والا نہ ہوگا محض شرک کی وجہ سے اس دنیا میں اُس کو سزا نہیں دیجاتی۔

انسان کو خدائے تعالیٰ کی طرف سے جس محدود دائرے میں اختیار عطا ہوا ہے اُس میں شرائع الٰہیہ اُس کو ہرگز مجبور نہیں کرتیں۔ جس شخص کا اختیار و ارادہ سلب ہو جائے اور وہ اپنے اعمال و افعال میں آزاد و خودمختار نہ رہے وہ الٰہی مذہب یعنی ہادیٔ برحق کی دعوتِ حقہ کا مخاطب ہی نہیں بن سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ ہادیانِ برحق نے اپنی دعوت کی تخم ریزی کے لیے پہلے زمین کا تیار کرنا ضروری قرار دیا۔ یعنی اگر اُن کی مخاطب قوم غلام و مجبور رہی ہے تو اُنھوں نے عبادت الٰہی کی تلقین و تعلیم اور دوسری تعلیمات مذہبی کو ملتوی رکھ کر سب سے پہلے اور سب سے زیادہ

کوشش اُس مجبور و غلام قوم کو آزاد کرانے میں صرف کی مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام جو قومی نبی تھے اور صرف بنی اسرائیل کی ہدایت و رہبری کے لیے مبعوث ہوئے تھے اُنھوں نے سب سے پہلے بنی اسرائیل کو آزاد کرایا اس کے بعد بنی اسرائیل کی تعلیم و تربیت کا کام انجام دیا پس معلوم ہوا کہ ہادیانِ برحق مذہب کے اہم اجزا یعنی عقائد و عبادات و اخلاق و معاملات وغیرہ کو تعلیم و ترغیب و تذکیر کے ذریعہ پیش کرتے اور انسان کے اختیار و ارادے پر کوئی قید بند عائد نہیں کرتے لیکن اگر انسان کا یہ فطری حق یعنی آزادی معرض خطر میں ہو تو اس خطرے کو دور کرنے کا کام بھی انجام دیتے۔ اس خطرے کے سد باب کا انتظام بھی پیش کر دیتے اور آزادی کی قدر و قیمت بھی سمجھا دیتے ہیں۔ انسان کی اس آزادی کے قیام و بقا کے انتظام ہی کا نام مذہبی نظامِ حکومت ہے اور مذہبی نظامِ حکومت کے ذریعہ جو سلطنت قائم ہوتی ہے اُس کو الٰہی سلطنت یا مذہبی سلطنت یا خلافت کہتے ہیں۔ اور اسی میں سب سے زیادہ انسانی حقوق محفوظ ہو سکتے ہیں اور اسی کے ذریعہ کامل عدل نوع انسان میں قائم ہو سکتا ہے

اگر کوئی شخص آج کسی کو سو روپیہ دلوا دے اور دو دن کے بعد اُس پر ایک ہزار روپیہ کا جرمانہ کرا دے تو وہ اپنی آج کی کارروائی کے سبب کہ سو روپیہ کا فائدہ کرا دیا ہے دو روز کے بعد حقیقی ہمدرد ہرگز قرار نہ دیا جائیگا۔ یا مثلاً کوئی بیوقوف ماں اپنے بیمار بچے کو اُس کی خواہش کے موافق لذیذ مگر مضر غذا کھلا کر تھوڑی دیر کے لیے خوش کر دیتی ہے۔ جس کے نتیجے میں بچہ اور بھی زیادہ بیمار ہو کر ہلاکت کے قریب پہنچ جاتا ہے تو ماں کی یہ حرکت حقیقی ہمدردی ہرگز نہ سمجھی جائیگی۔ بلکہ حقیقی ہمدرد وہ طبیب ہی تھا جس نے اُس مُضر غذا سے پرہیز کی ہدایت کی تھی۔ فرستادگانِ الٰہی نوعِ انسان کے حقیقی ہمدرد تھے اور اسی لیے وہ انسان کو اس کے سب سے بڑے فائدے اور سب سے بڑی راحت کی طرف سب سے زیادہ توجہ دلاتے رہے اور اُخروی و دائمی زندگی کی دائمی راحتوں کو اس دنیوی زندگی کی راحتوں پر مرجح قرار دیتے اور عذاب اُخروی کو سب سے بڑی مصیبت بتا کر اُس سے بچنے کی تدابیر کو مقدم

ٹھہراتے اور اُسی کو انسان کا مقصد زندگی قرار دیتے رہے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہنا چاہیے کہ ہادیانِ برحق انسان کو علم صحیح بہم پہنچا کر اُس کے موافق اعمالِ صحیحہ کی ترغیب دیتے رہے ہیں اعمالِ صحیحہ ہی کو اصطلاحاً اعمالِ صالحہ کہتے ہیں۔ اعمالِ صالحہ ہی کا ایک جزو حقوق العباد یا فرائضِ تمدن کی ادائگی ہے۔ فرائضِ تمدن کا ایک جزو وہ اعمال ہیں جو جمعیت انسانی میں امن و امان قائم رکھنے اور حقوق انسانی میں خاص خاص غاصبانہ مداخلتوں سے خود غرض انسانوں کو روکتے ہیں۔ انہی اعمال کے مجموعے کا نام سلطنت اور نظامِ سلطنت ہے۔

دینی سلطنت اور دنیوی سلطنت

ہادیانِ برحق کا اہم اور اعظم کام دین کو دنیا پر مقدم ثابت کرنا یا اس دنیوی زندگی کے مفاد پر آخری زندگی کے مفاد کو ترجیح دینا اور کسی ایک قوم کے منافع پر نوعِ انسان کے منافع کو اور کسی ایک شخص کے مقصد پر جماعت یا قوم کے مقصد کو زیادہ قیمتی اور ضروری قرار دینا ہوتا ہے اور اسی طرح انسان کو حقیقی شخصی و انفرادی مفاد حاصل ہو سکتے ہیں۔ پس اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ ہادیانِ برحق کی تعلیمات نظامِ ریاست یا نظامِ سلطنت کی تعلیم سے خالی و عاری نہیں ہو سکتیں۔ نوعِ انسان کا وہ حصہ جو مذہب اور تعلیماتِ الٰہیہ .... کی طرف سے روگردانی اختیار کرتا اور ہدایت نامۂ الٰہی کی طرف سے مُنہ موڑتا ہے وہ بھی متمدن حیوان ہونے کی وجہ سے فطرتاً اس بات کا خواہشمند ہوتا ہے کہ ملک میں ہلچل، افراتفری، آپ دھاپ، قتل و غارت اور بدامنی واقع نہ ہو اور اُن کے حسب منشا سکون و اطمینان موجود ہو کہ وہ دنیوی راحتیں حاصل کر سکیں اور اُن کی خواہشات پوری ہو سکیں چنانچہ وہ مجبور ہوتے ہیں کہ کوئی نظامِ سلطنت قائم کریں۔ اس طرح جو سلطنت قائم ہوتی ہے وہ دنیوی سلطنت کہلاتی ہے۔ دنیوی سلطنت اور دینی سلطنت کا مابہ الاشتراک یہ ہے کہ دونوں امن و سکون قائم کرنے کی خواہاں ہوتی ہیں۔ اور مابہ الامتیاز یہ ہے کہ دینی یا مذہبی سلطنت انسان کو اُس کے

نظری حقوق دلانے اور حقیقی عدل و انصاف قائم کرنے اور ظلم و زیادتی کے روکنے کی غرض سے قائم ہوتی ہے اور دنیوی سلطنت عموماً ایک طاقتور شخص یا ایک طاقتور خاندان یا ایک طاقتور جماعت یا ایک طاقتور قوم کے اغراض کو مقدم رکھ کر دوسرے اشخاص و جماعات و اقوام کو جو کمزور و ناتواں ہیں طاقتوروں کی فرمانبرداری پر مجبور کر دینے کے لیے قائم ہوتی ہے خلافت یا دینی سلطنت میں عدل کا مفہوم صحیح اور حقیقی ہوتا ہے اور ہر انسان کے انسانی حقوق مساوی ہوتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝

(المائدہ ۵-۲)

مسلمانو! خدا کا خوف کرتے ہوئے انصاف کے ساتھ گواہی دیا کرو اور لوگوں کی عداوت تم کو اس گناہ پر آمادہ نہ کر دے کہ تم عدل و انصاف سے باز رہو تم کو چاہیے کہ ہر حالت میں انصاف کرو اس لیے کہ منصف مزاجی پرہیزگاری سے قریب ہے اور اللہ کی نافرمانی سے ڈرتے رہو کیونکہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔

لیکن دنیوی سلطنت میں عدل کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ کمزور و محکوم و مغلوب کے انسانی حقوق کچھ اور ہیں اور طاقتور و حاکم و غالب کے انسانی حقوق کچھ اور۔ دینی سلطنت میں ہر انسان کو ترقی کرنے کے مواقع آزادانہ حاصل ہوتے ہیں اور دنیوی سلطنت میں محکوم و مغلوب کے لیے ترقی کے راستے مسدود ہو جاتے ہیں۔ ہر ایک دنیوی سلطنت کا بھی کوئی نہ کوئی قانون ضرور ہوتا ہے کبھی ایک مطلق العنان بادشاہ کے اختیار و ارادے کا نام قانون ہوتا ہے۔ کبھی قانون رسم و رواج کی صورت میں اور کبھی چند اشخاص کے مشوروں سے تحریری طور پر محفوظ و مدون کر لیا جاتا ہے۔ دینی سلطنت میں قانونِ سلطنت ہدایت نامۂ الٰہیہ کے ذریعہ مرتب اور ہادیٔ برحق کی ہدایات و طرزِ عمل سے مکمل کیا جاتا ہے۔ دنیوی سلطنت میں قانون سلطنت انسانوں کا بنایا ہوا اور دینی سلطنت میں انسانوں کے خالق کا بنایا ہوا ہوتا ہے۔ دینی سلطنت میں مصالحِ اخروی

کو مقدم رکھا جاتا بلکہ مصالح دنیوی کو بھی مصالح اُخروی کی طرف راجع کیا جاتا ہے الدنیا مزرعۃ الآخرۃ۔ لیکن دنیوی سلطنت کا نصب العین عموماً دنیوی مصالح اور صرف ایک شخص یا قوم یا ایک جماعت کے مصالح دنیوی کو مقدم رکھنا ہوتا ہے۔ دینی سلطنت کی بنیاد چونکہ فطرتِ انسانی کے خالق کی ہدایات کے ماتحت قائم ہوتی ہے۔ لہٰذا نوعِ انسان کو اُسی کے ذریعہ سب سے بہتر فوائد حاصل ہو سکتے اور اُسی کے ذریعہ عالم انسانیت میں حقیقی امن و امان قائم رہ سکتا اور اسی کے ذریعہ فطرت انسانی حقیقی تسکین پا سکتی اور اُسی کے ذریعہ حقیقی عدل قائم ہو سکتا ہے۔ دینی یا مذہبی سلطنت میں مصالح تمدن زیادہ ملحوظ ہوتے ہیں اور لوگوں میں قابلیتِ اتحاد زیادہ پیدا ہو جاتی ہے۔ دنیوی سلطنت میں اس کے خلاف موجباتِ شقاق و نفاق و عناد زیادہ پیدا ہوتے اور روبہ ترقی رہتے ہیں۔

جب تک دینی سلطنت ہدایاتِ الٰہی کے ماتحت قائم رہتی ہے اُس میں تمام خوبیاں موجود ہوتی ہیں۔ جب ہدایات الٰہیہ کو مسخ کر کے انسانی تصرف اُس میں دخل پا لیتا ہے اور اصول سلطنت الٰہی ہونے کی جگہ انسانی بنجاتے ہیں تو دینی سلطنت چاہے نام کی دینی سلطنت رہے حقیقتاً وہ دنیوی سلطنت اور بہت سے عیوب و مفاسد کا مجموعہ بنجاتی ہے۔ دنیوی سلطنتیں چونکہ حقیقی عدل کو قائم نہیں رکھ سکتیں لہٰذا مظلوم جب کبھی ظالموں کی طاقت یا اُن کی گرفت کو کمزور دیکھتے ہیں اپنے غصب شدہ انسانی حقوق واپس حاصل کرنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارتے اور اکثر کامیاب بھی ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ آزاد ہونیوالے مظلوم طاقتور اور صاحب اقتدار بن کر خود بھی ظالم بنجاتے اور کمزور ہو جانے والوں کو اپنے مظالم کا تختۂ مشق بناتے ہیں۔ اسی طرح سلطنتوں کے بننے اور بگڑنے کا سلسلہ جاری ہے حکومت و سلطنت کے لیے اقوام میں جو کشمکش برپا رہتی ہے اس کشمکش کی داستان کا نام لوگوں نے تاریخ رکھا ہے۔

چونکہ انسان اپنے اختیار و ارادے کے محدود دائرے میں مجبور نہیں کیا گیا لہٰذا اس کے نیک و بد اعمال ارادی کی ذمہ داری بھی اُسی پر عائد ہوتی ہے اور نتائج اعمال خدائے تعالیٰ

کے قانونِ مکافات کی بموجب اس زندگی یا دوسری زندگی میں سزا یا جزا کے طور پر اس کے سامنے آجاتے ہیں۔ احکام الٰہیہ یا ہدایات شرعیہ کی تعمیل کرنے یا نہ کرنے میں انسان مختار ہے اور اُس کا نظامِ اخلاق یا نظامِ تمدن یا قانونِ خلافت کو بگاڑ کر اپنا اختراعی قانونِ سلطنت جاری کرنا کوئی تعجب اور حیرت کی بات نہیں ہے۔ جس طرح ایک شخص کی زندگی میں، بچپن، لڑکپن، نوجوانی، جوانی، کہولت، بڑھاپا وغیرہ بہت سے مدارج ہوتے ہیں اسی طرح ایک قوم کی مجموعی زندگی میں بھی یہ سب مدارج پائے جاتے ہیں اور اسی طرح نسل انسانی کی مجموعی زندگی میں بھی ان مدارج کا پتہ چلتا ہے۔ پس نسل انسانی یا کسی قوم کے مختلف مدارج میں مختلف اقسام کے نظامات سلطنت ہادیانِ برحق کے ذریعہ یکے بادیگرے کارفرما ہوتے رہے لیکن انسان کی غلط کاریوں نے جس طرح نئے قابلِ عمل قانون کو تسلیم کرنے سے انکار کیا اسی طرح پُرانے قابلِ ترک قانون کو چھوڑ دینے میں تامل کیا۔ کبھی آنکھیں بند کر کے اپنی خواہشات نفسانی کے پیچھے ہولیا۔ اور کبھی بیجا محبت اور کبھی بیجا عداوت کے سبب راہِ راست سے منحرف ہوگیا۔ اور اس کارگاہِ عالم میں ایک کشمکش برپا کرتا ہوا آج تک کے مدارجِ ارتقا طے کر سکا ہے۔

جن سلطنتوں کو دنیا میں عموماً مذہبی یا دینی سلطنتیں سمجھا گیا ہے مثلاً یہودیوں کی سلطنت شام و فلسطین۔ عیسائیوں کی سلطنت جو قسطنطین نے قائم کی۔ مجوسیوں کی سلطنت جو گشتاسپ اور اُس کے جانشینوں کے ذریعہ ایران میں قائم ہوئی۔ بودھوں کی سلطنت جو مہاراجہ اشوک اور کنشک وغیرہ نے قائم کیں۔ موجودہ زمانہ میں تبت کے لامہ گروکی حکومت یا مسلمانوں کی سلطنت جو خاندان بنو اُمیہ کے زمانہ سے خاندان عثمانیہ تک قائم رہی یہ ہرگز خالص مذہبی سلطنتیں نہ تھیں اس لیے کہ ان سلطنتوں کے اصولی نظامات میں انسانی تصرفات کو بہت کچھ دخل تھا۔ البتہ یہودیوں میں بارہ سرداروں کی حکومت۔ یا ملک طالوت اور حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام

کی سلطنت یا مسلمانوں میں خلافت راشدہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی سلطنت کو مذہبی سلطنت کہا جاسکتا ہے۔

خلافت یا مذہبی سلطنت کا قائم و باقی رکھنا نوع انسان کا اختیاری کام ہے اور مذہبی سلطنت کا اصولی نظام ہادیٔ برحق اور ہدایت نامۂ الٰہی کے ذریعہ بہم پہنچا دینا خدائے تعالیٰ کا کام ہے۔ چنانچہ دنیا میں مذہبی نظامات کتب سماویہ اور تعلیم الٰہیہ کے ذریعہ ہمیشہ موجود رہے اور جب کسی کتاب سماوی کے مسخ و منسوخ ہونے کے سبب نظام سلطنت بھی مسخ و منسوخ ہوا تو خدائے تعالیٰ نے نئے ہادیٔ برحق کے ذریعہ نئی کتاب اور نیا نظامِ سلطنت بھیجدیا۔ اس الٰہی نظامِ سلطنت کو زیر عمل لانا یا نہ لانا انسان کے اعمال اختیاری سے تعلق رکھتا ہے اسی لیے الٰہی سلطنت یا مذہبی سلطنت کا موجود ہونا ضروری نہیں۔ ہاں! ہدایت نامۂ سماوی اور اس کے ذریعہ قانون و نظام حکومت کا موجود و محفوظ ہونا ازبس ضروری ہے۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْنَ ۝ (الحجر-۱)	یقیناً ہمیں نے اس ہدایت نامہ کو نازل کیا ہے اور یقیناً ہم ہی اس کی حفاظت کرنیوالے ہیں۔

فطرتِ انسانی اور قانونِ سلطنت

اس حقیقت کو تسلیم کرانے کے لیے کسی دلیل کی مطلق ضرورت نہیں کہ مالک کو اپنے مملوکات میں ہر قسم کے تصرف کا حق حاصل ہوتا ہے۔ چونکہ خدائے تعالیٰ تمام موجودات و مخلوقات کا مُبدع، خالق اور رب ہے لہٰذا وہی ہر چیز کا حقیقی مالک اور سب اُسکی مخلوق و مملوک ہیں۔ مخلوقاتِ عالم میں انسان بھی اُس کی مخلوق اور مملوک ہے لیکن انسان کو خدائے تعالیٰ نے ایک حد تک شرف و برتری عطا فرما کر باقی اشیاء کو اس کا خادم بنادیا ہے لہٰذا انسان کو بھی خدمت لینے کے حق و اختیار کی وجہ سے عارضی طور پر جمادات و

نباتات وحیوانات کا مالک کہا جاسکتا ہے۔ اشیائے کائنات حقیقی طور پر خدائے تعالیٰ کی اور عارضی طور پر انسان کی مملوک ہیں اور اسی لیے اِن میں انسانی تصرفات کی بھی گنجائش ہے۔ خدائے تعالیٰ حقیقی مالک ہونے کی وجہ سے اشیائے کائنات میں جو چاہتا ہے تصرف فرماتا ہے اور ہر چیز اُس کے قانونِ قدرت میں جکڑی ہوئی نظر آتی ہے۔ عارضی مالک ہونے کی وجہ سے دوسرا عارضی تصرف انسان بھی ان اشیا میں کرسکتا اور کرتا رہتا ہے۔ نوعِ انسان کو خدائے تعالیٰ نے اپنی کسی مخلوق کا خادم نہیں بنایا۔ اور انسان پر کسی کو حقِ ملکیت حاصل نہیں لہٰذا انسان صرف خدائے تعالیٰ ہی کا مملوک ہے۔ چونکہ اشیائے کائنات میں حقیقی و عارضی دونوں قسم کی مملوکیت مجتمع ہے یعنی وہ خدائے تعالیٰ کی مملوک و محکوم ہونے کے ساتھ ہی عارضی طور پر انسان کی بھی مملوک و محکوم ہوسکتی ہیں لہٰذا اس دو گونہ اضطراری فرمانبرداری کے ہوتے ہوئے اُن پر خدائے تعالیٰ نے کوئی اختیاری فرمانبرداری لازم نہیں کی اور انسان جو صرف خدائے تعالیٰ ہی کا خاص مخلوق ہے اُس پر عبادت یعنی اختیاری فرمانبرداری لازم کردی انسان اپنے کمال کو اسی حالت میں پہنچ سکتا ہے کہ وہ خدائے تعالیٰ اپنے حقیقی مالک کی کامل فرمانبرداری بجالائے اور کسی دوسرے کو اپنا مالک و مطاع نہ ٹھہرائے۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ (بنی اسرائیل۔ ۳)	اور تیرے رب نے فیصلہ کردیا ہے کہ اُس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔
يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ	اے لوگو اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور اُنہیں جو تم سے پہلے تھے پیدا کیا تاکہ تم پرہیزگار رہو۔ وہ رب کہ جس نے زمین کو تمہارے لیے قرارگاہ بنایا اور آسمان کو بڑی عمارت اور اوپر سے پانی اُتارا پھر اُس کے ساتھ تمہارے لیے پھلوں سے رزق نکالا پس تم

فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ اللہ کے لیے ہمسر نہ ٹھہراؤ۔ حالانکہ تم جانتے ہو۔
(البقرۃ ۔۳)

یہیں سے یہ بات بھی بآسانی سمجھ میں آسکتی ہے کہ ہر الٰہی مذہب نے شرک کو سب سے بڑا گناہ اور ظلم عظیم کیوں قرار دیا ہے اور اسی سے یہ حقیقت بھی ذہن نشین ہو سکتی ہے کہ انسان جو خالقِ عالم اور مالک حقیقی کا خصوصی مملوک ہے اُس کو کوئی دوسرا اپنا مملوک و محکوم بنانے کا حق نہیں رکھتا۔ جب انسان کسی کا مملوک نہیں تو کوئی دوسرا اس کے لیے قانون یا مجموعۂ احکام بنا کر اس پر نافذ نہیں کر سکتا یعنی انسان پر کسی دوسرے کو حکومت کا حق حاصل نہیں۔

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ ۝ (الانعام ۔۷) — حکم تو صرف اللہ ہی کا ہے وہ حق حق بیان فرماتا ہے اور وہ سب فیصلہ کرنیوالوں سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

لَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا (الکہف ۲) — وہ (خدائے تعالیٰ) اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (یوسف ۵) — حکومت تو بس ایک اللہ ہی کی ہے اُس نے حکم دیا ہے کہ صرف اُسی کی پرستش کرو یہی دین کا سیدھا راستہ ہے۔ مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔

فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ (المومن ۔۲) — پس حکم تو اُس اللہ ہی کا ہے جو عالی شان اور سب سے بڑا ہے

انسان چونکہ جمادات، نباتات، حیوانات وغیرہ کا عارضی مالک ہے لہذا وہ ان سب کے متعلق تصرف اور حکومت کا حق رکھتا اور سب کے لیے قانون وضع کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ اُس کے وضع کردہ قوانین قانونِ قدرت اور اشیائے مذکورہ کے فطری تقاضوں سے متصادم نہ ہوں اور اسی لیے الٰہی مذاہب میں انسان کے اس جائز تصرف و تقنین کو جرم قرار نہیں دیا گیا۔ لیکن چونکہ ہر ایک انسان خدائے تعالیٰ کا خصوصی مملوک ہونے کے سبب ایک دوسرے کے مساوی حقوق رکھتا ہے لہذا کسی ایک یا چند انسانوں کو یہ حق حاصل نہیں

ہوسکتا کہ وہ دوسرے انسانوں کے لیے کوئی واجب العمل قانون بنائیں اور خدائے تعالیٰ کے مملوک خاص کو اپنا مملوک بنا سکیں بلکہ ہر انسان خدائے تعالیٰ کا خصوصی مملوک ہونے کے سبب خدائے تعالیٰ ہی کے قانون کا متبع ہوسکتا ہے۔ یہ بھی بدیہی بات ہے کہ خالق ہی کو مخلوق کے متعلق کامل علم حاصل ہوتا ہے جو خالق نہیں وہ علیم کامل بھی نہیں ہے جو جس چیز کا عالم ہوتا ہے وہی اُس چیز کے متعلق قانون بنا سکتا ہے مثلاً ایک رنگریز ہی بتا سکتا ہے کہ کس کس رنگ کے ملانے سے کون کون سا رنگ تیار ہوسکتا ہے۔ ایک موچی یا لوہار نہیں بتا سکتا۔ خدائے تعالیٰ چونکہ انسان اور فطرت انسانی کا خالق ہے لہذا وہی انسان کی صلاح و فلاح کے لئے کامل و بے عیب قانون بنا سکتا ہے انسان خود اپنے لیے غلطی سے پاک قانون نہیں بنا سکتا۔ بس اُس حکومت یا اُس نظامِ سلطنت میں جس کے اندر انسانوں کا بنایا ہوا قانون انسانوں پر نافذ و عامل ہو انسان کو جو صرف خدائے تعالیٰ ہی کا خصوصی مملوک ہے غیر خدا کا مملوک بننا پڑیگا اور اسی لیے ایسی حکومت کو غیر فطری حکومت کہا جائیگا اور انسان اپنے کمالِ انسانیت تک پہنچنے سے عاجز رہیگا۔

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۔ (المائدہ۔ ۷) اور جو خدائے تعالیٰ کے نازل کردہ ہدایت نامہ کے متعلق حکم نہ دے تو ایسے ہی لوگ ظالم ہیں۔

بخلاف اس کے جس حکومت یا جس سلطنت میں خدائے تعالیٰ کا تجویز و تعلیم فرمودہ قانون نافذ و عامل ہوگا اُس کو فطری حکومت یا فطری سلطنت کہا جائیگا۔ اور اُس میں انسان کو اپنے کمالِ انسانیت تک پہنچنے کا موقع مل سکیگا۔

لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ انسان نے اپنے اختیار و ارادے کے غلط استعمال سے قانونِ الٰہی کے توڑنے اور بجائے خدا خود انسانوں کے لیے مقنن بننے کی کوشش کی اور غیر فطری سلطنتیں اور حکومتیں قائم کیں اور مساوات انسانی کو برباد کر کے ظلم و عصیان کا مرتکب ہوا سلطنت خواہ فطری و مذہبی ہو خواہ غیر فطری و دنیوی۔ طاقت کے بغیر سلطنت کا مفہوم کامل

نہیں ہوتا اور کوئی بھی نظامِ سلطنت ہو بلا طاقت نافذ و عامل نہیں ہوسکتا۔

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ (البقرۃ-۳۳)

اور اگر اللہ بعض لوگوں کے ذریعہ بعض کو نہ ہٹاتا رہے تو ملک درہم برہم ہوجائے لیکن اللہ دنیا کے لوگوں پر بڑا مہربان ہے۔

جب تک کہ انسان اپنے آزاد اور بے لگام اختیار و ارادے کا مالک ہے اور جب تک کہ ایک انسان موقع پاکر دوسرے انسان کے حقوق و مفاد پر غاصبانہ قبضہ اور عدل و مساواتِ انسانی کو درہم برہم کرنے کی کوشش کرسکتا ہے اُس وقت تک قیامِ سلطنت کی ضرورت بھی رہیگی اور سلطنت کے لیے طاقت بھی لازمی چیز سمجھی جائیگی سلطنت کی ضرورت انسان کی ایک فطری ضرورت ہے اور سلطنت کے لیے طاقت کی ضرورت بھی فطری ضرورت ہے فطرتِ انسانی میں خدائے تعالیٰ نے جو جذبات و خواص رکھے ہیں وہ اپنے صدور و اظہار میں اُس قدرتی دریا کی طرح ہوتے ہیں جو طغیانی کے وقت کبھی ایک کنارے اور کبھی دوسرے کنارے کو کاٹتا چلا جاتا ہے۔ انسانی جذبات بھی اپنی آزاد اور بے لگامی کی حالت میں کبھی افراط اور کبھی تفریط کی طرف مائل ہوکر انسان کے لیے موجب ہلاکت بن سکتے ہیں سلطنت کے ذریعہ اِن جذبات کے قدرتی دریاؤں کو صاف، سیدھی اور خوبصورت نہروں کی شکل میں تبدیل کرکے زیادہ مفید و کارآمد بنانے کی کوشش بھی عمل میں آتی ہے سلطنت اور نظامِ سلطنت کا اصل مقصود نوعِ انسانی میں عدل و مساوات کا قائم و باقی رکھنا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ عدل قانونِ الٰہی اور ہدایت نامۂ الٰہی کے ذریعہ ہی کماحقہ قائم ہوسکتا اور باقی رہ سکتا ہے۔ انسانوں نے جب کبھی عدل و مساوات قائم کرنے کے لیے ہدایت نامۂ الٰہی سے بے نیاز و بے تعلق ہوکر نظامِ سلطنت بنایا اُس میں ضرور غلطیاں ہوئیں، اور جس انسان یا انسانوں کی جس جماعت نے جب کبھی قیامِ عدل کی ضرورت جتاکر انسانوں سے طاقت حاصل کی اُس طاقت کو بجائے حفاظتِ عدل بربادیٔ عدل اور قیامِ ظلم میں صرف کیا۔ لہٰذا ہم کو آئندہ

اپنے اس سلسلۂ غور و فکر میں انسان کی اِسی کجروی اور اسی قسم کی گمراہیوں کا کھوج لگاتا ہے جو اُس سے غیر فطری سلطنتوں کے قائم کرنے میں سرزد ہوئی ہیں اور جن کی بدولت صفحات تاریخ میں کہیں مظلوموں کے نالۂ و شیون اور آہ و بکا کا شور برپا ہے کہیں خاک و خون میں لاشیں تڑپ رہی ہیں کہیں لوٹے کھسوٹے ہوئے مکانوں سے آگ کے شعلے بلند ہو رہے ہیں کہیں پُررونق بستیوں کو برباد کر کے اُن میں ہل چلائے جا رہے ہیں... اور کلہ منار تعمیر ہو رہے ہیں۔ اس پُرہیبت تماشے کی تہ میں جو عبرت و بصیرت کے دریا بہہ رہے ہیں آؤ پہلے اُنہی میں غوطہ لگا کر تازہ دم ہو جائیں۔
لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ (یوسف۔۱۲) اس میں شک نہیں کہ عقل والوں کے لیے ان کے حالات میں بڑی عبرت ہے۔

مقصدِ زندگی اور غیر مذہبی تہذیب و تمدّن

انسان کی فطرت، انسان کے جذبات، انسان کی خواہشات، انسان کی دماغی و قلبی استعدادیں، انسان کا خلاصۂ موجودات ہونا انسان کی خدمت گذاری کے لیے تمام مخلوقات کا کمربستہ رہنا انسان کی اُمیدوں اور آرزوؤں کے سلسلے کا لامتناہی ہونا۔ انسان کا مرتے دم تک اپنی بقا کے خیال و تصور سے جُدا نہ ہونا دلیل اس بات کی ہے کہ یہ صرف اِس دنیوی محدود و مختصر زندگی بسر کرنے کے لیے پیدا نہیں کیا گیا۔ اگر انسانی زندگی کا مقصد صرف اسی قدر ہوتا کہ اس دنیا میں انسان چند روز کے لیے کھانے پینے پہننے اور عیش کرنے کے بعد فنا اور نابود ہو جائے تو اتنی سی غرض کے لیے وہ کائناتِ عالم کا مخدوم نہیں بنایا جا سکتا تھا اس لیے کہ اس دنیوی زندگی اور دنیوی زندگی کے عیش و راحت میں اکثر دوسرے جانوروں کو اُس پر فوقیت حاصل ہے۔ ہاتھی اُس سے زیادہ جسیم، شیر اُس سے زیادہ طاقتور، ہرن اور چیتا اُس سے زیادہ سریع السیر پرندے اُس سے زیادہ بلند پرواز، خرگوش اُس سے زیادہ نیند کا مزہ لینے والا۔ سور اور کتا اُس سے زیادہ شہوت ران، چوپائے اُس سے زیادہ کھانے پینے والے، طاؤس اُس سے زیادہ

خوش پوشاک اور گدھا اُس سے زیادہ عمر پلنے والا ہے۔ انسان اگر اس حیاتِ دنیوی اور اس دنیا کی آنی و فانی راحتوں ہی کو اپنا نصب العین اور مطمح نظر ٹھہرالے تو یہ اُس کی انتہائی نادانی اور تباہی ہے۔ اُس کی روح کے لیے اصل راحت تو اس دنیوی زندگی کے بعد حاصل ہوسکتی اور اُس دوسرے ہی جہان میں اُس کو حقیقی اطمینان، حقیقی سرور اور حقیقی سکون میسر آسکتا ہے۔ یہ دنیا اور اس کی نعمتیں اور اس دنیا کی راحتیں وہی حیثیت رکھتی ہیں جو مسافر کے لیے سرائے کی سہولتیں۔ دنیوی نعمتوں کا باندازِ مناسب اور بقدرِ واجب حاصل کرنا اور دائمی زندگی اور دائمی راحت کے حصول کا ذریعہ بنانا عین دانائی اور مقصد وری ہے۔ دنیا کی راحتوں اور نعمتوں کا حاصل کرنا ہرگز عیب نہیں ہے کیونکہ نعمائے دنیا انسان ہی کے لیے پیدا کی گئی ہیں۔ ہاں ان دنیوی نعمتوں کے حصول ہی کو نصب العین اور منتہائے کمال قرار دے لینا عیب ہے۔ انسان کا نصب العین آخرت کی کامرانی اور دائمی زندگی کی دائمی راحت کا حصول ہونا چاہیئے۔

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۚ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ۚ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ (النحل - ۴)	جن لوگوں نے دنیا میں اچھے کام کیے اُن کو دنیا میں بھی بھلائی ملیگی اور اس میں شک نہیں کہ آخرت کا گھر دنیا سے اچھا ہے اور پرہیزگاروں کا گھر بہت عمدہ ہے
فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً (النحل - ۱۳)	پھر ہم ضرور اُس کو اچھی اور آرام کی زندگی بسر کرائیں گے۔

لیکن انسان نے اپنی زندگی کا مقصد غلط اور نہایت ذلیل یعنی اسی محدود و مختصر دنیوی زندگی کی راحت قرار دیکر اپنی تمام تر ہمت دنیوی اغراض کے حصول اور خواہشاتِ نفسانی کے پورا کرنے میں محدود و محصور کر دی جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اخلاق فاضلہ سے محروم و مہجور ہو کر خود غرضیوں، بے انصافیوں اور پست ہمتیوں کا شکار بن گیا اور دنیوی راحتیں بھی حاصل نہ کرسکا اور اُس کی یہ دنیوی زندگی بھی حقیقی مسرتوں اور سچی راحتوں سے آباد و معمور نہ ہوسکی۔

یہ دنیا چوں درآید آدمی بدبخت میگردد ہوا چوں درمیان مشک آید سخت میگردد

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُم بِهَا فِي الْحَيَوٰةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ ۝ (التوبہ - ۷)

اس میں شک نہیں کہ خدا اُن کو مال و اولاد کی وجہ سے دنیا ہی میں مبتلائے عذاب رکھنا چاہتا ہے اور یہ کہ جب اُن کی جان نکلے تو وہ کافر ہی ہوں۔

فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَوٰةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُم بِاللَّهِ الْغَرُورُ (لقمان - ۴)

پس یہ دُنیا کی زندگی تم کو دھوکا نہ دے اور کہیں شیطان تم کو اپنے فریب میں نہ لے آئے۔

انسان نے عالمِ آخرت اور حیات بعد الممات سے غافل ہو کر اپنی دنیوی زندگی کو خوبصورت اور دلربا بنانے کے لیے جو جو آئینِ معاشرت و قوانین تمدن اور مراسم اخلاق اپنی عقلِ ناتمام اور فہم نافرجام سے اختراع و ایجاد کیے انہوں نے اس کی اس دنیوی زندگی کو اور بھی زیادہ بد صورت اور زیادہ سے زیادہ پُرمصائب بنا دیا اور اس کو زبانِ حال سے کہنا پڑا کہ ؎

منتِ اکسیر مارا زندہ زیرِ خاک کرد از طلا گشتن پشیمانیم ما را مس کنید

گزشتہ قدیم زمانے کے آئین و قوانین کی خرابیوں کو ہم اس لیے زیادہ بُرا اور قابلِ ملامت نہیں کہہ سکتے کہ اُس قدیم زمانے کے پورے پورے حالات ہماری آنکھوں سے اوجھل ہیں قدیم زمانے کے جو مراسم و قوانین آج ہم کو نامناسب معلوم ہو رہے ہیں ممکن ہے کہ اُس زمانے میں یہی سب سے زیادہ اچھے اور مستحقِ ستائش قوانین ہوں اور ہو سکتا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے ہادیانِ برحق کے ذریعہ انہی قوانین پر عمل پیرا ہونے کی ہدایت کی ہو اور ہو سکتا ہے بلکہ یقیناً ایسا ہی ہے کہ یہ قدیم زمانے کے قوانین ہم تک اپنی اصلی حالت میں نہیں پہنچے اِن میں بہت کچھ انسانی تصرف اور ردّ و بدل ہو چکا ہے اور پست فطرت مذہبی پیشواؤں نے اِن کو مسخ کر دیا ہے لیکن ہمارے سامنے آج یورپ و امریکہ کی تہذیب اور اِن ملکوں میں رہنے والی اور مہذب کہلانے والی قوموں کے اخلاقی و معاشرتی مراسم و آئین موجود ہیں اور ہم کو معلوم ہے کہ دین و مذہب سے بے تعلق ہو کر یہ قومیں اپنی تہذیب معاشرت کے قوانین خود مرتب کر رہی ہیں اور اُخروی زندگی سے قطعاً غافل ہو کر اسی دنیوی زندگی اور اس کی راحتوں کو اپنا نصب العین بنا چکی ہیں۔

ان مہذب کہلانے والے دنیا پرستوں نے مذہب کا نام دیوانگی اور خدا کا نام لینے والوں کو مجنون قرار دے لیا ہے۔

ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوا مُعَلَّمٌ مَّجْنُونٌ ۝ (الدخان - ۱)

پھر انہوں نے اپنے سچے ہمدرد کی طرف سے منہ پھیرا اور کہا کہ یہ تو کسی کا سکھایا ہوا اور دیوانہ ہے۔

اِن مہذب قوموں اور اِن مہذب ملکوں میں ان کی خود ساختہ تہذیب نے انسان کی فطری آزادی کے گلے پر ایسی چھری پھیری ہے کہ ان آزادی کے مدعیوں سے زیادہ کوئی بھی غلامی کی حالت میں جکڑا ہوا نہیں پایا جاتا۔ ان کا چلنا پھرنا، ان کی نشست و برخاست، اِن کا لباس، ان کی گفتگو، ان کے دوستانہ مراسم، ان کی مہمان نوازی، اِن کا سونا، ان کا بیدار ہونا، ان کا مکان، ان کا اسباب خانہ داری۔ ان کی غذائیں، ان کا مصافحہ، ان کا چہرہ کو بنانا، اِن کے آدابِ مجلسی۔ غرض ان کی خالص دنیوی زندگی کا کوئی گوشہ اور کوئی حصہ ایسا تلاش نہیں کیا جا سکتا جس کے متعلق کثیر التعداد بے مقصد و اذیت رساں قوانین نہ ہوں اور اُن کی پابندی اُن کی خود ساختہ نامعقول تہذیب نے لازمی وضروری قرار نہ دی ہو۔ بے مغز قوانین کی اذیت رساں پابندیوں نے جس قدر ان اقوام و ممالک کو مقید و مجبور بنا رکھا ہے مذہب اُس سے آدھی تہائی پابندیاں بھی اُن پر عائد نہیں کرتا اور مذہبی پابندی فطرتِ انسانی کو مجروح و زخمدار بنانے والی نہ تھی بلکہ فطری مسرتوں کو بڑھانے والی تھی۔ حیرت ہوتی ہے کہ اِن نام نہاد آزادی پسند احمقوں نے مذہب کی پیش کردہ پابندیوں کو تسلیم کرنے سے انکار کر کے اپنے آپ کو اُس سے بدرجہا زیادہ پابندیوں میں مبتلا کر لیا۔ ان کے مدارس علوم وفنون جن میں خدا کا نام نہیں لیا جاتا اور جہاں خدا کی یاد اور خشیت الٰہی کا کوئی سامان اور کوئی محرک نہیں پایا جاتا درحقیقت آزاد انسانوں کو غلام انسان بنانے کے کارخانے ہیں فریب، حسد، تصنع، منافقت، خود مطلبی، شہرت طلبی، جاہ پرستی کا نام اخلاق و تہذیب رکھا گیا ہے ہم اپنے ملک میں اُن ہندوستانیوں کو جو یورپ کی تہذیب کے دلدادہ، یورپی درسگاہوں

کے تعلیم یافتہ اور یورپی معاشرت کی نقل اُتارنے میں نقل کو اصل بنا دینے کا کمال حاصل کیے ہوئے ہیں دیکھتے ہیں کہ اُن کا مسکراتا ہوا چہرہ۔ اُن کا نہایت تپاک کے ساتھ اور کسی قدر کمر کو خمیدہ کر کے مصافحہ کرنا، بات بات میں لفظ شکریہ (تھینک یو) زبان پر لانا اگر کوئی حقیقت اپنے اندر رکھتا ہے تو اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ سب سے زیادہ سنگدل، سب سے زیادہ فریب باز، سب سے زیادہ منافق، سب سے زیادہ دروغ گو، سب سے زیادہ نفس پرور اور حد کے زیادہ خود غرض اور دنیا پرست ہوتے ہیں اور ظاہر ہے کہ ایک اُس شخص سے جو خدا کا روزِ جزا کا اور مذہب کا قائل نہ ہو اس کے سوا اور توقع ہی کیا ہو سکتی تھی ؎

ما مُریدان رُو بسوئے کعبہ چوں آریم چوں — رُو بسوئے خانۂ خمار دارد پیرِ ما

مذکورہ نام نہاد تہذیب نے صاف دل انسان کو منافق انسان بنانے میں اپنا اعجاز و کمال دکھایا ہے۔ رندی و سیہ کاری کے لیے سہولتیں بہم پہنچائی ہیں حقیقی پاکبازی و پاک باطنی کو عنقا بنا دیا ہے۔ فطری سادگی نمائشی بناوٹ اور تصنع کے سیلاب میں غرق ہو چکی ہے۔ علوم و فنون اگر صحیح اور مفید علوم و فنون ہوتے تو انسان کو خدائے تعالیٰ کے قریب کرتے اور خدائے تعالیٰ کی محبت اور اُس کی عبادت کا شوق دلاتے۔

إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ — خدائے تعالیٰ سے تو اُس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علمِ صحیح رکھتے ہیں۔ (فاطر - ۴)

لیکن جو علوم و فنون انسان کو خدا اور حیاتِ بعد الممات پر یقین لانے سے روکیں اور اس محدود دنیوی زندگی کی نفسانی خواہشوں پر مفتوں بنا کر سیہ کار و منافق بنانے میں مؤید ہوں اُن کو انسان کے لیے رحمت اور سامانِ راحت کسی طرح نہیں کہا جا سکتا۔ وہ جہالت اور وہ بے علمی جو انسان کو آستانۂ الٰہی پر سر بسجود بنائے اور منافقت سے بچائے اُس علم سے ہزار درجہ بہتر ہے جو انسان کو شیطانِ لعین کا کھلونا بنا کر بارگاہ الٰہی سے دور و مہجور کرنے والا ہو۔ زمانہ موجودہ کی تہذیب اور عہد حاضر کے علوم و فنون نے انسان کو مذہب سے دور پھینکنے

اور مذہبی عقائد کو فراموش کرا دینے میں جس قدر زیادہ اثر دکھایا ہے اُسی قدر یہ زیادہ لعنت کے قابل اور مستحق نفرین ہیں جس تہذیب کی دنیا میں دھوم مچی ہوئی ہے اُس نے اعلیٰ درجہ کی ایمانداری و پاکبازی کو فنا کر کے انتہائی چالاکی و فریب بازی کو ترقی دی ہے۔ بہرحال ہم کو اب سب سے پہلے عہدِ قدیم کے قوانینِ سلطنت جو تاریخی و مذہبی کتابوں کے ذریعہ دستیاب ہو سکتے ہیں مطالعہ کر لینے ضروری ہیں تاکہ اس کے بعد بآسانی اُن اسباب و علل پر بحث ہو سکے جن سے انسانی تمدن و معاشرت و اخلاق اور نظاماتِ سلطنت میں خوبیاں یا خرابیاں پیدا ہوئیں۔ پھر اس بات کا بھی بآسانی فیصلہ ہو سکیگا کہ نسلِ انسانی کے لیے سب سے بہتر اور خیر و خوبی سے ہمکنار بنانے والا کونسا نظامِ سلطنت ہو سکتا ہے اور وہ کہاں تک زیرِ عمل آسکتا ہے۔

عہدِ قدیم کے حالات کی حیثیت

یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ اس ربع مسکون پر نسل انسانی کب سے آباد ہے اور اب تک انسان کی کتنی نسلیں گزر چکی ہیں۔ تاریخ کی کتابوں۔ مذہبی روایتوں اور مشہور حکایتوں کے ذریعہ ماضی بعید کے مشتبہ اور غیر یقینی حالات جس زمانے تک کے معلوم ہو سکے ہیں وہ زمانہ اُس زمانے کے مقابلے میں جس کے متعلق ہم کو کچھ بھی معلوم نہیں ہو سکتا بہت ہی قلیل و قصیر ہے حوادثِ عالم میں سب سے زیادہ مشہور اور سب سے زیادہ قدیم طوفانِ نوحؑ کا حادثہ ہے جس کا تذکرہ عام طور پر اقوامِ عالم کی مذہبی کتابوں اور پاستانی روایتوں میں موجود ملتا ہے لیکن نوح علیہ السلام کے بعد بہت سی نسلیں گزر گئیں بہت سی حکومتیں اور سلطنتیں قائم ہوئیں بہت سے عروج و زوال نمایاں ہوئے اور عجیب عجیب انقلابات اس دنیا پر گزرے ہونگے جن کی بابت کسی کو کچھ معلوم نہیں کہ کیسی کیسی عظیم الشان قومیں پیدا ہوئیں اور فنا کے گھاٹ اُتر گئیں۔

اَلَمۡ یَاۡتِکُمۡ نَبَؤُا الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ قَوۡمِ ۔ کیا تمہارے پاس اِن لوگوں کی خبر نہیں آئی جو تم سے پہلے

نُوحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُودَ ۛ وَالَّذِينَ مِنۢ بَعْدِهِمْ ۛ لَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا اللَّهُ ۚ (ابراھیم - ۲) تھے مثلاً نوح کی قوم اور عاد و ثمود کی قوم اور اُن کی جو اُنکے بعد ہوئے اُنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

قدیم سے قدیم قوم جس کے متعلق کسی قدر تفصیل سے حالات معلوم ہو سکتے ہیں بنی اسرائیل کی قوم ہے اور بائبیل کا مجموعہ وہ تحریری دستاویز ہے جو بنی اسرائیل کے نظامِ معاشرت اور نظامِ سلطنت کا ایک خاکہ ہمارے سامنے پیش کر سکتی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام جو قوم بنی اسرائیل کے نبی تھے اور جن پر شریعت نازل ہوئی۔ چودھویں صدی قبل مسیح میں گزرے ہیں۔ ایرانیوں، مصریوں بابلیوں، چینیوں، ہندوؤں، یونانیوں اور رومیوں کو بھی اپنی قدامت کے دعوے ہیں اور اُن کے متعلق بھی محققین نے آثار و علامات کے ذریعہ کچھ کچھ بے ترتیب و غیر منضبط باتوں کا سُراغ لگایا ہے۔ ہندوستان کی ہندو اقوام ویدا ور منوسمرتی کو بائبیل ہی کی طرح اپنے قدیم صحیفے یقین کرتی ہیں۔ ایرانیوں کے مہ آبادی صحائف موجود نہیں۔ ژندو اوستا کے بھی جو اجزاء موجود ہیں بہت مشتبہ اور ناکافی ہیں جن سے کسی نظامِ حکومت کا پتہ چلانا دشوار ہے۔ مصریوں اور چینیوں کے کسی ایسے ہی قدیم صحیفے کا جو مستند مانا گیا اور صحیفۂ سماوی سمجھا گیا ہو پتہ نہیں چلتا۔ یونانیوں اور رومیوں کے متعلق سکندر اور اُس کے قریبی زمانے کی تصانیف سے کچھ کچھ حالات معلوم ہو سکتے ہیں ان تصانیف کی مسلمانوں کے شوقِ علم نے بہت کچھ حفاظت عربی تراجم کے ذریعہ کی اور یورپ والوں کے ذریعہ اُن تک رسائی دشوار نہیں رہی بہر حال مذکورہ اقوام و ممالک کے متعلق نہ زمانے کے اعتبار سے کوئی باترتیب اور قابل اعتماد سلسلۂ مضامین پیش کیا جا سکتا ہے اور نہ مطالب کے اعتبار سے کوئی مسلسل اور مرتب سامان مطالعہ کے لیے پیش ہو سکتا ہے تاہم جو کچھ دستیاب ہو سکتا ہے آئندہ فصلوں میں آتا ہے۔

اقوام نے عموماً اپنی قدامت کو موجب فخر سمجھ کر غالباً دانستہ زمانے اور وقت کے حساب میں تاریخِ قدیم کو بہت ہی زیادہ پیچیدہ و ژولیدہ بنا دیا ہے اور جہاں تک روایات کا تعلق

ہے ہر قدیم واقعہ کی نسبت زمانے کا صحیح تعین قریباً ناممکن معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً عہدِ حاضر کا ایک ہندوستانی آریہ مورخ جو انگریزی زبان کی تاریخوں سے بھی واقف اور فارسی زبان کی کتابوں سے بھی اپنے آپ کو باخبر ظاہر کرتا ہے اپنی کتاب میں نہایت اطمینان ویقین کے ساتھ لکھتا ہے کہ منوسمرتی بارہ کروڑ سال پہلے کی تصنیف ہے (دیکھو کلیات آریہ مسافر صفحہ ۹ کالم ۲) الفنسٹن صاحب سابق گورنر بمبئی اپنی مشہور و معروف تاریخ ہند میں لکھتے ہیں کہ منوسمرتی کا مصنف منوجی مہاراج حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے نوسو برس پہلے گزرا ہے۔ ڈبلیو ڈبلیو ڈاکٹر ہنٹر صاحب جو امپیریل گزیٹر آف انڈیا کے ڈائرکٹر جنرل تھے اپنی تاریخ ہند میں فرماتے ہیں کہ منوسمرتی ۵۰۰ سنہ قبل مسیح میں تصنیف ہوئی ہے۔ اب فرمائیے بارہ کروڑ سال اور پانسو سال میں کس طرح تطابق و توافق پیدا کیا جائے۔ اسی طرح بعض مورخ زردشت کو ۱۲۰۰ سنہ قبل مسیح اور اس سے بھی پہلے اور بعض ۵۰۰ سنہ قبل مسیح میں بتاتے ہیں۔ ایرانیوں کا دعویٰ ہے کہ وہ کیومرث اور مہ آباد کے زمانے سے فنِ تحریر کے ماہر چلے آتے ہیں اور اُن کے مہ آبادی صحائف سکندر کے زمانے تک سب محفوظ و مدوّن و موجود تھے۔ ابن ندیم فرماتے ہیں کہ گشتاسپ بن لہراسپ سے پہلے ایرانی لکھنے پڑھنے کی اہلیت ہی نہیں رکھتے تھے اور عجیب بات ہے کہ آثارِ قدیمہ اور مفتشینِ یورپ کی تفتیش بھی ابن الندیم کے بیان کی ایک حد تک مُصدِّق ہے۔

فَتَقَطَّعُوٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝ فَذَرْهُمْ فِيْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ (المؤمنون ۴)	پھر اُنہوں نے اپنے معاملے کو آپس میں قطع کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ ہر ایک گروہ اُسی سے جو اُس کے پاس ہے خوش ہے پس اُنہیں ان کی جہالت میں ایک مدت تک چھوڑ دے

ان پاستانی حالات و حوادث کے متعلق کوئی یقینی علم حاصل نہ ہوسکنا بھی مشیتِ الٰہی کے ماتحت ہے۔ جس طرح باغبان باغ کے خشک شدہ درخت کو غیر مفید اور غیر ضروری سمجھ کر کاٹ ڈالتا اور اُس کی سوکھی ہوئی ٹہنیوں کو باغ کی باڑ میں یا بعض بیلوں کو اوپر چڑھانے اور سہارا دینے کے لیے کہیں کہیں زمین میں گاڑ دیتا ہے اسی طرح خدائے تعالیٰ نے جن کتابوں، جن صحیفوں

اور جن نظامات کو نوعِ انسان کے لیے غیر ضروری اور غیر مفید سمجھا اُن کو علیٰ حالہ قائم نہ رکھا اور آج اُن کی حالت اس سے زیادہ مختلف نہیں ہے جیسے باغ کے اردگرد خشک شدہ شاخوں کی باڑ ہوتی ہے۔ ہر ایک جھانکڑ یہ تو ظاہر کرتا ہے کہ وہ کسی زمانے میں کسی ہرے بھرے درخت کا ایک جزو تھا لیکن اب اُس سے برگ و ثمر کی کوئی توقع نہیں کیجا سکتی۔ ہاں وہ اب باغ کی حفاظت کے لیے کسی قدر دیوار کا کام دے سکتا یا ایندھن کے کام آسکتا ہے جس طرح بچپن کا لباس جوانی میں کام نہیں آسکتا اسی طرح عہدِ قدیم کے قوانین و نظامات آج دستور العمل نہیں بن سکتے۔ اور اسی لیے اُن کی حفاظت ضروری نہیں رہی۔

قدیم زمانے کے نظاماتِ حکومت قوانینِ تمدن، مراسم معاشرت اور آئینِ اخلاق میں سے بعض کا نمونہ ذیل میں اس لیے درج کیا جاتا ہے کہ اصل مدعا کے فہم میں کچھ امداد مل سکے میں اپنی تحقیق کے موافق حتی الامکان مختلف اقوام و ممالک کے مراسم و قوانین ترتیبِ زمانی کے اعتبار سے درج کرتا ہوں۔ اقتباس اور خلاصے میں بھی انشاء اللہ تعالیٰ سعی بلیغ سے کام لیتا ہوں کہ قارئینِ کرام کے سامنے ایسا صحیح خاکہ پیش ہو جس سے اصل کا صحیح تصور قائم ہو سکے۔ اور اقتباس یا خلاصے میں کسی بے انصافی کو قطعاً دخل نہ مل سکے۔

قوانین بنی اسرائیل

اخلاق

(۱) خدائے تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی کہ "تو محنت کر کے اپنے سارے کام کاج چھ دن تک کر لیکن ساتواں دن خدائے تعالیٰ کا سبت ہے اُس میں کچھ کام نہ کر۔ تو اپنے ماں باپ کو عزت دے تاکہ تیری عمر اس زمین پر جو خداوند تیرا خدا تجھے دیتا ہے دراز ہو۔ تو خون مت کر۔ تو زنا مت کر تو چوری مت کر تو اپنے پڑوسی پر جھوٹی گواہی مت دے تو اپنے پڑوسی کے گھر کا لالچ مت کر تو اپنے پڑوسی کی جورو اور اُسکے غلام اور اُسکی لونڈی اور اسکے بیل اور اُسکے گدھے اور کسی چیز کا جو تیرے پڑوسی کی ہے لالچ مت کر" (خروج باب ۲۰)

(۲) تو جادوگرنی کو جینے مت دے جو کوئی چوپائے سے مباشرت کرے جان سے مارا جائے جو کوئی فقط خداوند کے سوا کسی معبود کے لیے قربانی کرے وہ عذاب سے مار ڈالا جائے۔ تو مسافر کو ہرگز نہ ستا اور اُس سے بدسلوکی نہ کر اس لیے کہ تم بھی زمین مصر میں مسافر تھے (خروج باب ۲۲)

(۳) تو کسی کی جھوٹی خبر مت اُڑا۔ تو ظلم کی گواہی میں شریروں کا ساتھی مت ہو۔ تو کسی جھگڑے میں لوگوں کی کثرت کے سبب اُنکی طرف مائل ہو کر ناحق مت کیجیو۔ اگر تو اپنے دشمن کے گدھے کو بے راہ جاتے دیکھے تو ضرور اُسے اُسکے پاس پہنچائیو اگر تو اپنے دشمن کے گدھے کو دیکھے کہ بوجھ کے نیچے بیٹھ گیا تو تو اُسکی مدد کر (خروج باب ۲۳)

(۴) خداوند نے موسیٰؑ کو خطاب کر کے فرمایا کہ بنی اسرائیل سے کہدے کہ میں خدا تمہارا خدا ہوں تم مصر کی زمین کے سے کام جس میں تم رہتے تھے نہ کیجیو۔ اور تم زمینِ کنعان کے سے کام جہاں میں لیجاتا ہوں مت کیجیو۔ اور تم اُن کی رسموں پر نہ چلیو۔ تم میرے حکموں پر چلو اور میرے قوانین کو حفظ کرو اور اُن پر عمل کرو کہ میں خداوند تمہارا خدا ہوں سو تم میرے قوانین و احکام پر عمل کرو کہ میں خداوند تمہارا خدا ہوں۔ (احبار۔ باب ۱۸)

(۵) تم میں سے ہر ایک اپنی ماں اور اپنے باپ سے ڈرتا رہے۔ تو بہرے کو مت کوس تو وہ چیز جس سے ٹھوکر لگے اندھے کے آگے مت رکھ۔ اپنے خدا سے ڈرتا رہ (احبار۔ باب ۱۹)

(۶) مسکین کی مسکینی پر نظر نہ کر اور بزرگ کی بزرگی کے لیے عزت نہ دے بلکہ انصاف سے اپنے بھائی کی عدالت کر اور حکومت میں بے انصافی نہ کر۔ اپنے بھائی سے اپنے دل میں بغض نہ رکھ۔ اپنے بھائی کو نصیحت کر تا کہ تو اُس کے سبب خطاکار نہ ٹھہرے تو اپنی قوم کے فرزندوں سے بدلہ مت لے اور نہ اُن کی طرف سے کینہ رکھ بلکہ اپنے بھائی کو اپنی طرح پیار کر (احبار۔ باب ۱۹)

(۷) اگر کوئی مسافر تمہاری زمین پر سکونت اختیار کرے تو تم اُس کو مت ستاؤ بلکہ مسافر کو ایسا سمجھو کہ وہ تم میں پیدا ہوا ہے اور اُسے پیار کرو جیسے آپ کو پیار کرتے ہو اس لیے کہ تم مصر کی سرزمین میں پردیسی تھے۔ (احبار۔ باب ۱۹)

(۸) کوڑھ کی بیماری کی بابت خبردار رہ اور لاوی کاہنوں کی سب باتوں پر جتنی تمہیں سکھائیں

کوشش سے نگاہ رکھ۔ اور اُن کے مطابق عمل کر جیسا میں نے اُنہیں حکم کیا ہے ویسا ہی ہوشیاری سے کیجیو۔ تو اپنے غریب اور محتاج نوکر پر ظلم نہ کر خواہ وہ تیرے بھائیوں میں سے ہو خواہ پردیسیوں میں سے جو تیری زمین پر تیرے پھاٹکوں کے اندر رہتے ہوں۔ تو اُسی دن اُن کی مزدوری دے ڈالیو یعنی غروب آفتاب سے پہلے کیونکہ وہ غریب ہے اور اُس کا دل اُسی میں لگا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ خدا سے تیری فریاد کرے اور تیرے لیے گناہ ٹھہرے۔

معاشرت

(۱) اگر کوئی کسی چھوکری کو دھوکا دیکر اور پھسلا کر اُس سے مباشرت کرے تو وہ اُسے مہر دے کر اُس سے نکاح کرے۔ اگر اُس کا باپ ہرگز راضی نہ ہو کہ اُسے اُس کو دے تو وہ کنواریوں کے مہر کے موافق اُسے نقدی دے۔ تم کسی بیوہ یا یتیم لڑکے کو دُکھ مت دو۔ اگر تو اُن کو کسی طور سے ستائیگا اور وہ مجھ سے فریاد کریں تو میں یقیناً اُن کی فریاد سنونگا اور میرا قہر بھڑکے گا میں تجھے تلوار سے مار ڈالونگا اور تیری بیویاں رانڈ اور تیرے بچے لاوارث ہو جائیں گے۔ تم میرے پاک لوگ ہو درندوں کا پھاڑا ہوا گوشت جو میدان میں پڑا ہو مت کھائیو۔ تم اُسے کتوں کو دیجیو (خروج۔ باب ۲۲)

(۲) تو ہدیہ نہ لینا کیونکہ ہدیہ دانشمندوں کو اندھا کرتا ہے اور صادقوں کی باتوں کو پھیر دیتا ہے اور مسافر کو بھی تصدیع مت دیجیو کیونکہ تم مسافر کے دل کو جانتے ہو اس لیے کہ تم خود بھی زمین مصر میں مسافر تھے۔ چھ برس زمین میں کھیتی کر اور اُس سے جو پیدا ہو جمع کر پر ساتویں برس اُسے چھوڑ دے کہ پڑتی رہے تاکہ تیری قوم کے مسکین اُسے کھائیں اور جو اُن سے بچے میدان کے چارپائے چریں ایسا ہی تو اپنے انگور اور زیتون کے باغ کا معاملہ کیجیو۔ چھ دن تک اپنا کاربار کرنا اور ساتویں دن آرام کیجیو تاکہ تیرا بیل اور تیرا گدھا بھی آرام پائیں اور تیری لونڈی کا بیٹا اور مسافر تازہ دم ہو جائیں۔

(خروج باب ۲۳)

(۳) خداوند نے موسیٰؑ اور ہارونؑ کو خطاب کر کے فرمایا کہ تم بنی اسرائیل سے کہو کہ سب چارپایوں میں سے جو زمین پر ہیں اور تمہیں اُن کا کھانا روا ہے وہ یہ ہیں۔ سب چارپائے کھُر والے جن کا کھُر

چِرا ہوا ہو اور وہ جُگالی کرتے ہوں تم اُنہیں کھاؤ مگر اُن میں سے جو صرف جُگالی کرتے ہیں یا صرف کھُر اُن کے چرے ہوئے ہوتے ہیں اُن کو نہ کھاؤ جیسے اونٹ وہ جُگالی تو کرتا ہے مگر کھُر اُس کا چِرا ہوا نہیں ہوتا۔ سو وہ تمہارے لیے ناپاک ہے اور خرگوش کہ وہ جگالی تو کرتا ہے پر اُس کا کھُر چِرا ہوا نہیں ہے وہ بھی تمہارے لیے ناپاک ہے اور سور کہ کھُر اُس کا دو حصے ہوتا ہے مگر وہ جگالی نہیں کرتا وہ بھی تمہارے لیے ناپاک ہے تم اُس کے گوشت میں سے کچھ نہ کھاؤ اور اُن کی لاشوں کو نہ چھوؤ کہ یہ تمہارے لئے ناپاک ہیں (احبار۔ باب ۱۱)

(۴) اُن سب میں سے جو پانیوں میں ہیں جن کا کھانا تمہیں روا ہے یہ ہیں سب وہ جانور جن کے پر ہوں اور چھلکے ہوں سمندروں میں ہوں یا نہروں میں تم اُنہیں کھاؤ لیکن وہ سب جانور جن کے پر نہ ہوں اور نہ چھلکے ہوں سمندروں میں ہوں یا نہروں میں۔ وہ سب جو پانی میں رینگتے ہیں اور وہ سب حیوان جو پانی میں رہتے ہیں وہ تمہارے لیے مکروہ ہیں۔ اور پرندوں میں سے جن سے تم گھن کرو اور نہ کھاؤ اس لیے کہ وہ مکروہ ہیں یہ ہیں گدھ، عقاب، چیل، شاہین۔ اور ان کی تمام اقسام، شتر مرغ، اُلو، کویل، باز اور ان کی تمام اقسام۔ کوّے اور اُن کی تمام اقسام، راج ہنس، چوہے مار، حواصل، لق لق، بگلا، ہُدہُد، چمگادڑ رینگنے والوں میں سے جو زمین پر رینگتے ہیں تمہارے لیے ناپاک ہیں، چھچھوندر، چوہا، گوہ اور اس کی اقسام حرام ہیں چھپکلی، گرگٹ وغیرہ بھی حرام اور تمہارے لیے ناپاک ہیں (احبار۔ باب ۱۱)

(۵) خداوند نے موسیٰ سے فرمایا کہ بنی اسرائیل سے کہدو کہ جو عورت حاملہ ہو اور لڑکا جنے وہ سات دن جیسے حیض کے دنوں میں وہ رہتی ہے ناپاک ہوگی اور آٹھویں دن لڑکے کا ختنہ کیا جائے اور بعد اس کے وہ اپنے آپ کو لہو سے پاک کرنے کے لیے تینتیس ۳۳ دن ٹھہری رہے اور کسی مقدس چیز کو نہ چھوئے اور اگر وہ لڑکی جنے تو دو ہفتے حیض کی طرح ناپاک رہیگی اور چھیاسٹھ دن اپنے آپ کو خون سے پاک کرنے کے لیے ٹھہری رہیگی اور جب اُس کے پاک ہونے کے دن بیٹے خواہ بیٹی کے لیے آئیں تو وہ ایک سالہ برہ سوختنی قربانی کے لیے اور بچہ کبوتر یا قمری خطا کی قربانی کے لیے جماعت کے خیمے کے دروازے پر کاہن کے پاس لائے اور وہ اُسے خداوند کے سامنے گزرانے (احبار۔ باب ۱۲)

(۶) تم اپنے سروں کے گوشے مت مونڈو اور اپنی داڑھی کے کونوں کو مت بگاڑو، تم کسی کے مرنے سے اپنے بدنوں کو نہ چیرو اور اپنے اوپر گودنے سے نشان نہ بناؤ۔ تم اُن کی طرف جن کا دوست شیطان ہے توجہ نہ کرو اور نہ جادوگروں کے طالب ہو کہ اُن کے سبب ناپاک ہو جاؤ گے۔ تو اس کے آگے جس کا سر سفید ہو اُٹھ کھڑا ہو اور بوڑھے مرد کو عزت دے اور اپنے خدا سے ڈر۔ تم حکومت کرنے میں، پیمائش کرنے میں، تولنے میں، ناپنے میں بے انصافی نہ کرو۔ چاہیے کہ تمہاری پوری ترازو اور پوری پسیری اور پوری دس سیری ہو۔ (احبار۔ باب ۱۹)

(۷) جو کوئی اپنے باپ یا اپنی ماں پر لعنت کرے وہ مار ڈالا جائیگا۔ اُس کا خون اُسی پر ہے۔ (احبار۔ باب ۲۰)

(۸) جو کوئی اپنے خدا پر لعنت کریگا اپنے گناہ کو اُٹھائیگا اور وہ جو خدا کے نام پر کفر بکیگا جان سے مارا جائیگا۔ ساری جماعت اُسے سنگسار کریگی خواہ مسافر ہو خواہ دیسی ہو جب اُس نے خدا کے نام پر کفر کہا تو جان سے ضرور مارا جائیگا۔ (احبار۔ ۲۴)

(۹) جب تو اپنے ہمسایے کے تاکستان میں داخل ہو تو تو جتنے انگور چاہے اپنی خوشی سے کھا لیکن اپنے برتن میں نہ رکھ۔ جب تو اپنے ہمسایے کے کھیت میں ہو تو تو اپنے ہاتھ سے بالیں توڑ مگر اپنے بھائی کا کھیت درانتی سے مت کاٹ (استثنا۔ ۲۳)

(۱۰) اگر کوئی اپنی بیوی کو طلاق دے اور وہ جا کر کسی دوسرے مرد سے شادی کرلے اور اور پھر وہ بھی اُسے طلاق دیدے یا شادی کے بعد وہ دوسرا مرد فوت ہو جائے تو پہلا خاوند پھر اُس سے شادی نہ کرے۔ جب کسی کا نیا بیاہ ہوا ہو تو وہ جنگ کے لیے نہ نکلے اور نہ اُس پر کسی کام کا بوجھ ڈالا جائے بلکہ سال بھر اپنے گھر میں فارغ رہے اور اپنی بیوی کی خاطر کرے (استثنا۔ باب ۲۴)

انسداد زنا

(۱) تو مرد کے ساتھ جس طرح عورت کے ساتھ سوتا ہے مت سو یہ مکروہ ہے۔ تو کسی حیوان

سے زِنانہ کرکہ تو اپنے آپ کو گندہ کریگا۔ تم اِن باتوں میں سے کسی میں اپنے آپ کو آلودہ نہ کرو کہ ان کاموں سے وہ قومیں جنہیں میں تمہارے آگے نکالتا ہوں ناپاک ہوئیں (احبار۔ باب ۱۸)

(۲) زانی اور زانیہ کے کوڑے لگاؤ (احبار، باب ۱۹)

(۳) جو شخص دوسرے کی بیوی کے ساتھ زنا کرے تو زنا کرنے والا اور زنا کرانے والی دونوں قتل کیے جائیں۔ مرتکبِ لواطت کو قتل کیا جائے۔ جو شخص اپنی بیوی اور بیوی کی ماں دونوں کو رکھے اُس کو جلایا جائے تاکہ تم میں بے حیائی نہ پھیلے۔ (احبار۔ ۲۰)

(۴) اگر کسی سردار کاہن کی بیٹی فاحشہ بن کر اپنے آپ کو بے حرمت کرے تو وہ اپنے باپ کو ذلیل کرتی ہے وہ آگ میں جلائی جائے۔ (احبار۔ ۲۱)

(۵) نہ اسرائیل کی بیٹیوں میں کوئی ...... فاحشہ ہو نہ اسرائیل کے بیٹوں میں کوئی زانی ہو۔ تو کسی فاحشہ کی خرچی یا کتے کی قیمت کسی منت کے لیے خداوند اپنے خدا کے گھر میں داخل نہ کرنا۔ خداوند تیرا خدا اُن دونوں سے نفرت کرتا ہے۔ (استثنا۔ ۲۳)

چوری کا انسداد

(۱) اگر چور نقب زنی کرتے ہوئے دیکھا جائے اور کوئی مار بیٹھے اور وہ مر جائے تو اُس کے لیے خون نہ کیا جائے (خروج۔ ۲۲)

(۲) اگر چوری کی چیز چور کے ہاتھ میں زندہ پائی جائے خواہ وہ بیل ہو خواہ گدھا خواہ بھیڑ تو وہ ایک ایک کے دُو دُو دے۔ (〃)

(۳) اگر کوئی تاکستان یا کھیت کھلائے اور اپنے چارپائے اُس میں چھوڑ دے یا دوسروں کے میدان میں چرائے تو اپنا اچھے سے اچھا کھیت اور بہتر سے بہتر انگوری باغ اُس کے بدلے میں دے۔ اگر آگ بھڑکے اور کانٹوں میں جا لگے ایسی کہ اناج کا کھیت جل جائے تو جس نے آگ لگائی وہ ٹوٹا دے (〃)

(۴) تم چوری نہ کرو، نہ جھوٹا معاملہ کرو، ایک دوسرے سے جھوٹ مت بولو۔ اور تم میرا نام لیکر

جھوٹی قسم نہ کھاؤ (احبار - ۱۹)

(۵) تو اپنے تھیلے میں مختلف باٹ ایک بڑا ایک چھوٹا مت رکھیو تو ایک پورا اور ٹھیک باٹ اور پورا اور ٹھیک پیمانہ رکھیو تاکہ تیری عمر دراز ہو (استثناء - ۲۵)

تعزیرات اور عدل

(۱) جو کوئی کسی مرد کو مارے اور وہ مرجائے تو وہ ضرور قتل کیا جائے اور اگر اُس نے قتل کا قصد نہیں کیا اور خدا نے اُس کے ہاتھ میں اُسے گرفتار کرا دیا تو میں تیرے لیے ایک جگہ ٹھہراؤنگا کہ جس میں وہ بھاگے۔ اگر کوئی شخص بدخواہی سے اپنے ہمسایہ پر چڑھ آوے تاکہ اُسے مکر سے مارے تو تو اسے میری قربانگاہ سے جدا کر دے تاکہ وہ مرے۔ اور وہ جو اپنے باپ یا اپنی ماں کو مارے البتہ مار ڈالا جائے۔ اور جو آدمی کو چرا لیجائے اور اُسے بیچ ڈالے یا وہ اُس کے پاس سے پکڑا جائے تو وہ البتہ مار ڈالا جائیگا۔ اور وہ جو اپنے باپ یا اپنی ماں پر لعنت کرے البتہ مار ڈالا جائیگا

(خروج باب - ۲۱)

(۲) اگر دو شخص جھگڑیں اور ایک دوسرے کو پتھر یا مکا مارے اور وہ نہ مرے مگر صاحبِ فراش ہو جائے تو اگر وہ اُٹھ کھڑا ہو اور لاٹھی لے کر راہ چلے تو وہ جس نے مارا ہے بے الزام ہے اور فقط اُس کے کاروبار کا نقصان جو ہوا ہو سو بھر دے اور اُسے بالکل تندرست کرائے۔ اور اگر کوئی اپنے غلام یا لونڈی کو لاٹھیاں مارے اور وہ مار کھاتی ہوئی مرجائے تو اُسے سزا دیجائے لیکن اگر وہ ایک دن یا دو دن جیوے تو اُسے سزا نہ دیجائے اس لیے کہ وہ اُس کا مال ہے

(خروج - باب - ۲۱)

(۳) اگر لوگ جھگڑیں اور کسی پیٹ والی کو دُکھ پہنچائیں ایسا کہ اُس کا حمل گر جائے اور وہ خود ہلاک نہ ہو تو اُسے جس طرح کی سزا اُس کا شوہر تجویز کرے دیجائے اور وہ قاضیوں کی تجویز کے موافق جرمانہ دیوے اور اگر اُس صدمہ سے ہلاک ہو جائے تو تو جان کے بدلے جان لے اور آنکھ کے بدلے آنکھ، دانت کے بدلے دانت، ہاتھ کے بدلے ہاتھ۔ پاؤں کے بدلے پاؤں۔ جلانے

کے بدلے جلانا۔ زخم کے بدلے زخم اور چوٹ کے بدلے چوٹ۔ (خروج ۲۱)

(۴) اگر بیل مرد یا عورت کو سینگ مارے ایسا کہ وہ ہلاک ہو تو وہ بیل پتھروں سے مارا جائے اور اُس کا گوشت کھایا نہ جائے اور بیل کا مالک بے گناہ ہے۔ لیکن اگر وہ بیل آگے سو سینگ مارنے کی عادت رکھتا تھا اور اُس کے مالک کو خبر دی گئی اور اُس نے اُسے باندھ نہ رکھا اور اُس نے مرد یا عورت کو ہلاک کیا تو بیل پر پتھراؤ کیا جائے اور اُس کا مالک بھی مارا جائے اور اگر اُس سے خونبہا مانگا جائے تو اپنی جان چھڑانے کے لیے جتنا اُس کے سر دھرا جائے پورا ادا کرے اگر بیل کسی کے غلام یا لونڈی کو سینگ مار بیٹھے تو وہ اُن کے مالک کو تیس مثقال چاندی دیوے اور بیل پتھراؤ سے مارا جائے (〃)

(۵) اگر کوئی کنواں کھودے یا کھولے اور اُس کا مُنہ نہ ڈھانپے اور بیل یا گدھا اُس میں گرے تو کنوے کا مالک بیل یا گدھے کے مالک کو قیمت ادا کرے اور بیل یا گدھا جو مر گیا ہے وہ اُسی کا ہوگا (〃)

(۶) اگر کسی کا بیل دوسرے کے بیل کو ستائے ایسا کہ وہ ہلاک ہو جائے تو اُس مارنیوالے بیل کو بیچیں اور اُس کی قیمت آدھوں آدھ آپس میں بانٹ لیں اور وہ مرا ہوا بیل بھی اُن میں آدھوں آدھ بانٹا جائے اور اگر یہ معلوم ہو جائے کہ اُس بیل کو سینگ مارنے کی عادت تھی اور اُس کے مالک نے اُسے باندھ کر نہیں رکھا تو پھر وہ بیل کے بدلے بیل دیوے اور وہ مرا ہوا بیل اُس کا مال ہوگا (〃)

(۷) تو اپنے محتاج سے اُس کے مقدمہ میں انصاف کو مت پھیریو۔ جھوٹے معاملے سے دور رہیو۔ اور بے گناہوں اور بچوں کو قتل مت کیجیو۔ کیونکہ میں شریر کی تصدیق نہ کرونگا۔ (خروج۔ ۲۳)

(۸) اولاد کے بدلے باپ دادے مارے نہ جائیں، نہ باپ دادوں کے بدلے اولاد قتل کیجائے۔ ہر ایک اپنے ہی گناہ کے سبب مارا جائیگا۔ (〃)

غلامی

(۱) اگر تو عبرانی غلام مول لیوے تو وہ چھ برس تک تیری خدمت کرے اور ساتویں برس مفت آزاد ہو جائے۔ اگر وہ جورو ساتھ لایا تھا تو اُس کی جورو اُس کے ساتھ جائیگی اور اگر اُس کے آقا نے اُس کا بیاہ کر دیا اور اُس کی جورو نے اولاد جنی تو وہ جورو بچوں سمیت آقا کی ہوگی اور وہ اکیلا چلا جائے۔ اور اگر یہ غلام صاف کہے کہ میں اپنے آقا اور اپنی جورو اور اپنے لڑکوں کو دوست رکھتا ہوں میں آزاد ہو کر چلا نہ جاؤنگا تو اُس کا آقا اُسے قاضیوں کے پاس لیجائے پھر اُسے دروازہ پر لائے اور اُس کا کان چھیدے اور وہ ہمیشہ اُس کی غلامی کرے۔ (خروج ۲۱)

(۲) اگر کوئی اپنے غلام یا اپنی لونڈی کی آنکھ میں مارے کہ اُس کی آنکھ پھوٹ جائے تو اُس کی آنکھ کے بدلے میں اُسے آزاد کر دے۔ اگر کوئی اپنے غلام یا اپنی لونڈی کا دانت توڑے تو اُس کے دانت کے بدلے میں اُسے آزاد کر دے۔ (ررر)

(۳) اگر کسی کا غلام اپنے آقا سے بھاگ کر تجھ سے پناہ مانگے تو تو اُسے اُس کے آقا کی حوالے مت کر وہ تیرے پاس جس جگہ چاہے تیرے ساتھ رہے۔ تیرے بھائیوں میں سے کسی کے پاس جو اُسے اچھا معلوم ہو مقام کرے تو اُسے تکلیف نہ دینا (استثناء۔ ۲۳)

سود خوری

(۱) اگر تو میرے لوگوں میں سے کسی کو جو تیرے آگے محتاج ہے کچھ قرض دے تو اُس سے سود خوروں کی طرح سلوک مت کر اور اُس سے سود مت لے (خروج۔ باب ۲۲)

(۲) خواہ تمہاری قوم کا آدمی ہو خواہ اجنبی مسافر ہو جب وہ محتاج و تہیدست ہو جائے تو اُس کی دستگیری کر تاکہ وہ تیرے ساتھ زندگی بسر کرے تو اُس سے سود اور نفع مت لے اور اپنے خدا سے ڈر۔ تو اُسے سود پر روپیہ قرض نہ دے نہ اُسے نفع کے لیے کھانا کھلا (احبار۔ باب ۲۵)

(۳) تو اپنے بھائی کو سود پر قرض نہ دیجیو نہ نقد کے سود پر نہ غلہ کے سود پر۔ تو اجنبی کو سودی قرض دے سکتا ہے مگر اپنے بھائی کو سودی قرض مت دیجیو تاکہ خداوند تیرا خدا اُس سرزمین میں

جس کا تو وارث ہونے جاتا ہے اُن سب کاموں میں جن میں تو ہاتھ لگا دے تجھے برکت دے
(استثنار۔ باب ۲۳)

امانت

(۱) اگر کوئی کسی کے پاس امانت رکھے اور وہ امانت چوری چلی جائے اور چور ہاتھ نہ لگے تو وہ امین قاضیوں کے آگے لایا جائے تاکہ یہ تحقیق کیا جائے کہ امین نے تو خیانت نہیں کی
(خروج۔ باب ۲۲)

(۲) اگر کوئی اپنے ہمسایہ کے پاس گدھا یا بیل یا بھیڑ یا کوئی چارپایہ امانت رکھے اور وہ مر جائے یا چوٹ کھائے یا بغیر کسی کے دیکھے ہانک دیا جائے تو اُن دونوں کے درمیان خداوند کی قسم سے فیصلہ کیا جائے کہ اُس نے اپنے ہمسایہ کے مال پر ہاتھ نہیں بڑھایا اور مال کا مالک قبول کرے تب وہ اُس کو ٹوٹا نہ دے (خروج ״)

(۳) اگر کوئی شخص اپنے ہمسایہ سے کچھ عاریت لیوے اور وہ زخمی ہو یا مر جائے۔ اگر مالک اُس کے ساتھ نہ تھا تو وہ اُس کا بدلہ دے اور اگر ساتھ تھا تو وہ ٹوٹا نہ دے اگر کرایہ لیا ہو تو یہ صرف اُس کے کرایہ کی اُجرت دے (״)

مسکین نوازی و خدا ترسی

(۱) جب تو اپنی فصل کاٹے تو کھیت کے کونوں کو سب کا سب مت کاٹ لے اور نہ اپنے کھیت میں بال چن اور اپنے انگوروں کا ایک ایک دانہ نہ چن لے۔ چاہیے کہ مسکینوں اور مسافروں کے لیے اُن کو چھوڑ دے۔ میں خداوند تمہارا خدا ہوں (احبار۔ ۱۹)

(۲) تو اپنے پڑوسی سے دغا بازی نہ کر نہ اُس سے کچھ چھین لے۔ مزدور کی مزدوری چاہیے کہ ساری رات صبح تک تیرے پاس نہ رہے۔ (״)

قومی تنظیم

(۱) (بائیبل کی کتاب خروج کے اٹھارہویں باب میں درج ہے کہ موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو

مصریوں سے آزاد کرانے کے بعد خود ہی تمام قوم کے سردار اور اُن کے مقدمات کا فیصلہ کرنیوالے تھے موسیٰ علیہ السلام کے خسر نے جو مدین سے چل کر اُن سے ملنے آئے تھے موسیٰ علیہ السلام کو مشورہ دیا کہ تم اپنی تمام قوم میں سے جو نیک اور معزز اور عقلمند اور با اثر اشخاص ہوں اُن کو چُن لو اور دس دس، سو سو اور ہزار ہزار پر ایک ایک شخص کو افسر و حاکم بناؤ اور وہ اُنکے مقدمات فیصل کیا کریں اور جو اہم معاملات ہوں وہ تمہارے پاس فیصلے کے لیے آئیں۔ چھوٹے بڑے تمام معاملات کا فیصلہ کرنا تمہاری طاقت سے باہر ہے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے ایسا ہی کیا)

(۲) (کتاب گنتی باب ۱۰ سے معلوم ہوتا ہے کہ نرسنگا یا بگل کے ذریعہ فوج کے کوچ کرنے ٹھہرنے اور مختلف کام کرنے کی ایجاد بھی موسیٰ علیہ السلام ہی کو خدائے تعالیٰ کی طرف سے تعلیم کی گئی تھی ہر قوم اور قبیلے کے لیے الگ الگ قسم کے جھنڈے بنائے گئے تھے)

قوانین مصر قدیم

مصرِ قدیم کا کوئی مجموعۂ قوانین بائیبل یا منوسمرتی کی طرح مرتب و مدوّن اگرچہ موجود نہیں ہے لیکن مصر کے حالات جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے چودہ سو سال پہلے کے تاریخوں کے ذریعہ معلوم ہو سکے ہیں اُن سے کچھ نہ کچھ اندازہ قوانینِ مصرِ قدیم کا کیا جا سکتا ہے۔ چند باتیں تاریخِ مصر سے اخذ کر کے ذیل میں درج کی جاتی ہیں جو قریباً اُسی زمانہ سے تعلق رکھتی ہیں جبکہ بنی اسرائیل کو موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ فلسطین میں شریعت ملنے والی تھی یا مل چکی تھی۔

(۱) اہلِ مصر میں بت پرستی بھی رائج تھی اور آفتاب پرستی بھی موجود تھی۔ حیوان پرستی اور رگاؤ پرستی کا بھی رواج تھا لیکن علماء و حکماء موحد اور شرک سے متنفر تھے جن کی تعداد بہت ہی قلیل تھی۔

(۲) اپنے مُردوں کی لاشیں حنوط کر کے مضبوط مقبروں میں دفن کرتے تھے۔ اُن کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا یقین تھا یعنی وہ حیات بعد الممات کے قائل تھے

(۳) اہلِ مصر وقت کے پابند اور پابندی اوقات کو ضروری چیز سمجھتے تھے۔

(۴) اہل مصر میں ہندوستان کی طرح ذات پات کا امتیاز موجود تھا۔ اُن میں پجاری سپاہی، دوکاندار، فال گو، ملّاح، چرواہے وغیرہ سب ذاتیں ہی سمجھی جاتی تھیں۔

(۵) مصر میں شخصی سلطنت قائم اور شاہی خاندان موجود تھا سلطنت ایک وراثتی چیز اور مخصوص خاندان کا حق سمجھی جاتی تھی۔

(۶) مذہبی قوانین اور قوانینِ سلطنت جُدا جُدا نہ تھے سلطنت ہی حفاظتِ مذہب کی ذمہ دار تھی۔

(۷) گناہوں اور اخلاقی جرموں پر مقررہ سزائیں دیجاتی تھیں۔ حاکم کو سزا کے تجویز کرنے یا کم و زیادہ کرنے کا اختیار نہ تھا۔ ہاں! سزا دینے اور قانون کے منشا کو پورا کرنے کا اختیار و اقتدار ضرور حاصل ہوتا تھا۔

(۸) ماں باپ کے قاتل کو پہلے شکنجے میں کسا جاتا پھر اُس کے بعد جلادیا جاتا تھا۔

(۹) اگر کوئی شخص اپنے بچے کو قتل کرتا تو اس مقتول بچے کی لاش اُس کی گردن میں لٹکادی جاتی اور وہ تین شبانہ روز اسی حالت میں تمام آبادی میں گھومتا پھرتا تھا۔

(۱۰) مصر میں پجاریوں کی عزت اور اُن کے حقوق عوام سے بالاتر اور عام انسانی سطح سے اسی طرح فائق تھے جیسے ہندوستان کے ہندوؤں میں برہمنوں کو فوقیت و فضیلت حاصل تھی۔ پجاریوں کو برہمنوں ہی کی طرح بے محنت اور بافراط روزی مُیسر آجاتی تھی اور وہ ماں کے پیٹ ہی سے معزز پیدا ہوتے تھے۔

(۱۱) مالِ غنیمت میں سے ایک بڑا حصہ پجاریوں کے لیے الگ کردینا پڑتا تھا جس کے نتیجے میں بعض اوقات پجاریوں کی دولت شاہی خزانے سے بھی بڑھ جاتی تھی پجاریوں کی برابر کوئی دوسرا طبقہ مالدار نہ تھا۔

(۱۲) جب کسی شخص کو قرض لینے کی ضرورت پیش آتی تو وہ کفالت میں اپنے باپ یا کسی عزیز کی قبر پر قرضخواہ کا قبضہ کرادیتا اور جب تک قرضہ ادا نہ ہوجاتا اُس کا قبضہ باقی رہتا۔

یہ دلیل اس بات کی ہے کہ مصری لوگ مردوں کی لاشوں کے ساتھ قیمتی چیزیں چاندی سونے کے برتن و زیورات بھی دفن کرتے تھے۔ اِس لیے کبھی کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ کسی ملحد پادشاہ یا کسی بیرونی فاتح نے مصر کے قبرستان کو اُکھڑوا کر بے انتہا دولت حاصل کی۔

(۱۳) مصریوں میں مہمان نوازی اور تکریم ضیف کا بہت لحاظ رکھا جاتا تھا۔

(۱۴) مصر میں چوری کوئی بڑا جرم نہیں سمجھا جاتا تھا۔ بلکہ وہاں چوری کا ایسا عجیب و غریب طریقہ رائج تھا جس کی نظیر دنیا کے کسی ملک اور کسی قوم میں تلاش نہیں کیجا سکتی جس کی تفصیل یہ ہے کہ جو شخص پولس کا افسر اعلیٰ ہوتا وہی چوروں کا سب سے بڑا سر غنہ بھی ہوتا تھا۔ جو شخص چوری کا پیشہ اختیار کرتا وہ اپنا نام اور پتہ مذکورہ افسر اعلیٰ کے دفتر میں درج کرا دیتا اور جب چوری کرتا تو اُس کی پوری کیفیت یعنی چوری کرنے کا وقت اور مال مسروقہ کی مالیت وغیرہ بھی آکر درج کرا دیتا۔ اب جس کا مال چوری گیا ہے وہ افسر پولس کے یہاں آکر جب چوری کی اطلاع اور سُراغ رسانی کی التجا کرتا تو وہ پولس افسر چوری کے مال کی چوتھائی قیمت بطور تاوان اصل مالک سے وصول کر کے مال اُس کو دلا دیتا۔ وصول شدہ تاوان میں سے کچھ حصہ چور کو ملجاتا اور کچھ سرکاری خزانہ میں داخل ہوتا۔ گویا چوری کو ایک جائز پیشہ قرار دے لیا گیا تھا۔

(۱۵) مصر میں عیش پرستی، تکلفات اور آرائشی چیزوں کا بھی بہت رواج تھا اور دولتمند لوگ اس طرح اپنی دولت کی نمائش ضروری خیال کرتے تھے۔

(۱۶) شراب خوری، گانا بجانا اور ناچنا بھی عام طور پر رائج تھا لہٰذا زنا بھی زیادہ معیوب نہ سمجھا جاتا تھا جس طرح ہندوستان کے آریوں میں نیوگ کی رسم مروج تھی اور جس طرح لائی کرگس اور افلاطون نے اس دیوثی و بے حیائی کو جائز رکھا ہے مصریوں میں بھی یہ خلاف فطرت بیحیائی موجود تھی۔

(۱۷) کھیل کود اور شطرنج و چوسر کی قسم کے سامان تفریح اور بازی گری کے تماشے بھی مصر میں خوب مروّج تھے۔

(۱۸) کشتی لڑنے، فوجی کرتب دکھانے اور چوپایوں مثلاً بیلوں یا مینڈھوں کے لڑانے کا بھی رواج تھا۔

(۱۹) کاشتکار اور مزدور عموماً ننگے پاؤں پھرتے امرا و شرفا جوتیاں استعمال کرتے تھے۔

(۲۰) اہل مصر فنون حرب سے بھی واقف تھے۔ فوج میں سوار اور پیدل دونوں قسم کے سپاہی ہوتے تھے۔ فوجیوں کو بجائے تنخواہ زراعت کے لیے قطعاتِ زمین دیے جاتے تھے اور اُن سے لگان نہیں لیا جاتا تھا۔

(۲۱) مصری لوگ میز پر کھانا کھاتے اور چھُری چمچے بھی استعمال کرتے تھے۔

(۲۲) فن انجنیری، طبابت، ہیئت اور ریاضی میں بھی اُنھوں نے خوب ترقی حاصل کر لی تھی

(۲۳) اہل مصر شیشے کے برتن بنا سکتے تھے۔ سوت کا کپڑا بن سکتے تھے اور سنگ تراشی سے بھی واقف تھے۔

(۲۴) شہروں میں مجسٹریٹ یا قاضی مقرر تھے جو مقدمات کے فیصلے سُناتے اور فصل خصومات کا کام انجام دیتے تھے۔

(۲۵) صوبوں کے حاکم اگرچہ بادشاہ کے فرمانبردار و محکوم تھے لیکن صوبوں کی حکومت بھی مخصوص خاندانوں سے متعلق تھی اور اس صوبہ داری میں بھی وراثت کو پورا پورا دخل حاصل تھا۔

رگوید کے قوانین اخلاق و معاشرت

ہندوستان میں آریہ اقوام کی آمد سے پیشتر جو قدیم ترین غیر آریہ نسلیں آباد تھیں اُن کے تمدن و اخلاق و معاشرت کے متعلق صحیح اندازہ کرنے کے لیے نہ کوئی دستاویزی ثبوت مل سکتا ہے نہ دوسرے آثار و قرائن ایسے موجود ہیں جن کے ذریعہ کوئی معقول بات کہی جا سکے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ آریہ اقوام جب ہندوستان میں داخل ہوئی ہیں تو آریوں کے مقابلہ میں اُن کی معاشرت، اخلاق اور تمدن بہت پست حالت میں تھے اور اسی لیے وہ بہت جلد مغلوب و

محکوم ہو گئے۔ آریہ اقوام کی حالت ہندوستان میں داخل ہونے کے وقت کیا تھی؟ اس کا اندازہ اگر ہو سکتا ہے تو رگوید ہی کے ذریعہ سے ہو سکتا ہے جس کی نسبت نہیں کہا جا سکتا کہ اُس میں کیا تغیر و تبدل ہوا اور یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ رگوید واقعی اُس زمانے کے آریوں کی ایسی ہی مذہبی اور مسلمہ الہامی کتاب تھی جیسا کہ آج کل بیان کیا جاتا ہے یا حقیقت کچھ اور تھی۔ رگوید کو اگر ایک مستند دستاویز تسلیم کر لیا جائے تو اُس کے ذریعہ اُس زمانے کے آریہ لوگوں کی نسبت یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ بُت پرستی سے تو قطعاً ناآشنا تھے مگر عناصر پرستی کا اُن میں خوب زور شور تھا۔ مظاہر قدرت اور قوائے فطرت کے آگے سر کو خم کرتے اور رعد و برق و ابر و باد و آفتاب و آتش وغیرہ کو معبود یقین کرتے اور اُن کے لیے مراسمِ عبودیت بجا لاتے تھے تاہم اُن میں ایک واجب الوجود اور خالقِ کائنات ہستی اور جزا و سزا کا تصور بھی موجود تھا اور اُس واحد و لاشریک خالقِ کائنات کو وہ مختلف ناموں سے پکارتے تھے۔ رگوید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رگوید اصل مذہب کی جو الہامی والٰہی مذہب ہوگا اصل الہامی کتاب نہیں ہے۔ بلکہ اُس حقیقی اور سچے مذہب کے بگڑ جانے اور اُس میں بہت سی بدعتیں شامل ہو جانے اور روحانیت و خدا پرستی کی جگہ دنیا پرستی و نفس پرستی کے پیدا ہو چکنے کے بعد کی تصنیف ہے اور اصل الہامی کتاب کو فراموش کر کے اُسی کو اُس الہامی کتاب کی جگہ دیدی گئی ہوگی جیسا کہ ہر الٰہی و الہامی مذہب کے بگڑ جانے کے بعد انسانی تصانیف الہامی کتاب کی جگہ لے لیا کرتی ہیں۔

"تم کبھی نہیں جانو گے اُسے جس نے کائنات کو بنایا کوئی اور چیز تمہارے اور اُس کے بیچ میں حائل ہے۔ چاروں طرف کہر میں گھرے ہوئے پجاری بھجن گاتے ہوئے اور چڑھاوے چڑھاتے ہوئے بھٹک رہے ہیں" (رگوید۔ منڈل ۱۰ سوکت ۸۲۔ رچا ۷)

"کون جانے کون کہیگا کہاں سے نکلا یہ عالم۔ دیوتا اس کے بعد بنے ہیں کون جانے کیسے بنا پہلے یہ عالم۔ وہ عالم کا پہلا خالق اُس نے بنایا کہ نہیں۔ اوپر سے

عالم کا دیکھنے والا وہی جانے یا نہ جانے" (رگوید منڈل ۱۰۔ سوکت ۱۲۹۔ رچا ۶و۷)
رگوید میں کہیں کہیں گناہ اور بدی یا نیکی اور ثواب کا ذکر بھی آتا ہے مثلاً

"اے دیوتاؤ چڑھتے سورج کے ساتھ آج ہمیں سخت گناہ سے بچاؤ" (رگوید۔ منڈل ۱ سوکت ۱۱۵۔ رچا ۶)

یا مثلاً :۔

"اے اگنی اپنے علم کے ذریعہ ہم کو گناہ سے محفوظ رکھ، ہم کو حسد سے بچا ہم مرنے کے بعد دیوتاؤں کے پاس اپنی دولت لے جاسکیں" (رگوید۔ منڈل ۱۔ سوکت ۳۶ رچا ۱۴ و ۱۵)

یا مثلاً :۔

"اے اگنی ہم سے ساری بدی کو دور کر۔ سارا گناہ ہم سے دور کر ساری بدخیالی ہم سے دور کر" (رگوید منڈل ۴۔ سوکت ۱۱۔ رچا ۶)

لیکن زیادہ تر ایسی دعائیں اور التجائیں موجود ہیں جو ظاہر کرتی ہیں کہ اُس زمانے کے آریا اپنی دنیوی اغراض اور نفسانی خواہشات اور جسمانی ضروریات کے حصول کو زیادہ اہم اور مقدم سمجھتے تھے اور رضائے الٰہی اور نجات اُخروی کی طرف سے غافل ہو گئے تھے اور نیکی بدی یا عذاب ثواب کی طرف اُن کی توجہ زیادہ نہ تھی مثلاً

"اے سوم رس کے پینے والے اگرچہ ہم نالائق ہوں۔ اے اندر تو جو بے حد مال و دولت رکھتا ہے ہم کو عمدہ عمدہ گائیں اور گھوڑے عطا کر۔ اے صاحب قدرت خداوند تیری مہربانی ابد تک رہتی ہے۔ اس لیے اے اندر بے حد دولت رکھنے والے ہمیں عمدہ عمدہ گائیں اور گھوڑے عطا کر۔ کاش ہمارے دشمن سو جائیں اور اے بہادر جو دوست ہیں جاگتے رہیں۔ اے اندر بے حد دولت رکھنے والے ہم کو عمدہ عمدہ گائیں اور گھوڑے عطا کر۔ اے اندر ہمارے مخالفوں کو

برباد کر جو تیری تعریف بے سُری آواز سے کرتے ہیں اور اے اندر بے حد دولت رکھنے والے ہم کو عمدہ عمدہ گائیں اور گھوڑے عطا کر۔ ہمارے ہر ایک ملامت کرنیوالے کو برباد کر اور جو ہم کو نقصان پہنچاتا ہے اُس کو ٹھہرا دے اے اندر بے حد دولت رکھنے والے ہم کو عمدہ عمدہ گائیں اور گھوڑے عطا کر" (رگوید۔منڈل سوکت ۲۹)

"اگنی امرت کا مالک ہے۔دولت کا مالک ہے۔وہی مستحکم خاندان کا دینے والا ہے اے خدائے قادر ایسا نہ کر کہ ہم تیرے بندے بلا اولاد اور بلا چڑھاووں کے رہجائیں" (رگوید۔منڈل ۷۔سوکت ۶۔رچا ۶)

اسی طرح تمام کتاب کا بڑا حصہ اسی قسم کے گیتوں اور دعاؤں سے پُر ہے کہیں کھیتی کے برباد کرنیوالے لوگوں اور جانوروں کو بددعائیں ہیں۔کہیں بارش کے ہونے اور پیداوار کے اچھے ہونے کی التجائیں ہیں کہیں سیاہ فام غیر آریوں کو غلام بنانے اور ہلاک کرنے کا شوق ہے کہیں اچھی پیداوار کی خواہش اور کہیں عورتوں کی صحبت سے لطف اُٹھانے اور کہیں لوٹ کا مال ہاتھ آنے اور کہیں دشمنوں کے برباد کرنے کی آرزوئیں۔غرض اسی قسم کی باتوں سے جن میں سے روحانیت اور اخلاقی تعلیم بہت ہی کم ہے لبریز ہے۔

اُس زمانے کے آریا الٰہی شریعت اور احکام الٰہی کی پابندی کو نیکی جانتے اور کسی حی و قیوم ہستی کی حفاظت کے قائل اور دعاؤں کو اپنے لیے مفید سمجھتے تھے۔مثلاً:

"اے ورن دیوتا ہم آخر انسان ہیں بار بار احکام شرع کو توڑتے ہیں ہمیں موت کے حوالے نہ کر" (رگوید۔منڈل ۱۔سوکت ۲۵۔رچا ۲)

"جب کبھی ہم بے پروائی سے شریعت کی خلاف ورزی کریں تو اے خدا اس جرم کے عوض ہمیں سزا نہ دے" (رگوید۔منڈل ۱۔سوکت ۲۵۔رچا ۳)

اُس زمانہ کے آریا شراب اور ایک نشہ لانے والی بوٹی سوم (غالباً بھنگ) عام طور پر استعمال

کرتے اور اس کو گناہ بھی نہیں سمجھتے تھے اس لیے کہ وہ اپنے دیوتاؤں کو بھی شراب اور سوم رس کا پینے والا یقین کرتے تھے۔

"اندر پیاسے ہرن کی طرح سوم رس کو پیتا ہے یا اُس سانڈ کی طرح جو بے آب بیابانوں میں گھومتا ہے" (رگوید۔ منڈل ۸۔ سوکت ۴۔ رچا ۱۰)

"سوم کے قطرے اِندر کے اَندر اس طرح لڑتے ہیں جیسے آدمی شراب سے دیوانہ ہو کر لڑتا ہے" (رگوید۔ منڈل ۸۔ سوکت ۲۔ رچا ۱۲)

"اے سبھاپتی آپ پیاسے بیل کی مانند سوم کو اچھی طرح پیو۔ یہ جسم کو موٹا کرتی ہے۔ بیل بتّے پر رگڑ کر تیار کیجاتی ہے اس میں ٹھنڈا پانی ملایا جاتا ہے (رگوید۔ منڈل ۱ سوکت ۱۳ رچا ۲)

"میں سوم رس سے پیٹ کو بھر کر جو دھرم اُپدیش کرنے لگا ہوں اُس کو وہ لوگ جو اپنے مطلب کی سدھی چاہتے ہوں بغور سُنیں۔ اگر اس حالت میں ہم سے کوئی گناہ ہو جائے تو آس پاس کے بیٹھنے والے سب لوگ ہمیں معاف کریں (رگوید۔ منڈل ۱ سوکت ۱۷۶۔ رچا ۵)

منو مہاراج کے زمانے میں شراب کا استعمال معیوب سمجھا جانے لگا تھا جیسا کہ منوسمرتی سے ظاہر ہوتا ہے۔ رگوید سے تعدد زوجات اور کثرت البعول دونوں کا پتہ چلتا ہے کہ اُس زمانہ کے آریوں میں یہ مراسم موجود تھیں۔ رگوید۔ منڈل ۸۔ سوکت ۱۹۔ رچا ۳۶ میں ایک رشی کی پچاس بیویوں کا ذکر آتا ہے اسی طرح بہت سے مقامات رگوید میں ایسے ہیں جن سے کثرت زوجات کا نمایاں اور ناقابل شبہ ثبوت بہم پہنچتا ہے۔

"اے اسونس تم رات کے وقت کہاں ہو اور دن کے وقت کہاں ہو تم کہاں اُترتے ہو تم کہاں بستے ہو کون تمہیں اپنے گھر کی طرف کھینچ لیجاتا ہے جیسے بیوہ اپنے دیور جیٹھ کو پلنگ کی طرف ....." (رگوید۔ منڈل ۱۰۔ سوکت ۲۔ رچا ۴)

رگوید کے زمانے میں جوان لڑکیوں کو گھر پر بلا شادی کے رکھنا گناہ یا بے عزتی نہیں سمجھا جاتا تھا۔
"جیسے نیکبخت کنواری اپنے والدین کے ساتھ رہتے ہوئے بوڑھی ہو جاتی ہے اور
اُن سے اپنا گزارہ حاصل کرنے کا حق رکھتی ہے ویسے ہی میں تیرے پاس دولت
کے لیے آیا ہوں (رگوید منڈل ۲۔ سوکت ۱۷۔ رچا ۷)
راکھشس اور دسیوں یعنی غیر آریہ لوگوں کو قتل کرنا ثواب سمجھا جاتا تھا۔
"اِندر نے راکھشسوں کو اپنے تیر سے ایسا جلایا جیسے آگ خشک جنگل کو جلادیتی
ہے۔ اندر نے اپنے تبر سے ہزار، دس ہزار، دس کروڑ دسیوں کو قتل کیا" (رگوید۔
منڈل ۶، سوکت ۱۸۔ رچا ۱۰)
رگوید کے زمانے میں قمار بازی کو معیوب سمجھا جاتا تھا مگر اُس کا رواج آریوں میں ضرور موجود تھا
جیسا کہ رگوید منڈل ۱۰۔ سوکت ۳۴ سے ثابت ہے۔ جھوٹ بولنے کو بُرا اور عیب کی بات خیال
کیا جاتا تھا۔ چوری بھی ایک عیب اور گناہ کی بات تھی بخل و کنجوسی کو عیب اور سخاوت کو خوبی
سمجھا جاتا تھا۔ زنا اور جادو بھی عیب میں شامل تھے۔ رگوید میں حیات بعد الممات اور جزا و سزا
اور بہشت و دوزخ کے عقیدے کا بھی ذکر موجود ہے۔
"جہاں ازلی نور ہے اُس غیر فانی لازوال جہاں میں اے سوم مجھے جگہ دے۔
جہاں خوشی اور خورمی ہے، جہاں راحت اور فرحت آباد ہیں۔ جہاں ہماری تمام
خواہشیں پوری ہو سکتی ہیں وہاں لیجا کر مجھے غیر فانی بنادے" (رگوید منڈل ۔۹)
رگوید کے دسویں منڈل میں ہے کہ "موت کے بعد ہمارا وطن وہ ہے جو ہم سے کبھی چھینا نہ جائیگا۔
رگوید کے منڈل اوّل و چہارم و نہم میں دوزخ یعنی ایک گڑھے کا ذکر ہے جس میں تمام بد اعمال
اور بے دین لوگوں کو مرنے کے بعد دھکیل دیا جاتا ہے اور اُن لوگوں کو ڈالا جاتا ہے جو قربانی
نہیں کرتے اور جو جھوٹ بولتے ہیں۔ اسی طرح جنت یعنی مقام راحت و مسرت کا ذکر آتا ہے
لیکن رگوید میں تناسخ (آواگون) کا ذکر کہیں بھی نہیں پایا جاتا۔ بلکہ جس قدر رشیوں کا ذکر آتا ہے

سب اس جہان میں درازی عمر کے خواہاں اور مرنے کے بعد دوسرے جہان میں راحت کے مقام پر پہنچنے اور عذاب سے بچنے کے آرزومند پائے جاتے ہیں۔ بعض اُپنشدوں سے تناسخ کے عقیدے کی ابتدار بتائی جاتی ہے اور منوسمرتی میں توخوب زور شور سے اس کا ذکر موجود ہے۔ منوسمرتی میں ذات پات کی جو قیود اور دوجنما و یک جنما اور برہمن و ویش وغیرہ کے جو امتیازات موجود ہیں رگوید میں اُن کا بھی وجود نہیں ملتا۔ رگوید میں بھی گوشت خوری موجود ہے اور قانون منو میں بھی۔ رگوید میں گاؤ خوری بھی موجود ہے جو قانون منو میں نہیں۔ رگوید میں چھوت چھات کا بھی کہیں نام ونشان نہیں پایا جاتا۔ رگوید کے زمانے میں قربانیوں کا بہت رواج تھا اور یہ قربانی کی رسم رگوید سے بھی زیادہ قدیم ہے اس لیے کہ رگوید کے اکثر منتر ان قربانیوں ہی کی غرض سے تصنیف ہوئے۔ گھوڑے کی قربانی بہت اعلیٰ سمجھی جاتی تھی۔ گھوڑے کے علاوہ گائے، بھینس، بکری وغیرہ کی بھی قربانیاں مروج تھیں اور قربانیوں کا گوشت بہت متبرک سمجھا جاتا تھا۔ انسان کی قربانی کا بھی ذکر آتا ہے۔ ایک رشی مسمیٰ اجیگرت نے سو گائے کے عوض اپنے بیٹے کو قربانی کے لیے بیچ دیا تھا اور سو گائے اور لیکر خود ہی اُس کے ذبح کرنے کی خدمت بھی انجام دینے والا تھا کہ بیٹا دیوتاؤں کی مہربانی سے بچ گیا۔ قربانی کے لیے فروخت ہونیوالا اجیگرت رشی کا یہی بیٹا رگوید کے پہلے منڈل میں بیسویں سے چھبیسویں منتر تک کا مصنف ہے۔ رگوید سے معلوم ہوتا ہے کہ دیوتاؤں کے خوش کرنے اور خود خوشحالی حاصل کرنے کا سب سے قوی اور موثر ذریعہ قربانیاں ہی تھیں۔ قربانیاں کچھ تو لازمی تھیں جو مقررہ اوقات میں کیجاتی تھیں اور کچھ اختیاری تھیں جو ضرورت کے وقت ہر شخص جب چاہے کر سکتا تھا۔ رگوید میں کہیں مندروں معبدوں اور عبادتخانوں کا ذکر نہیں آتا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص قربانیوں کے ذریعہ اور اپنے گھروں میں دعائیں مانگ کر فرائض عبادت بجا لاتا تھا۔

اُس زمانے کے قدیم آریوں میں لوہار، سنار، بڑھئی، حجام وغیرہ پیشہ ور موجود تھے۔ گھوڑوں سے کام لیتے لیکن ہاتھی کو سواری کے لیے بہت ہی کم استعمال کر سکتے تھے۔ عام طور پر زراعت

اُن کا پیشہ تھا اور گلہ بانی بھی موجود تھی۔ رگوید کے زمانے کے قدیم آریوں کے تمدن و معاشرت کے متعلق مندرجۂ بالا اقتباس و مذکورۂ بالا بیان ہی سے کچھ کچھ صحیح قیاس کا موقع مل سکیگا۔

رگوید میں دس منڈل اور ایک ہزار اٹھائیس (۱۰۲۸) سوکتہ یا گیت اور دس ہزار چار سو دو (۱۰۴۰۲) رچائیں ہیں۔ اِن دس منڈلوں میں بھی دوسرے منڈل سے ساتویں منڈل تک یعنی چھ منڈل زیادہ قدیم اور پروہتوں یا رشیوں کے چھ خاص خاندانوں کے مصنفہ مجموعے ہیں۔ پھر اِن چھ منڈلوں کے بعد نو (۹) مختلف مصنفوں کے گیتوں سے پہلے منڈل کا آخری حصہ (سوکت ۵۱ سے ۱۹۱ تک) اور اُس کے بعد پہلے منڈل کا ابتدائی حصہ اور آٹھواں منڈل کنوا رشی کے . . . . . . خاندان نے شامل کیا اور یہی ویدک سبت رشی کہلاتے ہیں اور انہی ساتوں رشیوں کے تصور کی بناء پر آسمان کے سات ستاروں کے ایک مجموعے کو بھی (جسے بنات النعش یا دبِ اکبر کہتے ہیں) سبت رشی کہنے لگے۔ نواں منڈل درحقیقت پہلے سات منڈلوں کا انتخاب ہے جس میں سوم رس کے متعلقہ گیت ایک جگہ جمع کردیے گئے ہیں۔ دسواں منڈل پہلے نو منڈلوں سے غالباً سیکڑوں برس بعد تصنیف ہوا ہے اُس میں بعض ایسی باتوں کا بھی ذکر ہے جو وید کے قدیمی نو منڈلوں کے ساتھ کسی طرح جوڑ نہیں کھاتیں۔ اس میں بعض جادو کے منتر بھی موجود ہیں بعض معمولی درجہ کی مراسم بعض فلسفیانہ خیالات اور بعض بہت ہی اونیٰ درجے کی باتیں ہیں۔ جن سے یہ شبہ گزرتا ہے کہ کسی شودر یا رذیل آدمی کے خیالات ہیں۔

رگوید کے علاوہ شام وید جو گانے کے قابل گیتوں کا مجموعہ ہے اُس میں ۱۵۴۹ رچائیں ہیں جن میں سے صرف ۷۵ رچائیں رگوید میں نہیں ملتیں باقی سب رگوید کی منتخبہ رچائیں ہیں۔ یہ گانے کا وید ہے۔ اس کے علاوہ ایک یجر وید ہے جس کا چوتھائی حصہ رگوید سے ماخوذ اور باقی عبادات و رسومات کے متعلق اور رگوید کے بہت بعد کی تصنیف ہے۔ ایک چوتھا اتھروید ہے جس کا پانچواں حصہ رگوید سے ماخوذ اور بہت ہی آخری زمانے کی تصنیف ہے حتیٰ کہ

اس کے بعض حصوں کی نسبت کہا گیا ہے کہ عہد مغلیہ یعنی اکبر کے زمانے میں تصنیف ہوئے ہیں بہر حال تمام ویدوں کی جڑ اور اصل بنیاد رگوید ہے اور وہی سب سے زیادہ قدیم اور اُسی کے ذریعہ ہندوستان کے قدیم آریوں کی نسبت کچھ اندازہ ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اوپر جو کچھ لکھا گیا اُسی سے قدیم آریوں کی تہذیب و اخلاق و معاشرت کا صحیح اندازہ ہو سکتا ہے۔

قدیم رُومی قوانین

روما کی مشہور سلطنت جو دنیا کے ایک وسیع رقبہ پر عرصۂ دراز تک قائم رہی اُس کا بانی رومیولس نامی ایک شخص تھا جس کا زمانہ آٹھویں صدی قبل مسیح بتایا جاتا ہے۔ اُسی کو رومیول کا سب سے پہلا مقنن اور پہلا بادشاہ سمجھا جاتا ہے۔ اُس کی سوانح عمری جو حکیم پلیوٹارک یونانی نے اپنی کتاب پیریلل لائوز میں لکھی ہے غالباً سب سے زیادہ مستند دستاویز ہے جو رومیولس کے متعلق دستیاب ہو سکتی ہے۔ اُس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رومیولس نے روما شہر کی آبادی میں بڑی ہمت اور دانائی سے کام لیا اور جبر و طاقت سے اپنا کام نکالنے میں دریغ نہیں کیا۔ رومیولس کو مذہبی آدمی کہا جا سکتا ہے لیکن اُس کا مذہب بُت پرستی یا آتش پرستی یا شگون پرستی تھا چونکہ وہ تاریخی زمانے سے پہلے کا آدمی ہے اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ اُس زمانے میں انسانی اخلاق و تمدن ابتدائی حالت میں تھا اور رومیولس نے جو کچھ کیا وہ مناسب تھا لیکن اُس کے قوانین و آئین کو کسی اعتبار سے بھی بے عیب اور ناقابل اعتراض نہیں کہا جا سکتا۔ ویسٹل ورجن بنانے کی رسم یعنی کنواری عورتوں کی زندگی کو آتشکدہ یا عبادتخانے کی خدمت کے لیے وقف کر کے برباد کر دینا اگر رومیولس ہی کی ایجاد ہے تو یہ سخت ظالمانہ فعل تھا۔ تاہم ہم کو اُس کی سلطنت اور اُن قوانین سے جو اُس کی طرف مشتبہ طور پر منسوب کیے جاتے ہیں زیادہ بحث و غور کی ضرورت نہیں۔ ہاں! اُس کا جانشین نیوما پمپیلیس اور اُس کے قوانین کسی قدر توجہ کے مستحق ہیں۔ نیوما جو روم کی سبائنی قوم سے تعلق رکھتا تھا رعایا اور روسا ملک

کے متفقہ انتخاب سے بادشاہ بنایا گیا تھا۔ وہ مذہب سے زیادہ متأثر تھا وہ اگرچہ دیوتاؤں کو قربانیاں چڑھاتا تھا لیکن ایک واجب الوجود خدا کا قائل تھا۔ رومیولس کی حفاظتِ جان کے لیے ایک محافظ دستہ رہتا تھا۔ نیوما نے اس محافظ دستے کو موقوف کردیا۔ چونکہ اُس کی سلطنت ظالمانہ نہ تھی لہٰذا اُس کو رعایا پر اعتماد اور رعایا کو اُس سے محبت تھی۔ اُس نے بتوں اور بتخانوں کی طرف سے رومیوں کی توجہ کو ہٹانے اور خالق ارض و سما کی طرف اُن کو متوجہ کرنے کی کوشش کی اور اس کوشش میں یہاں تک کامیابی حاصل کی کہ بتخانوں کو بتوں سے خالی کردیا۔ اُس نے رومیوں کے اخلاق اور شریفانہ جذبات کو بہت ترقی دی۔ نیوما کے مذہب میں ایرانی و اسرائیلی مذہب کا مجموعی رنگ نمایاں اور آئینِ سلطنت میں لینت و نرمی اور شفقت علیٰ خلق اللہ غالب تھی۔ لیکن حیرت ہوتی ہے کہ اُس نے آتشکدہ کی محافظ کنواری عورتوں کے متعلقہ مراسم کو نہ صرف جائز رکھا بلکہ اُن کے متعلق قوانین بھی وضع کیے جن کی تفصیل اس طرح بیان کی گئی ہے کہ وہ کنواری عورتیں تیس برس تک کنواری رہنے کی قسم کھاتی تھیں۔ ابتدائی دس برس میں وہ اپنے فرائض متعلقہ آتشکدہ کے انجام دینے کی تعلیم پاتی تھیں۔ پھر دس برس تک فرائض کی ادائگی میں مصروف رہتی اور اس کے بعد دس برس تک دوسری کنواریوں کے تعلیم دینے میں مصروف رہتی تھیں۔ اس طرح تیس سال گزار دینے کے بعد وہ متاہل زندگی بسر کرنے کا حق رکھتی تھیں لیکن اس حق اور اجازت سے بہت کم فائدہ اُٹھایا جاتا تھا اور عموماً یہ عورتیں تجرد ہی کی زندگی بسر کرتی تھیں۔ اس راہبانہ زندگی بسر کرنے کے صلہ میں اُن کو قانوناً یہ رعایت حاصل تھی کہ اُن کی تعظیم و تکریم ہر مجلس میں بدرجۂ غایت ملحوظ رکھی جاتی تھی۔ اُن کی سفارش سے کشتنی مجرم کی جان بچ سکتی تھی۔ مگر سب سے زیادہ سخت شرط یہ تھی کہ اگر کوئی عورت اپنی مذکورہ قسم توڑ دے تو زندہ دفن کردی جاتی تھی۔ ایک زندہ عورت کو درگور کرنے کی رسم بڑی سنگدلی کے ساتھ ادا کی جاتی تھی۔ مردوں کی تدفین و تکفین کے قواعد و مراسم بھی نیوما نے تجویز و مروّج کیے تھے تین سال تک کے بچوں کا سوگ نہیں کیا جاتا تھا۔ دس سال یا زیادہ عمر کے فوت شدگاں کا سوگ دس مہینے تک

کیا جاتا تھا۔ خاوند کے مرنے کے بعد مدتِ سوگ گزرنے پر بیوہ عورت شادی کر سکتی اور مدتِ سوگ کے اندر ہی شادی کرنا چاہتی تو ایک گیابھن گائے کی قربانی کرنی پڑتی تھی۔ علما کو قوانینِ نیوما نے بعض خصوصی اختیارات و حقوق عطا کیے تھے۔ عبادت اور مذہبی پابندی کی طرف نیوما نے رعا کو خاص طور پر متوجہ کر دیا تھا۔ خاندانی اور نسلی جماعتوں کی جگہ پیشہ اور حرفت کے اعتبار سے شیرازہ بندی کی گئی تھی اور اس شیرازہ بندی کو قومی شیرازہ بندی کا مرتبہ حاصل ہو گیا تھا جس سے انتظامِ سلطنت کو بہت تقویت حاصل ہوئی تھی۔ شمسی سال کو بارہ مہینوں میں تقسیم کرنے کا موجد بھی نیوما ہی کو بتایا جاتا ہے۔ بہر حال قوانینِ نیوما نے رومیوں میں نیک دلی، خوش اخلاقی اور تہذیب کو ترقی دی اور اُس کا اثر ملک پر عرصہ دراز تک باقی رہا۔ معاشرت میں سادگی اور عدل و انصاف کی قدر و قعت پیدا ہوئی۔ نیوما کے بعد بھی روما میں بعض ایسے فرمانروا ہوئے کہ اُنھوں نے آئینِ معدلت کو رواج دیا اور رومی قوم میں جمہوری سلطنت قائم کرنے کی استعداد پیدا ہوئی اور چند ہی روز کے بعد رومیوں میں جمہوری سلطنت بآسانی قائم ہو سکی رومیوں کی سلطنت نے جمہوری بن کر خوب ترقی کی لیکن رومیوں کا سلوک مفتوح اقوام کے ساتھ استبدادی اور ظالمانہ تھا اور اسی لیے اُن کی سلطنت میں زوال و انحطاط نے دخل پایا۔ قرطاجنہ، مصری، یونانی اور بعض ایشیائی اقوام پر رومیوں نے چیرہ دست ہو کر بڑے بڑے مظالم روا رکھے۔ بالخصوص عیسائی مذہب اور عیسائی جماعت کو خاص طور پر رومی مظالم کا تختہ مشق بننا پڑا۔ رومیوں کی روز افزوں فتوحات نے اُن کے جنگی جذبات کو حد سے زیادہ اُبھارا اور غلاموں کو جو عموماً مفتوح اقوام کے افراد ہوتے تھے اس درجہ ذلیل کیا گیا کہ چوپاؤں سے بھی بدترین حالت میں پہنچا دیا گیا۔ انھیں مظالم کا نتیجہ رومی سلطنت کا زوال اور اُس کا پارہ پارہ ہو کر برباد و رسوا ہونا تھا۔ بالآخر عیسائیت نے فروغ پایا اور سلطنت کے دو حصوں میں تقسیم ہو جانے کے بعد مشرقی سلطنت عیسائی سلطنت بن گئی اور خود روما اور اٹلی میں عیسائیت پھیل گئی لیکن اب عیسائیت خالص عیسائیت نہیں رہی تھی

بلکہ عیسائیت اور بت پرستی کا ایک مجموعہ تھا جس کو عیسائیت کے نام سے یاد کیا گیا مفتوح اقوام کے ساتھ رومی کماحقہ عدل کا برتاؤ کبھی نہیں کر سکے۔ رومیوں کے ایک مشہور مقنن اور سحر گفتار عالم سسرو کا قول ہے کہ

"انسان سلطنتوں کی بنیاد ڈالنے اور اُن کے قائم رکھنے کی کوشش میں سب سے زیادہ خدا کی مرضی کو پورا کرنے والا ہے"۔

رومیوں کے ذہنی قویٰ اور اُن کے اخلاقی خصائل سب سے زیادہ قوانینِ سلطنت سے مناسبت رکھنے والے تھے۔ عام طور پر رومیوں کے قوانینِ سلطنت یونانیوں کے مقابلہ میں زیادہ عادلانہ اور فطرتِ انسانی کے زیادہ متوازی تھے۔ تاہم قومی تفریق و امتیاز اُن میں موجود رہا۔ روما کے قوانینِ سلطنت میں بمقابلہ یونانی قوانین کے شخصی جائداد۔ خاندانی حقوق اور افراد کی آزادی بہت کچھ محفوظ تھی روما والوں کے آئین و قوانینِ سلطنت روما کو وسیع کرنے اور اقوام و ممالک کو اپنے زیر اقتدار لانے کی قابلیت زیادہ رکھتے تھے بخلاف یونانیوں کے کہ اُنہوں نے شخصی زندگی تک کو بھی قانونِ سلطنت کی گرفت سے باہر نہیں رکھا تھا اور زیادہ تر اپنے محدود ملک اور مخصوص قوم ہی کی تنظیم میں اپنی قوت کو صرف کیا۔

اسپارٹا کے مقنن لائیکرگس کا قانونِ سلطنت

تاریخی زمانے سے پہلے یونان قدیم کا مشہور مقنن لائیکرگس گزرا ہے۔ اُس زمانے میں یونان کے صوبہ اسپارٹا میں ایک خود مختار و آزاد حکومت قائم تھی۔ اسپارٹا میں بیک وقت دو پادشاہ ملکر حکومت کیا کرتے تھے۔ لائیکرگس کا بڑا بھائی پولی ڈکٹیس جو اِن دو پادشاہوں میں سے ایک تھا جب فوت ہوا تو لائیکرگس کو پادشاہت سپرد ہوئی لیکن اُس نے صرف آٹھ مہینے پادشاہ رہنے کے بعد اپنے نوزائیدہ بھتیجے کے لیے پادشاہت ترک کرکے خود اُس کی اتالیقی پسند کی اور اپنے ملک کی فلاح و بہبود کے لیے کریٹ، مصر، شام، ایشیائے کوچک اور اٹلی وغیرہ کا سفر اختیار کیا اور ان

تمام ممالک کے قوانینِ سلطنت کا بنظرِ غور معائنہ کیا اور ان ملکوں کے علما وحکماء سے فیض حاصل کرنے میں مطلق کوتاہی نہیں کی بعض روایتوں میں اُس کا ہندوستان تک آنا اور یہاں کے علماء سے ملنا بھی بیان کیا گیا ہے۔ اس طرح عرصۂ دراز تک اپنے ملک کی سود و بہبود کے لیے ایک بہتر سے بہتر لائحۂ عمل لیکر واپس آیا۔ اور چونکہ اہل ملک اُس سے خوش اور اُس کی ہمدردی وطن سے بخوبی آگاہ تھے اور اُس کو ادارۂ سلطنت میں پہلے ہی سے کافی رسوخ و اقتدار حاصل تھا لہذا اُس نے آتے ہی اپنے ملک کے لیے ایک نظامِ سلطنت، اور نظامِ اخلاق و معاشرت پیش کیا اور اُس پر عملدرآمد بھی شروع ہو گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پانسو سال سے زیادہ عرصہ تک لائیکرگس کے نظام پر عامل رہنے کے سبب اسپارٹا کو نہ صرف یونان کی تمام ریاستوں پر فوقیت و عظمت حاصل رہی بلکہ تمام دنیا میں شہرت و عزت حاصل ہوئی۔ لائیکرگس اپنے قانون کی وجہ سے مشاہیرِ عالم میں شمار ہوتا ہے۔ لائیکرگس نے یہ قوانین کس زمانے میں بنائے اور اسپارٹا میں رائج کیے اس کا بالکل صحیح اور یقینی طور پر تعین نہیں کیا جا سکتا لیکن غالب گمان یہ ہے کہ لائیکرگس حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے آٹھ سو سال پہلے گزرا ہے۔ اُس زمانے میں یونان کے باشندے اپالو دیوتا کی پرستش کرتے تھے جس کا مندر ڈلفی پہاڑ پر واقع تھا۔ لائیکرگس نے بھی اپنے مذکورہ سفر و سیاحت سے واپس آکر اوّل ڈلفی کے مندر میں پہنچ کر استخارہ کیا اور وہاں سے اجازت ملنے کے بعد اپنے قوانین کو اسپارٹا والوں کا دستور العمل بنانے میں کامیاب ہوا۔

(۱) لائیکرگس نے بادشاہوں کے اقتدار کو محدود اور کم کرنے کے لیے اسپارٹا کے تیس یا اٹھائیس منتخب آدمیوں کی ایک کونسل بنائی اس کونسل کے اختیارات بادشاہوں کے اختیارات سے کم نہ تھے۔ اس طرح عوام کو بادشاہوں کے خلاف شکایت و بغاوت کی ضرورت ہی نہ رہی۔

(۲) اس کونسل اور بادشاہوں کی حمایت حاصل کرنے کے بعد لائیکرگس نے آرائش و زیبائش کے کم کرنے اور سادگی پیدا کرنے والے احکام۔ نافذ کیے یہاں تک کہ شاہی محلسرائے اور دربار کے مکان یا دیوانخانے کی شان و شکوہ کو بھی معمولی لوگوں کے مساکن سے مشابہ بنا دیا۔

(۳) پھر اُس نے مالکان اراضی کی تمام اراضیات کو ضبط کر کے ملک کے تمام مزروعہ رقبے کو مساوی قطعات میں تقسیم کر کے ہر شخص کو ایک ایک قطعہ سپرد کر دیا۔ اس طرح ملکیتِ آراضی کے اعتبار سے کسی کو کسی پر کوئی فوقیت حاصل نہ رہی۔ ہر قطعہ کا رقبہ اس قدر تھا کہ اُس میں ستراسی من غلہ سال بھر میں پیدا ہو سکے۔ اور وہ ایک خاندان کی سالانہ ضروریات کے لیے کافی ہو۔ ان زمینوں میں غلہ پیدا کرنے کا کام ہیلاٹ قوم کے افراد کو سپرد ہوا جو اسپارٹا و یونان کی قدیم قوم تھی اور اُس کو اسپارٹی قوم نے اسی طرح اپنا غلام و محکوم بنا رکھا تھا جس طرح ہندوستان میں آریوں نے اچھوت اقوام کو اپنا غلام و خادم بنا لیا تھا۔ یہ غلام غلہ پیدا کرتے اور اسپارٹی بیفکری سے اپنا وقت گزارتے۔

(۴) غیر منقولہ جائداد کی اس مساوی تقسیم سے فارغ ہو کر اُس نے جائداد منقولہ کی بھی مساوی تقسیم ضروری سمجھی اس کے لیے یہ ترکیب عمل میں لائی گئی کہ چاندی سونے کے سکّوں کو متروک و ناجائز قرار دیکر لوہے کے سکّے کو رواج دیا گیا۔ چاندی سونے کے تمام سکّے لوگوں سے لے لیے گیے۔ یہ لوہے کے سکّے اس قدر وزنی اور بڑے بنائے گئے کہ بیس تیس اشرفیوں کے مساوی قیمت کے سکّے رکھنے کے لیے ایک بڑی کوٹھری درکار ہوتی تھی۔ یہ لوہے کے روپیے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کے لیے بیلوں، گدھوں اور گاڑیوں کی ضرورت پیش آتی تھی نتیجہ یہ ہوا کہ چوری اور رشوت وغیرہ کا خود بخود انسداد ہو گیا اور دولت جمع کرنے کا شوق لوگوں کے دلوں سے جاتا رہا۔ بہت جلد امیری غریبی کا امتیاز اُٹھ گیا اور مال و دولت کے اعتبار سے سب مساوی ہو گئے۔ بیرونی ممالک سے اسپارٹا کی تجارت اور تعلقات منقطع ہو گئے۔ ملک کی پیداوار جو ملک کے لیے کافی تھی ملک ہی میں رہنے لگی۔ غیر ضروری صناعیاں عیش و عشرت کی ترغیب دلانیوالے اور نزاکت و نفاست پیدا کرنیوالے سامان فنا ہو گئے اور اسپارٹی لوگوں کے مخصوص اخلاق جو لائیکرگس نے پیدا کرنے چاہے دوسروں کے اثر سے محفوظ ہو گئے اور جفاکشی و سپاہیانہ زندگی کے لیے سہولتیں میسر آئیں۔

(۵) زرپرستی و عیش پسندی کو فنا کرنے کے بعد لائیکرگس نے یہ قانون جاری کیا کہ تمام مرد ایک ہی قسم کی سادہ غذا مل کر ایک جگہ بیٹھ کر کھائیں۔ چنانچہ ہر محلہ میں ایک باورچیخانہ اور ڈائننگ ہال قائم ہوا۔ تنخواہ دار باورچی مقررہ قسم کا سادہ کھانا تیار کرتے اور وقت مقررہ پر سب لوگ ایک ہی دسترخوان پر بیٹھ کر کھاتے۔ اس باورچیخانے میں ہر شخص کو مقررہ وزن کا غلہ او سامان ماہانہ یا سالانہ داخل کرنا پڑتا تھا۔ مردوں کے لیے گھروں میں کھانا کھانا جرم قرار دیا گیا۔ سب کو ساتھ مل کر کھانا اور خوب پیٹ بھر کر کھانا لازمی تھا۔ اگر کوئی شخص کھانا کم کھاتا تو اُس پر عیب لگایا جاتا۔ اُس کی تحقیر کی جاتی کہ کہیں چھپ کر گھر میں تو کھانا نہیں کھالیا ہے۔ اس کھانے کی مساوات نے بہت سے لوگوں کو شکایت کا موقع دیا اور لائیکرگس کے خلاف شورش برپا ہوئی جس میں لائیکرگس کی ایک آنکھ بھی گئی۔ مگر آخرکار وہ اپنی اس تجویز میں بھی کامیاب ہوا اور لوگ عادی ہوگیے۔ اس مشترکہ باورچیخانے اور دسترخوان پر بیٹھنے کے بھی کچھ قواعد تھے جن کی تفصیل غیر ضروری ہے۔

(۶) رات کو روشنی لیکر چلنا قانوناً معیوب تھا۔ اندھیرے میں بلا تکلف چلنے پھرنے اور خطرات سے خوف زدہ نہ ہونے کی نوجوانوں کو خاص طور پر تعلیم دیجاتی تھی۔ لڑکوں کو چوری کرنا سکھایا جاتا تھا لیکن اگر چوری کرتے ہوئے وہ پکڑے جائیں تو انہیں سخت سزا دیجاتی تھی تاکہ وہ دشمن پر کامیاب چھاپہ مارنے اور نقصان پہنچانے کی قابلیت پیدا کرسکیں۔ قوت برداشت کے بڑھانے کے لیے مختلف تدابیر زیر عمل لائی جاتی تھیں۔ خاص خاص تیوہاروں اور تقریبوں میں لڑکوں کی قوت برداشت کا امتحان لینے کے لیے اُن کے جسم پر اس قدر کوڑے لگائے جاتے تھے کہ بعض مر بھی جاتے تھے۔ یہ کام اُن لڑکوں کے والدین کی موجودگی میں ہوتا تھا اور وہ دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے تھے۔ جفاکشی اور صعوبات کے سہنے کی مشق کے لیے مختلف اقسام کے مشاغل اور کھیل رائج کیے گئے تھے۔

(۷) رازداری کی تعلیم کے لیے ابتدا سے تعلیم دی جاتی تھی اور کوئی اسپارٹی راز کے افشا کرنے کو کسی طرح گوارا نہیں کرسکتا تھا۔ اس کے لیے بھی مختلف امتحانات اور مختلف تدابیر

اور عزت افزائیوں سے کام لیا جاتا تھا۔

(۸) ہمسایہ اور رقیب قومیں اسپارٹا والوں کے فنون جنگ اور طریقۂ نبرد آزمائی سے واقف نہ ہوسکیں اس کے لیے ایک ضابطہ یہ بھی وضع کیا گیا تھا کہ کسی ایک ہی غنیم سے بار بار اور دیر تک سلسلۂ جنگ جاری نہ رکھا جائے۔

(۹) لائیکرگس نے نیوگ کی خلاف فطرت بیحیائی کو جائز رکھا تھا۔ اُس کے مجوزہ قانون نے شوہر کو اجازت دی تھی کہ وہ اپنی بیوی کو کسی دوسرے مرد کے پاس حاملہ ہونے کے لیے بھیجے اور یہ بیحیائی اور دیوثی صرف اس لیے گوارا کرے کہ زیادہ تندرست بچہ حاصل ہوسکے نیز ہر شخص کو یہ موقع بھی اُس کے قانون نے دیا تھا کہ وہ کسی عورت کو خوبصورت و حسین دیکھ کر اُس کے خاوند سے عارضی استعمال کے لیے مانگ لے۔

(۱۰) لائیکرگس نے بچوں پر بجائے ماں باپ کے قوم کا حق فائق رکھا تھا۔ ہر ایک بچہ پیدا ہونے کے بعد تجربہ کاروں کی ایک مجلس کے سامنے پیش ہوتا تھا۔ اگر اُس کے اعضاء مضبوط ہوتے اور بچے کے تندرست و طاقتور آدمی بننے کی توقع ظاہر کیجاتی تو بچہ پرورش ہونے کے لیے ماں باپ کو واپس دیا جاتا اور اگر اُس کے اعضاء کمزور نظر آتے اور اُس کے طاقتور اور جنگی آدمی بننے کی توقع نہ ہوتی تو اُس کو فوراً ہلاک کر دیا جاتا۔

(۱۱) تمام وہ اعمال و افعال اور وہ باتیں عیب قرار دی گئی تھیں جو مساوات کے خلاف اور امیری غریبی کا امتیاز پیدا کرنیوالی ہوں۔

(۱۲) ہر شخص کو اپنی زندگی کے مقاصد خود متعین کرنے اور اپنی حسب پسند زندگی بسر کرنے کا اختیار نہ تھا بلکہ وہ اپنے تمام اعمال و افعال میں مقاصدِ قومی کو تقویت پہنچانے اور اپنے آپ کو اپنی قوم کا ایک خادم سمجھنے کے لیے مجبور تھا۔

(۱۳) اسپارٹا کے کسی شخص کو ملک سے باہر سیر و سیاحت کی غرض سے جانے کی اجازت نہ تھی اور نہ باہر کے کسی شخص کو اسپارٹا میں آنے کی اجازت تھی۔

(۱۴۲) قانون نے یہ بھی اجازت دی تھی کہ اسپارٹی نوجوانوں کی ایک جماعت عمالِ حکومت سے لائیسنس (اجازت نامہ) حاصل کر کے ہیلاٹ قوم کے لوگوں کا (جو کاشتکاری و خدمت گزاری کے کاموں پر متعین اور اسپارٹی لوگوں کے غلام تھے) شکار کھیلیں اور اُن بے گناہوں پر جبکہ وہ کھیتوں میں مصروفِ قلبہ رانی ہوں حملہ آور ہو کر قتل کریں اور اُن کے مرنے اور تڑپنے کا تماشا دیکھیں۔ بعض اوقات اِن بدنصیب ہیلاٹ قوم کے لوگوں کو شراب پلا کر اور حد سے زیادہ مخمور بنا کر شہر کے گلی کوچوں اور بازاروں میں پھرایا جاتا اور ان کی اس بُری حالت کا تماشا دکھا کر لوگوں کو کثرتِ شراب خوری سے بچنے کی ترغیب دیجاتی تھی۔

لائیکرگس کے مجوزہ قوانین نے اسپارٹی لوگوں میں جنگی جذبہ اور فوجی صلاحیت بدرجہ اتم پیدا کر دی تھی۔ اُن کے عیش وعشرت اور آرام طلبی سے دور رہنے کا مقصد بھی یہی تھا۔ لیکن ساتھ ہی ملک کے قدیم اور اصلی باشندے جن کو ہیلاٹ کہا جاتا تھا اور جو تعداد میں اس فرمانروا قوم سے کم نہ تھے بلکہ زیادہ تھے اس قدر مجروح و مذبوح بنائے گئے تھے اور اُن پر اس قدر ظلم و ستم روا رکھا گیا تھا کہ اُس سے زیادہ مظالم ایک قوم دوسری قوم پر نہیں کر سکتی۔ جنگی جذبہ کی آبیاری اور اپنی قوم میں مساوات و اتفاق پیدا کر دینے کے اعتبار سے لائیکرگس کی جسقدر چاہو تعریف و توصیف کر سکتے ہو لیکن جہاں تک انسانیت کا تعلق ہے لائیکرگس کے قوانین ہرگز دستور العمل زندگی نہیں بن سکتے اور نیوگ وغیرہ کی دیوثی و بیحیائی کو فطرتِ انسانی کو کسی طرح گوارا نہیں ہو سکتی۔ اسپارٹی عورتوں کی اس حالت پر جب غور کیا جاتا ہی کہ وہ اپنے شوہروں کے لڑائی میں مارے جانیکے بعد اپنے غلاموں سے ہمبستر ہو کر قوم کیلئے بچے پیدا کر سکتی تھیں تو ان قوانین کے غیر طبعی غیر فطری اور نہایت ہی نامعقول ہونیکا فتویٰ صادر کرنے میں کسی بھلے آدمی کو تامل نہیں ہو سکتا غالباً قوانین لائیکرگس اور اسپارٹا والوں کے اثر کا نتیجہ ہے کہ ملک یونان میں بعد کے تاریخی زمانے میں بھی طوائف پیشگی کو عورتوں کے لئے معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا قدیم زمانے کے ایک سب سے زیادہ مشہور نظامِ اخلاق نظامِ تمدن اور نظامِ سلطنت کا نمونہ جو زیادہ سے زیادہ معتبر ذرائع سے معلوم ہو سکتا تھا قارئین کرام کے سامنے ہی۔ اسمیں بعض باتیں اچھی اور قابلِ تعریف بھی تھیں

لیکن مجموعی طور پر توجہ الی اللہ اور خدا شناسی کا شائبہ اور جزا و سزا اور حیات بعد الممات کے متعلق ایمان و یقین کا کوئی پہلو نظر نہیں آتا۔ ہاں وطن پرستی اور قوم پرستی کو حد کمال تک پہنچا دیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ عالمِ انسانیت کا مقبول نظام نہیں بن سکتا۔

ایرانِ قدیم کا نظامِ اخلاق اور قانونِ تمدن

قدیم ایرانیوں کی تاریخ نایاب اور دوسرے ممالک و اقوام کی طرح ایرانِ قدیم کے نظامِ اخلاق و نظامِ تمدن اور آئینِ حکومت کی نسبت یقینی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا تاہم قدیم ایران کی بعض تاریخوں زردشتی مذہب کی بعض ناقص و ناتمام یادداشتوں اور زمانۂ حال کی کاوش و تحقیق سے جو کچھ معلوم ہو سکا ہے اُن سب کے ذریعہ جہاں تک ممکن ہے ایرانِ قدیم کے قوانینِ تمدن اور آئینِ سلطنت کا اندازہ کرنے کے لیے ایک خاکہ مختصر طور پر ذیل میں پیش کیا جاتا ہے جو کسی ایک مختصر و محدود زمانے سے متعلق نہیں ہے بلکہ مہ آباد سے لیکر کیانیوں کی سلطنت کے خاتمہ تک یعنی سکندر کی حملہ آوری کے زمانے تک کے طویل زمانے سے متعلق ہے۔ جو باتیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں اُن کی نسبت یہ دعویٰ تو نہیں کیا جا سکتا کہ یہ ساری کی ساری باتیں ہزارہا سال تک بلا ترمیم و تنسیخ بجنسہ ایران میں مروّج رہیں۔ اور یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ کسی ایک محدود زمانے میں یہ سب کی سب مروّج تھیں مگر ہاں! یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ ایرانِ قدیم میں زیادہ تر یہ باتیں پائی گئی ہیں اور انہی کے ذریعہ قدیم ایرانیوں کا زیادہ صحیح اندازہ ہو سکتا ہے۔

(۱) قدیم ایرانی توحید باری تعالیٰ، رسالت و نبوت، وحی و الہام اور جزا و سزا کے قائل تھے لیکن اُن میں ستارہ پرستی، بُت پرستی اور آتش پرستی نے بھی ضرور دخل پا لیا تھا

(۲) ایرانِ قدیم یعنی مہ آبادی زمانے کے ایران کی انسانی آبادی چار حصوں میں منقسم تھی۔ پہلے حصے میں ہیربدان، موبدان، زہاد، علماء جو مذہب اور قانون کے محافظ سمجھے جاتے

تھے شامل تھے یہ لوگ متبرک اور قابل تعظیم تھے۔ اس پہلے حصے کے محترم و مکرم لوگوں کا گروہ برہمن یا برماں کہلاتا تھا۔ دوسرے حصے میں خسروان و پہلوانان و جنگجویان شامل تھے۔ ان لوگوں کا کام عدل کا قائم کرنا، ظلم و ستم کا دور کرنا اور حکومت و جہانداری کرنا تھا۔ یہ چترمان یا چترمن یا چتری کہلاتے تھے۔ چتر فارسی زبان میں سائبان کو کہتے ہیں یعنی ان لوگوں کے سایہ میں مخلوق خدا زندگی بسر کرتی تھی۔ تیسرے حصے میں کاشتکار، پیشہ ور، اہل حرفہ وغیرہ سب شامل تھے ان کو باس کہتے تھے۔ باس فارسی قدیم میں بسیار اور بیش کو کہتے ہیں۔ یہ نام اس لیے دیا گیا تھا کہ اس حصے میں سب سے زیادہ لوگ شامل تھے یعنی ان کی تعداد سب سے زیادہ تھی۔ چوتھے حصے میں خدمتگار اور مزدور لوگ شامل تھے۔ ان کو سودین یا سودی کہتے تھے اس لیے کہ ان سے سود و آسایش حاصل ہوتی تھی۔

(۳) قدیم ایرانیوں میں جس قدر وخشور (پیغمبر) مبعوث ہوئے وہ قریباً سب کے سب پادشاہ و فرمانروا بھی ہوئے مثلاً کیومرث، سیامک، ہوشنگ، طہمورث، جمشید، فریدوں، کیخسرو وغیرہ بنا بریں تمام ملک ایران اور تمام ایرانی قوموں کو اقوام عالم میں یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اُن سے بڑھ کر پادشاہ پرستی اور کسی ملک میں نہیں پائی گئی۔ ایرانیوں کی پادشاہ پرستی کی کوئی مثال اگر مل سکتی ہے تو ہندوستانیوں ہی میں مل سکتی ہے اور ظاہر ہے کہ ہندوستان کے آریہ درحقیقت ایرانی نسل سے تعلق رکھتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ایران اور ہندوستان کی قدیم تاریخوں میں پادشاہ کے خلاف رعایا کی بغاوتوں کے تذکرے بہت ہی شاذ نظر آسکتے ہیں ورنہ ظالم سے ظالم پادشاہ کو بھی رعایا نے معزول کرنے کی جرأت عموماً نہیں کی

(۴) ایرانیوں کی شاہ پرستی کا اندازہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ جمشید کے عہد میں کسی شخص نے خواب میں دیکھا کہ اُس نے پادشاہ کے کسی فعل کو ناپسند کیا جب آنکھ کھُلی تو اُس نے اپنے آپ کو اس خواب کی بنا پر ایسا مجرم خیال کیا کہ خودکشی کی اور زندہ رہنا گوارا نہ کیا ایک اور پادشاہ کے زمانے میں ایک پہلوان نے خواب میں دیکھا کہ اُس نے پادشاہ کے حکم کی خلاف ورزی کی

جب اس خواب کو بیدار ہونے کے بعد اپنے دوستوں سے بیان کیا تو اُنھوں نے فوراً اُسے قتل کر ڈالا جب اُن کو بتایا گیا کہ خواب دیکھنا ایک غیر اختیاری چیز ہے تو اُنھوں نے بیساختہ جواب دیا کہ خواب کا دوسروں سے بیان کرنا تو اختیاری فعل تھا۔ رستم زابلستانی جب کنوے میں گر کر زندگی سے مایوس ہوا تو اُس نے ایک آہ سرد کھینچی اور رونے لگا۔ شاہِ کابل نے جو باہر کھڑا تھا اُس سے کہا کہ تو مرنے سے ڈرتا ہے۔ رستم نے جواب دیا کہ نہیں مجھ کو اپنا ایک گناہِ عظیم یاد آگیا جس کی وجہ سے خائف ہوں وہ یہ کہ ایک مرتبہ کیکاؤس نے ناراض ہو کر طوس کو حکم دیا کہ وہ مجھے قتل کر دے میں نے قتل کے لیے گردن جھکانے سے انکار کیا اور دربار شاہی سے اُٹھ کر چلا آیا بادشاہ کا حکم خود بادشاہ کے لیے بھی بیحد مضر تھا اور اسی لیے طوس نے بھی مجھے قتل کرنے کا ارادہ نہیں کیا اور بعد میں بادشاہ رضامند بھی ہو گیا اور اپنے حکم کا غلط اور نادرست ہونا بھی تسلیم کر لیا لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں خدائے تعالیٰ مجھ سے میری اس نافرمانی کی باز پرس نہ کرے اور یہ بھی اندیشہ ہے کہ کہیں طوس کا گناہ بھی کہ اُس نے بھی شاہی حکم کی تعمیل میں کوتاہی کی تھی میری ہی گردن پر نہ رکھا جائے۔ اِن حکایات کو محض اس لیے اس جگہ درج کیا گیا ہے کہ اِن کے مطالعہ سے ایرانیوں کی شاہ پرستی کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔

(۵) ایرانیوں کو عیش پرستی، تکلفات اور آرائش کی طرف خاص طور پر توجہ تھی شراب نوشی کا بھی اُن میں خوب رواج تھا۔ تہواروں، جشنوں اور ضیافتوں کے مواقع پر وہ اپنی سلیقہ شعاری اور قابلیت کی خوب نمائش کرتے، شراب و کباب اور خوش خوراکی کا ثبوت دیتے تھے۔

(۶) مذہبی پیشواؤں اور جنگی آدمیوں کو ہر مجلس میں فوقیت و برتری حاصل ہوتی تھی اِن میں امیر و غریب کا امتیاز بھی بخوبی موجود تھا۔

(۷) ایرانیوں میں جب بُت پرستی و ستارہ پرستی نے زیادہ رواج پایا تو اُنھوں نے ستاروں کے نام پر بتخانے بھی تعمیر کیے اور اُن کو خوب آراستہ و پیراستہ بنایا۔ ایرانیوں کی بُت پرستی

یونانیوں کی بُت پرستی سے مشابہت بھی رکھتی تھی اور بعض مراسم میں اختلاف بھی تھا۔

(۸) ایرانیوں میں علما، کی بڑی عزت ہوتی تھی۔ اُن کے علما، عموماً علم ہیئت اور ستاروں کے خواص و افعال سے واقف، پادشاہوں کے مشیر اور سالانہ تیوہاروں کے مراسم اسی طرح ادا کرتے تھے جیسے ہندوستان میں برہمن۔

(۹) علم ہندسہ، جراحی، طب اور نجوم کے علاوہ جنگی فنون کا عام طور پر رواج تھا۔ جادوگروں کاہنوں، فال دیکھنے والوں اور اختر شناسوں کی بھی کمی نہ تھی۔

(۱۰) کاشتکاروں کے ساتھ خصوصیت سے رعایت کا برتاؤ کیا جاتا تھا اور زرعی زمینوں پر، باغوں پر، مویشیوں کے گلّوں پر سالانہ سرکاری ٹیکس یا مالگذاری وصول کیجاتی تھی صناعوں اور اہل حرفہ پر کوئی ٹیکس نہ تھا۔

(۱۱) پادشاہوں کی سواری دھوم دھام سے نکلتی تھی۔ پادشاہ کی طرح امراء اور سردارانِ فوج اور صوبوں کے حاکم بھی دربار کرتے اور اپنے ماتحتوں سے اسی طرح تعظیم وتکریم کے مراسم ادا کراتے تھے جس طرح پادشاہ اپنے دربار میں ادا کراتا تھا

(۱۲) غلامی کا رواج بھی ایرانیوں میں ہر زمانے میں موجود رہا ہے لیکن دوسری اقوام و ممالک کے مقابلے میں ایرانیوں کے غلاموں کی حالت بہت غنیمت تھی۔

(۱۳) جمشید کے زمانے میں جانوروں کے مارنے اور اُنکا گوشت کھانے سے پرہیز کیا جاتا تھا۔ اگر جانور خود کسی بیماری یا اور کسی وجہ سے مرجائے تو اُس کا گوشت کھانا جائز تھا لیکن عموماً ایسے جانور کا گوشت جو بیماری سے مرے اس لیے نہیں کھایا جاتا تھا کہ اس کے گوشت میں بیماری کا اثر ہوگا اور وہ بیمار ڈال دیگا۔

(۱۴) فریدوں کے زمانے میں خراسان کا صوبہ دار جہلاد نام ایک شخص تھا اُس نے ایک دہقانی کو کسی وجہ سے قتل کردیا۔ فریدوں کے جاسوسوں نے اس کی اطلاع فریدوں کو پہنچائی اُس نے جہلاد کو لکھا کہ تو نے فلاں دہقان کے قتل کرنے میں آئینِ شاہی کی خلاف ورزی

کی ہے۔ مہلاد نے اِس تحریر کو پڑھ کر مقتول دہقان کے بیٹے کو اپنے دربار میں طلب کیا اور اپنی تلوار اُس کو دیکر کہا کہ مجھے قتل کر کے میرا سر فریدوں بادشاہ کے پاس بھجوادے۔ دہقان زادی نے کہا کہ میں نے اپنے باپ کا خون معاف کیا لیکن مہلاد نے سخت اصرار کیا۔ مجبوراً اُس کا سر کاٹ کر بادشاہ کے پاس بھجوایا گیا۔ فریدوں نے اُس کے اس فعل کی تعریف کی اور اپنے قانون کے موافق اُس کے بیٹے کو اُس کی جگہ خراسان کا حاکم مقرر کیا۔

(۱۵) کبھی کبھی وزیروں، شہزادوں، امیروں، سپہ سالاروں سے شاہِ ایران غلاموں اور خدمتگاروں کی خدمات لیتا اور اُن کو پیادہ اپنی سواری کے ساتھ دوڑاتا تاکہ وہ اپنے غلاموں اور خدمتگاروں سے خدمت لینے میں اس بات کو ملحوظ رکھیں کہ غلام و خدمتگار کس قدر محنت و جفا برداشت کرسکتا ہے۔

(۱۶) نسب اور نسل کے امتیاز کی وجہ سے ایرانیوں کے ادنیٰ طبقے اور ادنیٰ پیشے کے لوگوں کو ترقی کر کے اعلیٰ مقام پر پہنچنے کا موقع نہیں مل سکتا تھا۔ صوبوں کی گورنری اور فوج کی سپہ سالاری بھی نسلاً بعد نسلٍ خاندانوں کی وراثت سمجھی جاتی تھی۔ نسل منقطع ہونے یا اولاد نرینہ کے دیوانہ ہوجانے یا کسی سخت جرم میں مبتلا ہونے پر سرداری کسی دوسرے معزز خاندان کے سپرد ہوتی تھی۔

(۱۷) اگر کوئی سپاہی لڑائی میں مارا جاتا تھا تو اُس کے پسماندگان کی عزت افزائی و دلجوئی بادشاہ کی طرف سے کیجاتی تھی اور شجاعت و بہادری کے ظاہر ہونے پر سپاہی کو خوب انعام و اکرام حکومت کی طرف سے ملتا تھا۔

(۱۸) عورتیں غیر مردوں سے پردہ کرتی اور عموماً نامحرموں سے جُدا رہتی تھیں اس لیے کہ شاہی محلسرائے کے لیے خواجہ سراؤں کی ضرورت پیش آتی تھی اور شاہی زنانخانوں میں خادمہ عورتوں اور خواجہ سراؤں ہی کا ذکر آتا ہے۔ مرد خدمتگاروں کا کہیں ذکر نہیں آتا۔

(۱۹) بادشاہ بیگم کا مرتبہ اسی طرح تمام عورتوں سے بلند سمجھا جاتا تھا۔ جیسے بادشاہ کا مرتبہ

تمام مردوں سے فائق ہوتا تھا۔

(۲۰) دربان و پاسبان اور چوکی پہرہ بھی شاہی دربار، شاہی محلات اور مرزبانوں اور امیروں کے دروازوں پر ہوتا تھا۔

(۲۱) رعایا کے مقدمات کو پادشاہ عموماً خود یا اُس کے مقرر کردہ اہلکار فیصل کرتے تھے اور عدل وانصاف کو مدنظر رکھا جاتا تھا۔

(۲۲) پادشاہ لڑائی کے دن جو ترتیب فوج کی قائم کرتا اور جس سردار کو جہاں مقرر کرتا عموماً اس ترتیب کو سرداران فوج لڑائی کے ختم ہونے کے بعد تک بھی قائم رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔

(۲۳) ایرانی اپنے مفتوح شہروں کی غیر مصافی رعایا کو عموماً امن دیتے اور کم ستاتے تھے اور امان طلب کرنے والے کو عموماً امان دیدیتے تھے۔

(۲۴) تجارت کے لیے بھی اُس زمانے کے حسب حال سہولتیں ایران میں موجود تھیں۔ تاجر لوگ جو باہر سے آتے اول اُس شہر کے حاکم یا بادشاہ کے حضور حاضر ہو کر اپنا مالِ تجارت دکھاتے تھے۔ تاجروں کے جان و مال کی حفاظت سلطنت کا فرض تھا شہروں میں کارواں سرائے بھی ہوتی تھی۔

(۲۵) ایرانی جھوٹ بولنے کو عیب جانتے تھے اور قرض لینے کو بھی اسی لیے بُرا جانتے تھے کہ قرضدار کو مجبوراً جھوٹ بولنا پڑتا ہے۔

(۲۶) بیاہ شادی کو وہ اس لیے ضروری سمجھتے تھے کہ بقائے نسل اِسی سے ممکن ہے ژند و اوستا میں مذکور ہے کہ وہ گھر سب سے بڑا ہے جو اولاد اور بقائے نسل سے محروم ہے۔

(۲۷) سکندر کی حملہ آوری کے وقت ایران میں ڈاک کا محکمہ قائم تھا۔

(۲۸) ہر صوبے میں ایک مرزبان اور ایک فوجی افسر پادشاہ کی طرف سے مقرر ہوتا تھا۔

ہندوستان کی مُقنّن منو مہاراج کا قانون

ہندوستان کے مشہورِ آفاق مقنّن منو مہاراج کی کتاب منوسمرتی کو ہندو لوگ اپنا مایۂ ناز قانونِ تمدن و اخلاق و معاشرت اور دھرم شاستر بتاتے اور اُس کو عام طور پر ویدوں کی طرح قابلِ عزت و تکریم یقین کرتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ منو مہاراج کے زمانے کا تعین کرنا آسان کام نہیں۔ بعض مورخوں نے تو منوجی مہاراج کے وجود اور اُن کی شخصیت ہی سے انکار کر کے اُن کو ایک فرضی وجود بتایا اور منوسمرتی کو ہندوستان کے مختلف برہمنوں کی تصنیف ٹھہرایا ہے جس کے مختلف اجزا مختلف زمانوں میں لکھے گیے۔ لیکن ہم کو اس بحث میں پڑنے کی مطلق ضرورت نہیں۔ منوسمرتی موجود ہے اور اُس کا اقتباس ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ اور منوسمرتی کو چھ سات سو سال قبل مسیح کی مرتب شدہ کتاب فرض کر لیا ہے۔ بعض مورخین نے اس کو نو سو سال قبل مسیحؑ کی کتاب بتایا ہے۔ ذیل کے اقتباس میں ہر ایک دفعہ یا قانون کے خاتمہ پر حوالہ اس طرح درج کیا گیا ہے کہ اوپر کا ہندسہ کتاب کے باب یا ادھیا کا نمبر ہے اور نیچے کا ہندسہ اُس باب کے منتر یا دفعہ کا نمبر ظاہر کرتا ہے۔

تمدن و معاشرت و اخلاق

(۱) برہمن، چھتری، ویش، تینوں کے لیے جنیئو کی رسم ضروری ہے جس کا جنیئو نہ ہو وہ شودر کہلائیگا کیونکہ دوج بنانے والا اسنسکار یہی ہے۔ (۲/۳۶)

(۲) برہمن کو روئی کا، چھتری کو سن کا، ویش کو بھیڑ کے بالوں کا جنیئو پہننا چاہیے (۲/۴۴)

(۳) برہمن بیل کا، چھتری کھیر کا، اور ویش گولر کا ڈنڈا رکھے۔ برہمن کا ڈنڈا سر کے بالوں تک، چھتری کا پیشانی تک اور ویش کا ناک تک ہونا چاہیئے۔ (۲/۴۵، ۴۶)

(۴) تینوں دوج یعنی اعلیٰ ذاتوں کے طالب علم روزانہ بھیک مانگیں اور ہاتھ منہ دھو کر بھیک کے ٹکڑوں کو کھائیں (۲/۴۹، ۵۰، ۵۱)

(۵) جنیؤ ہو جانے کے بعد وید کی تعلیم سے فارغ ہونے تک برابر بھیک مانگ کر کھانے کا سلسلہ جاری رہنا چاہیے (۲/۱۰۸)

(۶) شودر صرف اپنی ذات کی لڑکی سے اور ویش اپنی ذات اور شودر کی لڑکی سے اور چھتری اپنی ذات اور ویش اور شودر کی لڑکی سے اور برہمن چاروں ذاتوں کی لڑکی سے شادی کر سکتا ہے۔ (۳/۱۳)

(۷) شودر کی لڑکی کو اپنے پلنگ پر بٹھانے سے برہمن نرک یعنی دوزخ میں جاتا ہے اور اس سے لڑکا پیدا ہونے سے دھرم کرم سے الگ ہو جاتا ہے (۳/۱۷)

(۸) برہمنوں کی منڈلی سے گرا ہوا برہمن جتنے برہمنوں کو بھوجن کرتا ہوا دیکھتا ہے اتنے برہمنوں کے کھلانے کا ثواب داتا کو نہیں ملتا (۳/۱۷۶)

(۹) اندھا، کانا، سفید کوڑھ والا، راج روگی۔ ان سب کے دیکھنے سے بترتیب سلسلہ ۶۰، ۱۰۰، ۱۰۰۰ برہمن بھوجن کرانے کا ثواب بھوجن کرانے والے کو نہیں ملتا (۳/۱۷۷)

(۱۰) کانے، گنجے، ایک عضو نہ رکھنے والے کو کھانے کے وقت نکال دینا چاہیے (۳/۲۴۲)

(۱۱) چنڈال، سور، مرغا، کتا، حیض والی عورت، نامرد یہ سب برہمن کو بھوجن کرتے ہوئے نہ دیکھیں (۳/۲۳۹)

(۱۲) وید کی پستک، بانس کی لاٹھی، پانی سے بھرا ہوا لوٹا، جنیؤ، سونے کی کنڈل ہمیشہ اپنے پاس رکھے (۴/۳۶)

(۱۳) دن کو شمال کی طرف منہ کر کے اور رات کو جنوب کی جانب منہ کر کے پاخانہ پھرے (۴/۵۰)

(۱۴) آگ، سورج، سوم، پانی، برہمن، گائے۔ ان سب کو دیکھتے ہوئے پاخانہ پیشاب نہ پھرے (۴/۵۲)

(۱۵) گاؤں یا گھر یہ دونوں سب طرف سے گھرے ہوئے ہوں تو دروازہ چھوڑ کر اور دیوار سے پھاند کر اس کے اندر نہ جائے اور رات کے وقت درخت کی جڑمیں نہ رہے (۴/۷۳)

(۱۶) گیلے پاؤں ہو کر بھوجن کرنا اچھا ہے مگر گیلے پاؤں ہو کر سونا منع ہے۔ پاؤں دھو کر بھوجن کرنا عمر کو بڑھاتا ہے (۴/۷۶)

(۱۷) غصے سے اپنے یا دوسرے کے سر میں نہ مارے اور بالوں کو نہ کھینچے اگر سر میں تیل لگا کر اشنان کرے تو پھر کسی اور عضو میں تیل نہ لگائے (۴/۸۳)

(۱۸) افلاس ہونے پر بھی اپنی بیقدری نہ کرے۔ مرتے دم تک دولت کی تمنا رکھے حصولِ دولت کو غیر ممکن نہ سمجھے (۴/۱۳۷)

(۱۹) حمل گرانے والی اور حیض والی عورت کا چھوا ہوا کھانا نہ کھائے (۴/۲۰۸)

(۲۰) نٹ، درزی، لوہار، کلال، دھوبی، رنگریز، جس عورت کے گھر میں دوسرا شوہر ہو، شودر، چمار، دال بنانیوالا، ہتھیار بیچنے والا۔ ان تمام لوگوں کا کھانا ہرگز نہیں کھانا چاہیے ان کے کھانے کھال، ہڈی اور بال کی طرح ناقابلِ خورش ہیں (۴/۲۱۴ تا ۲۲۱)

(۲۱) اچھی چیزیں بغیر بزرگوں اور عالموں کو کھلائے اکیلا کبھی نہ کھائے اور ہَون کے لائق چیزوں کو ہون کیے بغیر کبھی نہ کھائے اور دیوتوں کو دال دیے بغیر گوشت کبھی نہ کھائے (۵/۷)

(۲۲) ناخن سے نوچ کر کھانے والے باز وغیرہ، پانی میں ڈوب کر مچھلی کھانے والے جانور، قصائی کے گھر کا گوشت اور سوکھا ہوا گوشت نہ کھائے (۵/۱۳)

(۲۳) پردکش نام سنسکار سے جو گوشت بچا ہے اور یگیہ میں ہَون کرنے سے جو گوشت بچا ہے ان دونوں قسم کے گوشت کو کھانا چاہیے اور برہمن کو جب گوشت کھانے کی خواہش ہو تو شاستر کے تعلیم کردہ طریقے سے کھائیں (۵/۲۷)

(۲۴) کھانے کے لائق جانوروں کو کھانے سے کھانے والے کو کوئی گناہ نہیں ہوتا، اس لیے کہ کھانے کے لائق جانوروں اور کھانیوالوں کو برہما جی نے پیدا کیا ہے (۵/۳۰)

(۲۵) بہت چھوٹے بچوں کو جب وہ مر جائیں آگ میں جلانا نہیں چاہیے بلکہ جنگل میں لکڑی کی طرح چھوڑ آنا چاہیے کیونکہ اس سے بدبو پھیلنے کا اندیشہ نہیں ہے (۵/۶۹)

(۲۶) راجہ اگر دن میں مرا ہو تو تمام دن اور اگر رات میں مرا ہو تو تمام رات اس کے راج میں رہنے والی رعیت کو سوگ کرنا چاہیے (۵/۸۲)

(۲۷) جو حیوان چھونے کے لائق ہیں اُن کے چمڑے کا برتن اور بانس کا برتن ان دونوں کو اسی طرح پاک کرنا چاہیے جس طرح کپڑے کو پاک کیا جاتا ہے (۵/۱۱۹)

(۲۸) جو پانی ایک گائے کی پیاس بجھانے کے قابل ہو اور ناپاک چیز اُس میں شامل نہ ہو اور اس میں رنگ و بو نہ ہو اور زمین پر قائم ہو وہ پاک ہے (۵/۱۲۸)

(۲۹) قے کرنیوالا اور دستوں کی بیماری والا اشنان کرکے گھی کھائے (۵/۱۴۴)

(۳۰) جب آدمی بوڑھا ہو جائے اور اُس کے پوتا بھی پیدا ہو جائے تو وہ جنگل میں جا کر قیام کرے اور بیوی کو بیٹے کے سپرد کر جائے یا جنگل میں ساتھ لیجائے (۶/۲و۳)

آئینِ سلطنت

(۱) جو ملک سب طرف سے خوفناک ہے اور اُس میں راجہ نہیں ہے اُس ملک کی حفاظت کے لیے برہماجی نے راجہ کو پیدا کیا ہے۔ (۷/۳)

(۲) جو آدمی شاستر کا جاننے والا اور اشاروں اور قیافوں کا سمجھنے والا ہو اُس کو راجہ اپنا سفیر بنائے (۷/۶۳)

(۳) وزیر کے اختیار میں سزا ہے اور سزا کے اختیار میں انصاف ہے، راجہ کے اختیار میں خزانہ اور راج ہے۔ سفیر کے اختیار میں صلح و جنگ ہے (۷/۶۶)

(۴) قلعہ میں رہنے والا ایک کماندار نیچے رہنے والے سو آدمیوں سے جنگ کر سکتا ہے اور قلعہ میں رہنے والے سو آدمی نیچے رہنے والے دس ہزار آدمیوں سے جنگ کر سکتے ہیں اس لیے راجہ کو قلعہ بنانا چاہیے (۷/۷۵)

(۵) قلعہ کے اندر ہتھیار، دولت، کماندار، سواری، برہمن، کاریگر، گھاس، پانی۔ ایندھن موجود رہنا چاہیے (۷/۷۶)

(۶) راجہ کا فرض ہے کہ بہت سی قسم کی قربانیاں کرے۔ بہت سی خیرات کرے اور دھرم کے واسطے برہمنوں کو مکان، چارپائی۔ زیور، کپڑا وغیرہ دے (۸۰/۷)

(۷) جنگ میں ثابت قدم رہنا، رعیت کی پرورش کرنا، برہمنوں کی خدمت کرنا۔ یہ تین کام راجہ کے سب سے زیادہ آرام دینے والے ہیں (۸۹/۷)

(۸) رتھ، گھوڑا، ہاتھی، چھتری، دولت، چارپایہ، عورت اور چاندی سونے کے علاوہ تمام دولت سیسا وپیتل وغیرہ اِن سب کو جو فتح کرے وہی اُس کا مالک ہوتا ہے (۹۶/۷)

(۹) سونا، چاندی، زمین، عورت وغیرہ جو عمدہ چیزیں فتح ہوں اُن کا فتح کرنیوالا اپنے راجہ کو دے (۹۷/۷)

(۱۰) راجہ کے عیب کو دوسرا نہ جانے مگر راجہ دوسرے کے عیب کو جان لیوے جس طرح کچھوا اپنے اعضاء کو چھپاتا ہے اسی طرح راجہ اپنے عیب کو چھپائے (۱۰۶/۷)

(۱۱) راجہ کا فرض ہے کہ بگلے کی طرح اپنے مطلب پر غور کرے۔ شیر کی طرح طاقت کا اظہار کرے۔ بھیڑئیے کی طرح چیزوں کو لیوے اور خرگوش کی طرح بھاگے۔ (۱۰۷/۷)

(۱۲) راجہ کو چاہیئے کہ لیاقت کے موافق کسی کو ایک گاؤں کا کسی کو دس گاؤں کا کسی کو بیس گاؤں کا کسی کو سو گاؤں کا کسی کو ہزار گاؤں کا حاکم بنائے (۱۱۶/۷)

(۱۳) گاؤں میں کچھ واردات ہو تو گاؤں کا حاکم باہستگی دس گاؤں کے حاکم سے کہے اور وہ بیس گاؤں کے حاکم سے کہے۔ بیس گاؤں کا حاکم سو گاؤں کے حاکم سے کہے اور وہ ہزار گاؤں کے حاکم سے کہے (۱۱۷/۷ و ۱۱۸)

(۱۴) ہر روز جو حصہ راجہ کا مثل اناج اور پان اور لکڑی وغیرہ گاؤں کے رہنے والوں سے لینے کے لائق ہے اُس کو گاؤں کا حاکم لیوے (۱۱۹/۷)

(۱۵) دس گاؤں کا حاکم بارہ بیلوں کی مقدار کے موافق زمین اپنے گزارے کے واسطے لیوے اور بیس گاؤں کا حاکم ساٹھ بیلوں کے موافق لیوے اور سو گاؤں کا مالک ایک

گاؤں متوسط درجے کا لیوے اور ہزار گاؤں کا مالک ایک پورہ اپنے گزارے کے واسطے لیوے (۷/۱۲۰)

(۱۶) راجہ ہر ایک نگر میں ایک آدمی جو تمام مطلبوں کا سوچنے والا ہو رکھے اور ایک مکان بڑا اونچا خوفناک شکل کا بناوے اور وہ مکان ایسا خوبصورت ہو جیسے ستاروں میں چاند ہے (۷/۱۲۲)

(۱۷) راجہ کے اکثر عہدیدار دوسرے کا مال لے لیا کرتے ہیں اور ظالم ہوتے ہیں اس واسطے اُن کے ہاتھ سے رعیت کی حفاظت کرنا راجہ اور وزیر کا فرض ہے (۷/۱۲۴)

(۱۸) جس طرح جونک، بچھڑا اور بھونرا یہ سب کھانے کے لائق چیزوں کو تھوڑا تھوڑا کھاتے ہیں اسی طرح راجہ اپنے ملک سے محصول سالانہ تھوڑا تھوڑا کر کے لیوے (۷/۱۳۰)

(۱۹) درخت، بانس، شراب، گھی خوشبودار چیزیں، ادویات، رس، پھول، جڑ، پھل، پتا ساگ، گھاس، چمڑا، بانس کا برتن، مٹی کا برتن، اِن سب کے نفع میں سے راجہ چھٹا حصہ لیوے (۷/۱۳۴)

(۲۰) راجہ اپنے راج میں چھوٹے آدمیوں سے بھی تھوڑا سا ساگ پات بطور محصول سالتمام میں ضرور لیوے (۷/۱۳۸)

(۲۱) پہاڑ یا بالاخانہ یا جنگل وغیرہ مقام خلوت میں بیٹھ کر صلاح بگاڑنیوالے آدمیوں کو دور کر کے حکومت کے کاموں میں مشورہ کرے (۷/۱۴۸)

(۲۲) جب لڑائی کے بعد اپنے نقصان کو یقینی دیکھے اور اُس وقت تھوڑا ہی نقصان دیکھے تو دشمن سے صلح کر لے (۷/۱۶۰)

(۲۳) جب اپنی طاقت کو زبردست اور اپنے آپ کو فائق تر دیکھے تو دشمن سے بگاڑ کرے اور صلح توڑ دے (۷/۱۶۱)

(۲۴) جب اپنی فوج کو زورآور اور باہمت دیکھے اور دشمن کی فوج کو اس کے برخلاف تو فوراً دشمن پر چڑھائی کرے (۷/۱۶۲)

(۲۵) جب یہ جانے کہ دشمن کے مقابلہ سے بھاگنا پڑیگا تو جلدی سے کسی طاقتور اور دھرماتما راجہ کی پناہ لیوے (۷/۱۶۵)

(۲۶) راجہ کو چاہیے کہ اِس قسم کا انتظام کرے جس سے دوست دشمن اور عام آدمی راجہ سے بڑے نہ ہو جائیں (۷/۱۷۸)

(۲۷) دشمن کے نوکروں کو جس طرح ممکن ہو اپنے اختیار میں کرکے اور دشمن کے ملک میں جاسوس بھیجنے کے بعد چڑھائی کر دے (۷/۱۸۵)

(۲۸) کرکشتر، متسیہ، پنچال، سورسین۔ اِن ملکوں میں جو آدمی پیدا ہوئے ہوں اُن کو آگے کرکے جنگ کرے کیونکہ یہ لوگ حوصلے والے ہوتے ہیں (۷/۱۹۳)

(۲۹) دوسرے راجہ کے وزیر اور خاندانی لوگ جو خود راج لینے کی خواہش رکھتے ہوں اُن سب کو جوڑ توڑ ملا کر اپنے قابو میں کرے اور قیافہ سے معلوم کرے کہ قابو میں ہوئے یا نہیں جب اطمینان حاصل ہو جائے تو چڑھائی کرے۔ (۷/۱۹۸)

(۳۰) راجہ عقلمند وزیر اور ذی علم برہمنوں کو ہمراہ لے کر کچہری میں داخل ہو۔ سبھا میں بیٹھ کر خواہ کھڑے ہو کر داہنا ہاتھ اُٹھا کر سادی پوشاک اور زیور پہن کر کارپردازان سلطنت کے کاموں کو دیکھے (۸/۱و۲)

تعزیرات

(۱) راجہ کو چاہیے کہ ملک و وقت و علم و طاقت کو دیکھ کر مجرموں کو درجہ بدرجہ سزائے مناسب دیوے (۷/۱۶)

(۲) زبردست آدمیوں کو زبردست آدمی جینا مشکل کر دیں اگر راجہ کی غفلت سے مجرم لوگ سزا نہ پائیں۔ (۷/۲۱)

(۳) اگر سزا نہ دی جائے تو اچھے آدمیوں کی دولت تمام بدمعاش چھین لیں (۷/۲۲)

(۴) جتنے جاندار ہیں سب سزا کے لائق ہیں پاک آدمی ناتوان ہیں سزا کے خوف سے سب جاندار کام کرنے کی طاقت رکھتے ہیں (۷/۲۳)

(۵) جتنے آدمی شہوت پرست و حاسد و دغاباز اور ہیچ ہیں وہ سب سزا ہی سے مارے جاتے ہیں (۷/۲۸)

(۶) جو راجہ شاستر کو نہیں جانتا وہ سزا نہیں دے سکتا لا مذہب ہونا راجہ اور اُس کے رشتہ داروں کو ہلاک کر دیتا ہے (۷/۲۸)

(۷) راجہ کو چاہیے کہ اپنے راج میں انصاف سے چلے اور دشمنوں کو سخت سزا دے اور وفادار دوستوں کے ساتھ مہربانی کرتا رہے اور کم قصور والے برہمنوں کو معاف کرتا رہے اس سے اپنے راج کی مضبوطی اور مخالفوں کو خوف رہتا ہے (۷/۳۲)

(۸) جو مدعی حاکم کے روبرو کہتا ہے اور مدعا علیہ کے سامنے کچھ نہیں بولتا وہ بیوہار کا بڑا جھوٹا متصور ہو کر جرمانہ اور قتل کے لائق ہے۔ (۸/۵۸)

(۹) عورتوں کی گواہ عورتیں، برہمن کے گواہ برہمن، چھتری کے گواہ چھتری، ویش کے گواہ ویش اور شودر کے گواہ شودر ہونے چاہئیں (۸/۶۸)

(۱۰) عدالت سے گواہ گواہی دے کر آئے اور سات دن کے اندر بیماری۔ آگ لگنا، رشتہ دار کی موت، ان میں سے کوئی ایک رنج کو پہنچے تو وہ گواہ اُس قرضے کا جس قرضہ کے مقدمے میں اُس نے گواہی دی ہے دسواں حصہ ڈنڈ دیوے (۸/۱۰۸)

(۱۱) مقدمے میں گواہ نہ ملے اور مدعی یا مدعا علیہ کو قسم دلانے کی ضرورت پیش آئے تو برہمن کو سچ کی قسم، چھتری کو سواری اور ہتھیاروں کی قسم ویش کو گئو اور بیج اور سونے کی قسم اور شودر کو تمام پاپوں (گناہوں)، کی قسم دلائے (۸/۱۱۳)

(۱۲) اگر کسی مجرم کو سزا دینے کی ضرورت پیش آئے تو عضو تناسل، شکم، زبان، دونوں ہاتھ دونوں پاؤں، دونوں کان، دونوں آنکھ، ناک، جائداد، جسم یہ دس سزا کے مقام ہیں (۸/۱۲۵)

(۱۳) جو سزا کے لائق ہے اُس کو سزا نہ دینے سے اور جو سزا کے لائق نہیں ہے اُس کو سزا دینے سے راجہ اس جنم میں بدنام ہوتا اور دُکھ پاتا ہے (۸/۱۲۸)

(۱۴) خاندانی عورت یا عمدہ جواہر کو اگر کوئی چرا لے تو اُسے قتل کر ڈالنا چاہیے (۸/۳۲۳)

(۱۵) جو چور نقب زنی کر کے رات میں چوری کرتے ہیں اُن کے دونوں ہاتھ کاٹ کر اُنکو

تشہیر کرنا چاہیے۔ جو چور اوّل مرتبہ گرہ کاٹے اُس کا انگوٹھا اور انگوٹھے کے پاس کی انگلی کاٹنا چاہیے، دوسری مرتبہ ارتکاب جرم ہو تو ہاتھ یا پاؤں کاٹنا چاہیے اور تیسری مرتبہ قتل کرنا مناسب ہے (۹/۲۷۴، ۲۷۳)

برہمن کی فضیلت

(۱) دنیا میں برہمن سب سے افضل ہے۔ برہمن دھرم کی مورت، نجات کا مستحق، دھرم کے خزانے کا محافظ ہے، دنیا میں جو کچھ ہے سب برہمن کے واسطے ہے۔ برہمن کی مہربانی سے چھتری لوگ بھی چین کرتے ہیں (۱/۹۳ تا ۱۰۱)

(۲) دس برس کا برہمن اور سو برس کا چھتری دونوں آپس میں باپ بیٹے کی طرح رہیں ان میں برہمن بجائے باپ کے اور چھتری بجائے بیٹے کے رہے (۲/۱۳۵)

(۳) جو راجہ چھتری نہ ہو اُس سے برہمن دان نہ لے اور قصائی، تیلی اور کلال سے بھی برہمن دان نہ لے (۴/۸۴)

(۴) برہمن، چھتری ویش تینوں میں سے کوئی اگر برہمن کو مار ڈالنے کی نیت سے ہتھیار اُٹھائے اور مارے نہیں تو بھی سو برس تک نرکھ یعنی دوزخ میں رہیگا۔ اگر غصہ کر کے قصداً ایک تنکے سے بھی برہمن کو مارے تو اکیس جنم تک پاپی یعنی کتا گدھا وغیرہ کے جسم میں پیدا ہوتا ہے (۴/۱۶۵، ۱۶۶)

(۵) ہتھیار وغیرہ کے زخم سے برہمن کے بدن سے جو خون نکل کر زمین پر گرتا ہے اس خون میں جتنے ذرّے زمین کے آلودہ ہو جاتے ہیں اتنے برس تک پرلوک میں وہ خون نکالنے والا کتا، گیدڑ وغیرہ سے بھوجن کیا جاتا ہے۔ عقلمند آدمی کو چاہیے کہ کبھی برہمن کو مارنے کے واسطے ہتھیار نہ اُٹھائے بلکہ تنکے سے بھی نہ مارے اور جسم سے خون نہ نکالے (۴/۱۶۸، ۱۶۹)

(۶) راجہ کو چاہیے کہ صبح اُٹھ کر ایسے برہمنوں کا جو ویدوں کا مطلب جانتے ہوں درشن کرے اپنے بزرگوں اور وید پڑھے پاک برہمنوں کی خدمت راجہ کو ہمیشہ کرنی چاہیے اس سے مخالف لوگ بھی راجہ کے پرستار بنجاتے ہیں (۷/۳۸، ۳۹)

(۷) راجہ کو پیدائشی عقل بھی حاصل ہو اور وید و شاستر کے پڑھنے سے بھی عقل حاصل ہو اور راجہ سلیم الطبع بھی ہو تاہم اُس کا فرض ہے کہ برہمنوں کے سامنے اظہار عاجزی ضرور کیا کرے تاکہ کبھی برباد نہ ہو (۷/۴۰)

(۸) جو ذات میں ہی برہمن ہو اور برہمن کا کام کچھ بھی نہ کرسکتا ہو اور مورکھ ہو تو بھی وہ راجہ کو دھرم کا اُپدیش کرسکتا ہے لیکن شودر کیسا ہی ودوان ہو اُپدیش نہیں کرسکتا (۸/۲۰)

(۹) زنا بالجبر کی سزا قطع عضو تناسل ہے لیکن برہمن کو یہ سزا نہ دینی چاہیے اس لیے کہ اُس کو سزائے جسمانی دینے کی ممانعت ہے (۸/۳۶۴)

(۱۰) راجہ مصیبت میں بھی برہمن کو خشمگیں نہ کرے برہمن کے غصہ کرنے سے راج معہ فوج و سواریوں کے نیست و نابود ہو جاتا ہے۔ برہمن خواہ عالم ہو یا نہ ہو بڑا دیوتا ہے۔ اگرچہ برہمن دنیوی کاموں میں بہت سی غلطیاں کرتا ہے تاہم ایشور کا جاننے والا ہونے کے سبب پوجنے کے قابل دیوتا ہے (۹/۳۱۰ و ۳۱۴ و ۳۱۶)

(۱۱) برہمنوں کی خدمت کرنا شودروں کا سب سے اعلیٰ دھرم ہے جو شودر اس کو چھوڑ کر دوسرا کام کرتا ہے وہ اپنی زندگی کو بے ثمر بناتا ہے (۱۱/۱۲۳)

(۱۲) دھرم کا جاننے والا برہمن راجہ سے کچھ نہ کہے بلکہ اپنی قوت سے گنہگاروں کو سزا دیوے راجہ کی طاقت سے برہمن کی طاقت بڑی ہے۔ (۱۱/۳۱ و ۳۲)

(۱۳) برہمن یا گائے کی حفاظت کے واسطے اپنی جان قربان کردینی چاہیے۔ برہمن اپنی پیدائش ہی سے دیوتاؤں کا دیوتا ہے اور اس کی نصیحت سب کو ماننی چاہیے (۱۱/۷۹ و ۸۴)

(۱۴) جو برہمن کے مارنے کو ہتھیار اُٹھائے اور مارے نہیں تو بھی سو برس تک دوزخ میں رہتا ہے (۱۱/۲۰۶)

(۱۵) اگر کوئی برہمن کے جسم سے خون نکالدے تو وہ خون زمین پر گر کر جس قدر ذرات کو پکڑتا ہے اتنے ہزار برس دوزخ میں رہے۔ (۱۱/۲۰۷)

برہمنوں کو فکر معاش سے رستگاری

(۱) پنڈت برہمن کو باقاعدہ نذرانہ دینے سے دینے والا اور لینے والا دونوں ثواب پاتے ہیں (۳/۱۴۳)

(۲) دکھ کو چھوڑ کر جو جو چیزیں برہمنوں کو اچھی معلوم ہوں وہ انہیں دے۔ شیریں بیانی سے برہمنوں کو خوش کرے جلدی نہ کرے۔ یہ اچھا لڈو ہے، یہ اچھی کھیر ہے۔ اسی طرح سب چیزوں کا گن بتا بتا کر برہمن کو بھوجن کرائے (۳/۲۳۱و۲۳۳)

(۳) جو دولت اور سامان برہمن کو دیا جاتا ہے وہ لازوال ہے اُسے چور نہیں چرا سکتا پس راجہ کو چاہیے کہ اپنی دولت سے برہمنوں کی خدمت اور پوجا کرے۔ دیوتاؤں، بزرگوں کی روحوں اور رشیوں کے لیے برہمن کو جو بھوجن کرایا جاتا ہے وہ اگنی ہوتر سے بڑا ہے (۷/۸۴و۸۵)

(۴) سوائے برہمن کے چھتری وغیرہ کو جس قدر دیا جائے اُسی قدر ملتا ہے۔ مورکھ برہمن کو جو دیا جاتا ہے اُس کا دوچند ملتا ہے اور وید کا ایک حصہ پڑھے ہوئے برہمن کو جو دیا جائے اُس کا ایک لاکھ گنا ملتا ہے اور تمام وید پڑھے ہوئے برہمن کو جو دیا جائے اُس سے بے انتہا پھل ملتا ہے (۷/۸۶)

(۵) راجہ دولت نہ ہونے سے مر بھی جائے تب بھی وید پڑھنے والے برہمن سے محصول نہ لیوے اور اس بات کا خیال رکھے کہ اُس کے تمام ملک میں کوئی وید پاٹھی برہمن کھانے پینے کی تکلیف نہ اٹھائے (۷/۱۳۳)

(۶) اگر پنڈت برہمن کوئی مدفونہ چیز پائے تو وہ تمام چیز کو لیوے کیونکہ وہ سب کا مالک ہے اگر راجہ کوئی مدفونہ چیز پائے تو اُس میں سے آدھا برہمنوں کو دے اور آدھا اپنے خزانے میں رکھے (۸/۳۷و۳۸)

(۷) برہمن کا سونا چرانے والا کھلے بال راجہ کے سامنے دوڑ کر جائے اور موسل یا کھیر کا ڈنڈا کاندھے پر رکھ کر کہے کہ ایسا کام کرنیوالا میں ہوں مجھے سزا دیجیے۔ راجہ اُس کو سزا دے یا چھوڑ دے وہ گناہ سے نجات پائے لیکن اگر راجہ اُس کو سزا نہ دے اور چھوڑ دے تو چور کا گناہ راجہ کے

ذمے ہوگا (۸/۳۱۴ و ۳۱۵ و ۳۱۶)

(۸) برہمن کی گائے چُرانے والے کا آدھا پاؤں فوراً کاٹ لینا چاہیے۔ برہمن کا حق ہے کہ وہ غلام شودر سے دولت چھین لے، اس میں کچھ تامل نہ کرے اس لیے کہ وہ دولت کچھ اس کی ملکیت نہیں ہے (۸/۳۲۵ و ۴۱۷)

(۹) لاوارث برہمن کی دولت کو راجہ ہرگز نہ لے ہاں دیگر ورنوں کے لاوارث لوگوں کی دولت راجہ کا حق ہے (۹/۱۸۷)

(۱۰) سب سے بڑے گناہ چار ہیں۔ برہم ہتیا، شراب خوری، برہمن کا دس ماشہ یا اس سے زیادہ سونا چُرانا، ماں کے ساتھ زنا کرنا، ان مہاپاپیوں سے میل ملاپ کرنا پانچواں مہاپاپ ہے (۱۱/۵۴)

شودروں کا مرتبہ

(۱) وید پڑھنے میں ایک ایک حرف صاف زبان سے نکلے اور وید شودر کے پاس نہ پڑھے اور اگر رات کے چوتھے پہر میں وید پڑھنے سے تھک جائے تو سو وے نہیں (۴/۹۹)

(۲) تہذیب و آئین کے ساتھ رہنے والے شودر کو مہینے میں ایک مرتبہ حجامت کرانی چاہیے اور برہمن کا پس خوردہ اُس کی غذا ہو سکتی ہے (۵/۱۴۰)

(۳) اگر چھتری کسی برہمن کو چور کہے تو سو روپیہ جرمانہ دے اور اگر ویش ایسی بات کہے تو ڈیڑھ سو روپیہ اور شودر ایسی بات کہے تو اُس کے جسم کا کوئی عضو کاٹ ڈالنا چاہیے (۸/۲۶۷)

(۴) اگر شودر کسی برہمن یا چھتری یا ویش کے ساتھ سخت کلامی کرے تو اُس کی زبان میں سوراخ کر دینا چاہیے کیونکہ وہ جن لوگوں کی خدمت کرنے کے لیے پیدا ہوا ہے اُنہی کی توہین کرتا ہے (۸/۲۷۰)

(۵) جو شودر بآواز بلند کسی برہمن کا نام لیکر کہے کہ تو فلانے برہمن سے پنچ ہے تو اُس شودر کے منہ میں بارہ انگل کی میخ آہنی آگ میں سُرخ کر کے جلتی ہوئی ڈالنی چاہیے (۸/۲۷۱)

(۶) چنڈال یا شودر جس عضو سے بڑے آدمی کے مارے اُس عضو کو کاٹ ڈالنا چاہیے، ہاتھ

سے مارے تو ہاتھ کاٹ ڈالے، پاؤں مارے تو پاؤں کاٹ ڈالے ۔ چھوٹا آدمی بڑے آدمی کے ساتھ ایک آسن پر بیٹھے تو اُس کا چوتڑ کاٹ ڈالنا چاہیے اس طرح کہ وہ مرے نہیں (۸/۲۷۹ تا ۲۸۱)

(۷) جو شودر برہمن کے بال یا پاؤں یا داڑھی کو پکڑے اُس کا ہاتھ کاٹ ڈالنا چاہیے یہ خیال نہ کرنا چاہیے کہ اُس کو اذیت ہوگی (۸/۲۸۳)

(۸) برہما نے شودر کو برہمنوں کی خدمت کے واسطے پیدا کیا ہے لہذا شودر خواہ خریدا ہوا ہو یا ملازم ہو اُس سے کام ضرور لینا چاہیے (۸/۴۱۳)

(۹) چنڈال گاؤں کے باہر قیام کریں برتن وغیرہ سے محروم رہیں ان کی دولت سگ و خر ہے۔ مُردے کے کپڑے پہنیں پھوٹے ہوئے برتن میں بھوجن کریں ہمیشہ خانہ بدوش رہیں (۱۰/۵۱ تا ۵۶)

(۱۰) شودر کو طاقت رکھنے پر بھی دولت جمع نہ کرنی چاہیے دولت سے شودر کا دھرم ناش ہو جاتا ہے (۱۰/۱۲۹)

ذاتوں کی تقسیم

(۱) اس تمام دنیا کا کاروبار چلانے کے لیے برہمن، چھتری، ویش، شودر چار ذاتیں جسم کے چار حصوں منہ، بازو، ران اور پاؤں کے مشابہ بنائی گئی ہیں اور چاروں کے الگ الگ کام ہیں (۱/۸۷)

(۲) برہمن کا کام وید پڑھنا، یگیہ کرنا، دان لینا ۔ چھتری کا کام رعایا کی حفاظت کرنا، دان دینا دنیا کی نعمتوں میں دل نہ لگانا ۔ ویش کا کام چارپایوں کی حفاظت کرنا، دان دینا، تجارت اور کھیتی کرنا اور سود لینا ۔ شودر کا کام مذکورہ ہر سہ ذاتوں کے لوگوں کی خدمت کرنا (۱/۸۹، ۹۰، ۹۱)

(۳) برہمن، چھتری، ویش یہ تینوں ورن دوجنما کہلاتے ہیں اور چوتھا ورن شودر ایک جنما کہلاتا ہے اور کوئی پانچواں ورن نہیں ہے (۱۰/۴)

(۴) شوہر شودر اور بیوی برہمنی ہو تو اُس سے جو اولاد پیدا ہو گی وہ چنڈال کہلائیگی جو شودر سے بھی زیادہ ذلیل ہوگی (۱۰/۱۲)

(۵) ورنوں سے باہر نکلے ہوئے آدمیوں کے واسطے برہمن اور گئو کی حفاظت کے واسطے جان دیدینا نجات کا موجب ہے (۱۰/۶۲)

(۶) شودر عورت کے برہمن کے تخم سے لڑکی پیدا ہو۔ پھر اس لڑکی سے برہمن شادی کرکے لڑکی پیدا کرے۔ پھر اس لڑکی سے برہمن شادی کرکے لڑکی پیدا کرے۔ غرض چھ دفعہ اسی طرح لڑکیاں پیدا ہوں تو پھر آخری لڑکی کی اولاد برہمن ہوتی ہے (۱۰/۶۴)

(۷) اگر نیچ ذات والا آدمی لالچ سے بڑی ذات والوں کا سا کام کرے تو راجہ اُس کی تمام دولت ضبط کرکے ملک بدر کرے (۱۰/۹۶)

عقائد و مذہبی مراسم

(۱) آگ کو مُنہ سے نہ پھونکے، آگ میں ناپاک چیز نہ ڈالے، پاؤں نہ تاپے، آگ کو چارپائی کے نیچے نہ رکھے نہ اس پر سے گذرے (۴/۵۳ و ۵۴)

(۲) بارش کے موسم یعنی ساون بھادوں میں ویدوں کو پڑھنا اور غور کرنا چاہیے۔ بارش کے موسم میں اور کوئی کام نہیں ہوسکتا لہذا یہ کام کرنا چاہیے (۴/۹۵ و ۹۶)

(۳) پانی میں اور آدھی رات کو اور پاخانہ و پیشاب کرتے وقت دل میں بھی وید کا خیال نہ لائے اور جھوٹے مُنہ وید نہ پڑھے (۴/۱۰۹)

(۴) جس جگہ اور جس وقت خاک اُڑتی ہو یا کسی طرف آگ لگی ہو یا گیدڑ۔ کتا، گدھا اور اونٹ بولتا ہو اُس وقت وید کو نہ پڑھنا چاہیے۔ گھوڑا، ناؤ، ہاتھی، درخت، گدھا اور اونٹ پر بیٹھ کر وید نہ پڑھنا چاہیے (۴/۱۱۵ و ۱۲۰)

(۵) چوپایہ، مینڈک، بلی، کتا، سانپ، نیولا، چوہا۔ ان میں سے کوئی ایک اگر اُستاد اور شاگرد کے درمیان ہوکر نکلجائے تو ایک دن رات کی تعطیل کرنی چاہیے (۴/۱۲۶)

(۶) عین صبح، عین شام اور عین دوپہر کے وقت اور اجنبی شخص اور شودر کے ساتھ اکیلا کہیں نہ جائے۔ برہمن جھوٹے مُنہ ہوکر اپنے ہاتھوں سے برہمن، گائے، آگ کو نہ چھوئے اور چاند سورج اور ستاروں کو

نہ دیکھے (۴/۱۴۰ و ۱۴۲)

(۷) اگر ادھرم (گناہ) کا پھل ادھرم کرنیوالے کو نہیں ملتا تو اُسکے بیٹے کو ملتا ہے اگر بیٹے کو نہ ملے تو اُسکے پوتے کو ملتا ہے اگر پوتے کو بھی نہ ملے تو نواسے کو ملتا ہے (۴/۱۷۳)

(۸) سواری۔ چارپائی۔ کنوان۔ باغ۔ مکان یہ سب جسکے ہوں اُسکی اجازت کے بغیر جو شخص استعمال کرتا ہے وہ اصل مالک کے گناہوں کا چوتھائی حصہ پاتا ہے۔ (۴/۲۰۲)

(۹) جھوٹ بولنے غرور کرنے۔ برہمن کی بیقدری کرنے سے خیرات۔ عبادت اور عمر کا ستیاناس ہو جاتا ہے (۴/۲۳۷)

(۱۰) جس طرح ہر ایک دھات کو آگ میں تپانے سے اُسکا میل دُور ہو جاتا ہے اسی طرح حبس دم کرنے سے تمام گناہ دور ہو جاتے ہیں۔ (۶/۷۱)

(۱۱) صلاح و مشورے کے وقت راجہ کو اندھا۔ بہرا۔ ۸۰ برس سے زیادہ عمر کا آدمی۔ ملیچھ۔ عورت۔ مریض۔ ایک عضو نہ رکھنے والا آدمی۔ پرند۔ ان سب کو جدا کر دینا چاہیئے (۷/۱۵۰)

(۱۲) دیدہ و دانستہ رحم کی وجہ سے جھوٹ بولنے میں آدمی کا مرتبہ دیوتا کی برابر ہو جاتا ہے جہاں سچ بولنے سے برہمن۔ چھتری۔ ویشیہ کی جان جاتی ہو وہاں جھوٹ بولنا سچ سے بھی زیادہ اچھا ہے۔ جھوٹ بول کر گھر میں آکر سرسوتی دیوی کی قربانی کرے تو جھوٹ بولنے کے گناہ سے نجات پائے (۸/۱۰۳ و ۱۰۴ و ۱۰۵)

علم و مذہب پر پابندیاں

(۱) عالموں کو چاہیئے کہ خواہ اُن کا علم اُن کے ساتھ ہی جائے لیکن نا اہل اور غیر مستحق کو علم نہ سکھائیں (۲/۱۱۳)

(۲) جو لوگ بغیر گرو کے وید کو سُن سُنا کر سیکھتے ہیں وہ وید کے چور ہیں (۲/۱۱۶)

(۳) عورت۔ جواہرات۔ علم۔ شیریں زبانی۔ کاریگری۔ ان سب کو جہاں سے ملے لے لینا چاہیئے (۲/۲۴۰)

(۴) شودر کو کوئی صلاح و مشورہ نہ دے۔ شودر کو بچا ہوا کھانا بھی نہ دے۔ دہرم اور برت کی نصیحت بھی شودر کو نہ کرے (۴/۸۰)

(۵) جو شخص شودر کو دہرم اور برت کا اپدیش دیتا ہے وہ مع اس شودر کے اسمبرت نام دوزخ میں جاتا ہے (۴/۸۱)

سود خوری

(۱) سود کی شرح سوا روپیہ فیصدی ماہانہ مقرر کرنی چاہئے۔ (۸/۱۴۰)

(۲) فیصدی دو روپیہ ماہانہ سود کی شرح مقرر کرنا بھی گناہ نہیں ہے (۸/۱۴۱)

(۳) برہمن سے دو روپیہ فیصدی ماہانہ چھتری سے تین روپیہ۔ ویش سے چار روپیہ اور شودر سے پانچ روپیہ فیصدی ماہانہ سود لینا چاہئے (۸/۱۴۲)

(۴) ویش کا کام کھیتی کرنا اور سود لینا اور چارپایوں کی پرورش کرنا ہے (۸/۴۱۰)

تقسیم میراث

(۱) باپ کے مرنے کے بعد اگر بھائی ملکر نہ رہیں اور الگ الگ رہنا چاہیں تو باپ کے ترکے کی تقسیم اسطرح ہونی چاہئے کہ کل اثاثہ میں سے عمدہ اور اچھی چیزیں اور بیسواں حصہ بڑے بھائی کو ملے اور اسکا نصف یعنی چالیسواں حصہ منجھلے کو اور منجھلے سے آدھا چھوٹے کو پھر جو باقی بچے وہ سب کو برابر تقسیم کر دیا جائے (۹/۱۱۲)

(۲) باپ کے ترکہ میں گائے بیل وغیرہ جانور ہوں اور تقسیم میں پورے نہ آئیں تو اس حالت میں جز یعنی کسر کی جگہ پورا جانور بڑے بھائی کو ملے (۹/۱۱۸)

(۳) چھوٹا بھائی بڑے بھائی کی بیوی سے بیٹا پیدا کرے تو اس بیٹے کے ساتھ اُس کے تمام چچا برابر حصہ تقسیم کریں اس بیٹے کو بڑے بھائی کے برابر حصہ نہ دیں (۹/۱۱۹)

(۴) اگر ایک برہمن کی چار بیویاں ہوں اور چاروں چار مختلف ورنوں سے تعلق رکھتی ہوں اور چاروں کے اولاد ہو تو ترکہ کی تقسیم اس طرح ہوگی کہ برہمنی کے لڑکے کو گھوڑا۔ سانڈ۔ رتھ وغیرہ سواری اور

عمدہ زیور اور لباس میں سے جو سب سے عمدہ ہو ایک ایک چیز دیجائیگی پھر باقی ترکہ میں سے تین حصے برہمنی کے بیٹے کو۔ دو حصے کھترانی کے بیٹے کو۔ ڈیڑھ حصہ ویش عورت کے بیٹے کو۔ اور ایک حصہ شودر عورت کے بیٹے کو ملیگا۔ (یہ تقسیم حصص پندرہ سہام بناکر ہوسکیگی) (۹/۱۴۸ و ۱۴۹ و ۱۵۰)

(۵) برہمن کی چار بیویاں مختلف ورنوں کی ہوں اور صرف شودر قوم کی بیوی سے بیٹا ہو اور باقی بیویوں سے اولاد نہ ہو تو اس حالت میں شودر بیوی کے بیٹے کو دسویں حصے سے زیادہ نہ ملیگا (۹/۱۵۴)

(۶) مخنث۔ پیدایشی اندھا یا بہرا یا گونگا یا کوئی عضو نہ رکھنے والا ترکہ پدری سے کوئی حصہ نہیں پا سکتا (۹/۲۰۱)

عورت کی حیثیت

(۱) عورت خواہ نابالغ ہو خواہ جوان ہو خواہ بوڑہی ہو گھر میں کوئی کام خود مختاری سے نہ کرے (۵/۱۴۷)

(۲) عورت لڑکپن میں اپنے باپ کے اختیار میں رہے اور جوانی میں شوہر کے اختیار میں اور بیوہ ہونے کے بعد اپنے بیٹوں کے اختیار میں رہے۔ خود مختار ہو کر کبھی نہ رہے۔ (۵/۱۴۸)

(۳) عورت کے لئے قربانی اور برت کرنا گناہ ہے صرف شوہر کی خدمت کرنا چاہئے۔ عورت کو چاہئے کہ اپنے شوہر کے مرنے کے بعد دوسرے شوہر کا نام بھی نہ لیوے۔ کم خوراکی کے ساتھ اپنی زندگی کے دن پورے کر دے۔ (۵/۱۵۵ و ۱۵۶)

(۴) طمع نہ رکھنے والا ایک آدمی بھی گواہ ہوسکتا ہے اور طہارت رکھنے والی بہت عورتیں گواہ نہیں ہوسکتیں کیونکہ عورتوں کی عقل ایک حالت پر قایم نہیں رہتی اور جو آدمی عیب دار ہیں مثلاً کانا وغیرہ وہ بھی گواہ نہیں ہوسکتے (۸/۷۷)

(۵) لڑکپن میں باپ اور جوانی میں شوہر اور بوڑہاپے میں بیٹا عورتوں کی نگرانی کریں کیونکہ عورتیں خود مختار ہونے کے لائق نہیں ہیں (۹/۳)

(۶) جھوٹ بولنا عورتوں کا ذاتی خاصہ ہے (۹/۱۷)

نیوگ

(منوجی مہاراج نے منوسمرتی کے ادھیائے نہم میں نیوگ کے جو آئین و قوانین درج کئے ہیں

اُن کا اقتباس اس جگہ درج کرنے سے تہذیب وحیا مانع ہے۔ اصل کتاب منوسمرتی ہیں اور اُس سے بھی زیادہ تفصیل کے ساتھ پنڈت دیانند کی کتاب ستیارتھ پرکاش ہیں نیوگ کی رسم کا حال موجود ہے جسکو ضرورت محسوس ہو دونوں جگہ ملاحظہ کرسکتا ہے اور دونوں کتابیں متداول اور ہر جگہ باآسانی دستیاب ہوسکتی ہیں۔)

غلامی

(۱) لڑائی میں فتح کیا ہوا۔ خوراک پر غلامی کو منظور کرنے والا کسی جرم کے عوض غلامی کو قبول کرنیوالا۔ گھر کی باندی سے پیدا شدہ بزرگوں سے ورثہ میں ملا ہوا۔ یہ سب داس یعنی غلام ہیں (۸/۴۱۵)

(۲) غلام جو دولت جمع کرے وہ سب دولت اُسکے مالک کی ہے اور غلام اُسکا حقدار نہیں (۸/۴۱۶)

گوشت خوری

(۱) بزرگوں کی ارواح مچھلی کا گوشت بھوجن کرانے سے دو مہینے تک اور ہرن کے گوشت سے تین مہینے تک۔ بھیڑ کے گوشت سے چار مہینے تک۔ پرندوں کے گوشت سے پانچ مہینے تک آسودہ رہتی ہیں۔ (۳/۲۶۸)

(۲) جو برہمن زیادہ عمر ہونے کی خواہش رکھتا ہو وہ نیا غلہ جب تک اس غلہ سے خیرات نہ کرے اور جانور کا گوشت جب تک اس گوشت سے خیرات نہ کرے دونوں کو نہ کھائے (۴/۲۷)

(۳) مول لئے ہوئے یا دوسرے کے لائے ہوئے گوشت کو دیوتا اور پتر دنکو (ارواح بزرگان کو) بھوگ لگا کر کھانے سے پاپ نہیں ہوتا (۵/۳۲)

(۴) شاستر کی رو سے جو گوشت پاک ہے اُسکو جو آدمی نہیں کھاتا وہ پرلوک میں اکیس جنم تک پشو رہتا ہے (۵/۳۵)

(۵) شری برہماجی نے آپ سے آپ قربانی کے واسطے جانوروں کو پیدا کیا ہے لہذا قربانی میں جو قتل ہوتا ہے وہ قتل نہیں کہلاتا (۵/۳۹)

(۶) مدھوپرکا۔ قربانی۔ دیوکرم اور ارواح بزرگان کے لئے قربانی کی غرض سے جانور کو مارنا

چاہئے۔ مذکورہ بالا اغراض کے لئے جانور کو مار کر ذی علم برہمن اپنے آپ کو اور اُس جانور کو نجات کا مستحق بناتا ہے (۵/۴۲ و ۴۴)

(۷) جو ہنسا (قتل) اس دنیا میں وید کے حکم کے موافق ہے اُسکو ہنسا نہ سمجھنا چاہئے کیونکہ وید ہی سے دھرم نکلا ہے (۵/۴۴)

پادشاہ پرستی

(۱) چونکہ دیوتاؤں کے انس سے راجہ پیدا ہوا ہے لہذا اپنے تیج سے سب جانداروں کو مغلوب کرتا ہے۔ راجہ دیکھنے والونکی آنکھوں اور دل کو سورج کی طرح تپاتا ہے کوئی آدمی زمین پر راجہ کے روبرو ہو کر اسکو دیکھ نہیں سکتا کیونکہ اُسکا تیج سورج کی مانند ہے (۷/۵ و ۶)

(۲) راجہ بالک بھی ہو تو بھی اسکی تحقیر نہ کرنی چاہئے کیونکہ راجہ بصورت انسان بڑا دیوتا زمین پر قایم ہے (۷/۸)

(۳) جس راجہ کی خوشی میں دولت۔ طاقت میں فتح۔ اور غصہ میں موت رہتی ہے وہ راجہ تمام تیجوں کا دھارن کرنے والا ہے (۷/۱۲)

(۴) ایشور نے سب کاموں کو راجہ کے ذریعہ سے درست کرلے اور جانداروں کی حفاظت کے واسطے پہلے ہی سے سزا کا انتظام کیا ہے (۷/۱۵)

(۵) دنیا میں ڈنڈ یعنی سزا ہی راجہ ہے اور راجہ مرد اور سب لوگ عورت ہیں کاموں کا انجام دینے والا اور دہرم کا ضامن راجہ ہی ہے (۷/۱۷)

(۶) جو ذاتیں اور طبقے اپنے اپنے دھرم پر ثابت قدم ہیں اُن کی حفاظت کے لئے راجہ پیدا کیا گیا ہے (۷/۳۵)

تاریخی و جغرافی ہدایات

(۱) دیوتاؤں کی ندی جو سرسوتی اور درگھدوتی ہیں اِن دونوں کے بیچ میں جو ملک ہے اسکو برہماورت کہتے ہیں (۲/۱۷)

(۲) برہماورت کے متصل کرکشیتر، تیسہ، پنچال، شوسینگ۔ بھدواریہ یہ دیش رشیوں کی ہیں (۲/۱۹)

(۳) تمام مردمانِ عالم اپنی پیدائش اسی ملک کے رہنے والے برہمنوں سے جانیں (۲/۲۰)

(۴) ہماچل اور بندھیاچل کا بیچ ونشن کے پورب اور پریاگ کے پچھم مدھیہ دیش کہلاتا ہے (۲/۲۱)

(۵) کالا ہرن اپنے سبھاؤ میں جس دیش میں رہے وہ دیش یگیہ کرنے کے لایق ہے اسکے سوا سب ملیکش دیش ہے (۲/۲۳)

(۶) برہمن۔ چھتری ویش سلوک کے ساتھ اسی کالے ہرن والے ملک میں رہیں اور شودر جس ملک میں چاہیں رہیں (۲/۲۴)

افلاطون کا قانون سلطنت

یونان کا شہرۂ آفاق حکیم افلاطون بھی جو یونان کے مشہور مقنن سولن کے خاندان سے تعلق رکھتا اور حکیم سقراط کا شاگرد رشید تھا مقننینِ عالم میں شمار ہوتا ہے۔ سولن نے چھٹی یا ساتویں صدی قبل مسیح میں اہلِ یونان کے لئے اُن کے مروجہ قانون میں ایک ایسی قابلِ قدر اصلاح کی تھی جس سے سرمایہ داروں اور امیروں کے مظالم جو مزدوری پیشہ اور عوام پر حد سے زیادہ بڑھ گئے تھے بہت کچھ کم اور کوتاہ ہو گئے تھے۔ افلاطون جو پانچویں صدی قبل مسیح میں پیدا ہوا ایک مکمل قانون کا مجوز ہے۔ اگرچہ افلاطون کا مجوزہ قانون کسی ملک یا کسی قوم میں مروّج اور زیر عمل نہیں آیا تاہم معقولی حیثیت سے اسکی تعریف کیجاتی ہے اور اُسکا یہ نظامِ سلطنت ایک کتاب کی شکل میں کتابِ سلطنت یا کتابِ عدل کے نام سے مشہور ہے اور اُسکے ترجمے مختلف زبانوں میں ہو چکے ہیں۔

افلاطون نے ایک فرضی مکالمہ کی صورت میں نہایت قابلیت کے ساتھ انسان کو باہمی معاونت کا محتاج ثابت کر کے مدنیت کی ابتدائی صورت کا ایک لطیف خاکہ پیش کیا اور ایک آبادی قایم کر کے نظام جمہوری کا ابتدائی نقشہ کھینچا ہے پھر شخصی۔ شخصی موتری۔ اعیانی۔ جمہوری۔ استبدادی۔ اشتراکی وغیرہ سلطنتوں کے قایم ہونے اور بگڑنے کے اسباب و علل نہایت

یقین آور ساحرانہ انداز میں بیان کئے ہیں اور جا بجا ایسے منطقیانہ وفلسفیانہ استدلال سے کام
لیا ہے کہ انسان پر سرور وحیرت کی ایک مرکب کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ وہ خود حیات بعد الممات
کا قائل اور واحد ولا شریک خدا کا ماننے والا ہے لیکن اُسکے زمانے میں یونان کے اندر بُت پرستی
کا عام رواج تھا۔ افلاطون نے نظامِ سلطنت پر اصولی بحثیں کی ہیں منوجی مہاراج کی طرح
کوئی مجموعۂ قوانین نہیں پیش کیا۔ لہذا یہ دشوار ہے کہ افلاطون کے نظامِ سلطنت کا کسی مجموعۂ قوانین
سے مقابلہ وموازنہ کیا جاسکے تاہم افلاطون کی کتاب سے بعض متفرق مطالب ذیل میں درج
کئے جاتے ہیں جو بہت کچھ اندازہ کرنے میں آسانی پیدا کر سکتے ہیں۔

(۱) حقیقی دانشمندی کے متعلق وہ کہتا ہے کہ بدگمان۔ چالاک اور فریبی آدمی اپنے ہمجنسوں
میں عقلمند سمجھا جاتا ہے لیکن نیک اعمال اور تجربہ کار لوگوں کی مجلس میں وہ احمق نظر آتا ہے
چونکہ اُسکو ایمانداری سے کوئی واسطہ نہیں لہذا وہ نیک اور ایماندار شخص کو پہچان ہی نہیں سکتا
مگر چونکہ دنیا میں بدوں کی تعداد نیکوں سے زیادہ ہے لہذا لوگ اسے عقلمند سمجھتے ہیں۔ لیکن ایسا
شخص قیامِ عدل کے لئے کوئی خدمت انجام نہیں دے سکتا۔ ہاں ایک نیک اعمال اور نیک
طینت شخص نیکی وبدی میں صحیح تمیز کر سکتا ہے۔

(۲) جسکو علم کی سچّی محبت ہے وہی صدق وراستی کا عاشق ہے جو صداقت وحقیقت کا
عاشق ہے وہ لذاتِ جسمانی پر ہمیشہ لذاتِ روحانی کو ترجیح دیتا ہے۔

(۳) جو شخص حکومت کی قابلیت رکھتا ہے وہ لوگوں سے التجا نہیں کیا کرتا کہ میرے محکوم ہو
بلکہ لوگوں کا فرض ہے کہ وہ اُس سے التجا کریں کہ ہمارے اوپر حکومت کرو۔

(۴) جب تک شخصی واجتماعی اغراض ومقاصد میں امتیاز وتباین موجود رہے گا اُس وقت تک
سلطنت کو استحکام حاصل نہیں ہو سکیگا۔

(۵) جس سلطنت میں حکام لوگوں پر حکومت کرنے سے بچنا اور پرہیز کرنا چاہیں اُس میں سب سے
اچھی حکومت ہوتی ہے بخلاف اسکے حکام اگر حکومت کے زیادہ شایق ہوں تو وہ سب سے زیادہ خراب

حکومت ہے۔

(۶) دولت اور نیکی میں ایک قسم کا تضاد ہے۔ جسقدر کسی سلطنت میں دولتمند لوگوں کی قدر و عزت ترقی کرتی ہے اُسی قدر نیک لوگوں کی بے عزتی و بے توقیری میں اضافہ ہوتا ہے۔

(۷) دولت کو معیارِ حکومت قرار دینا سخت غلطی ہے جن لوگوں کے پاس دولت زیادہ ہے وہ حکومت میں زیادہ شریک اور جن کے پاس دولت نہ ہو یا معیار مقررہ سے کم ہو اُنکو حکومت میں حصہ نہ لینے دیا جائے تو اسطرح حکمران جماعت عموماً نیک۔ عقلمند اور حکومت کرنیکی قابل لوگوں سے خالی ہوتی ہے

(۸) دولت ایک اضافی شرف ہے ذاتی نہیں۔ جو شخص آج محض دولت کی وجہ سے فرمانروا جماعت کا ایک رُکن اور حکومت کرنے کا حقدار ہے اگر کل اُسکی تمام دولت اُس سے چھن جائے تو وہ شہر کا ایک ناکارہ اور ذلیل آدمی رہجائیگا کیونکہ وہ کوئی ذاتی شرف نہیں رکھتا۔ وہ درحقیقت مقاصد شہریت کے لئے مطلق مفید نہ تھا جس طرح کہ اب مفلس ہونے کے بعد مفید نہیں ہے۔

(۹) جس ملک میں مفلس اور گداگر زیادہ ہوتے ہیں اُسمیں چور۔ ڈاکو اور بدمعاش بھی زیادہ ہوتے ہیں۔

(۱۰) حکومت اعیان یا حکومت خواص میں ہر شخص مالدار بننے کی کوشش کرتا ہے۔ سود کا رواج ہوتا ہے آبادی کا ایک حصہ امیر اور ایک حصہ فقیر بنتا جاتا ہے۔ دولتمند لوگ اپنی دولت کے ذریعہ مفلسوں کے اخلاق کو برباد کرتے اور اُن کو اپنی کٹھ پتلیاں بنا لیتے ہیں۔ نیکی اور راستبازی کی طرف کوئی ملتفت نہیں ہوتا۔

(۱۱) مطلق العنان شخصی حکومت اور موتمری حکومت دونوں کے خطرات و عیوب ایک ہی حیثیت کے ہوتے ہیں کیونکہ مرکز حکومت ایک شخص ہو یا متعدد اشخاص کا مجموعہ ہو دونوں سے غلط کاری کا ارتکاب ممکن ہے جب تک کہ حکومت کے بنیادی قوانین بے عیب اور محفوظ نہ ہوں۔

(۱۲) جمہوری حکومت میں بیٹا باپ کا ادب ضروری نہیں سمجھتا اخلاقی قوانین کی پابندیاں جاتی رہتی ہیں۔ گھوڑے اور گدھے انسانوں کا اعزاز حاصل کر لیتے ہیں۔ بالآخر یہ آزادی ہی غلامی کا

سبب بنجاتی ہے اور جمہوری حکومت سے استبدادی حکومت جنم لیتی ہے۔

(۱۳) استبدادی حکومت سب سے زیادہ خراب اور عادل و نیکدل پادشاہ کی حکومت جسکو شخصی موتمری حکومت کہنا چاہئے سب سے اچھی حکومت ہوتی ہے (اسی کو آلہی حکومت کہنا چاہئے جسے خلافت بھی کہتے ہیں۔)

(۱۴) سب سے بہتر سلطنت وہ ہے جو اپنے نظام میں نظام جسم انسانی سے زیادہ مشابہ ہو کہ جسم کے ایک عضو کو اذیت پہونچتی ہے تو تمام جسم اذیت محسوس کرتا ہے۔

افلاطون نے سلطنت کا جو نظریہ پیش کیا ہے اُسکا خلاصہ یہ ہے کہ فطری ضروریات سے مجبور ہو کر لوگ ایک جگہ جمع ہوتے اور ایک شخص کی اطاعت قبول کر لیتے ہیں۔ اب اگر وہ شخص جس کی اطاعت قبول کی گئی ہے اخلاقی اعتبار سے اچھا ہے تو سلطنت اچھی ہے اور بُرا ہے تو سلطنت بُری ہے۔ بہر حال حکمران طاقت ہی اصل سلطنت ہے اور اس حکمران شخص یا حکمران جماعت کے لئے جو اخلاق افلاطون تجویز کرتا ہے وہ سراسر فلسفیانہ اخلاق ہیں اور افلاطون کی حکومت ایک فلسفی حکومت بنجاتی ہے لیکن فلسفی حکومت اور فطری حکومت میں فرق ہے اور انسان کے لئے فلسفی حکومت سے زیادہ فطری حکومت کی ضرورت ہے۔ افلاطون کے نظام تمدن اور نظام سلطنت میں بہت سی چیزیں فطرت انسانی کے سراسر خلاف ہیں یعنی منطقی و معقولی اعتبار سے وہ کتنی ہی قابل تعریف اور مستحق ستائش ہوں لیکن اُن کا عمل میں لانا فطرتِ انسانی کے لئے غیر ممکن اور محال ہے! افلاطون کے نظریہ سلطنت کو خالص منطق کہا جا سکتا ہے مجموعۂ اخلاق نہیں کہا جا سکتا۔ وہ نظریات کی حد میں زندہ وسالم اور خوبصورت چیز ہے جو عملیات کی حدود میں داخل ہوتے ہی ہلاک اور پاش پاش ہو جاتی ہے۔ تاہم اسمیں شک نہیں کہ اُسنے اگرچہ صاف صاف نہیں کہا تاہم وہ آلہی سلطنت کی طرف مائل نظر آتا ہے۔ افلاطون کی کتاب کے متعلق ایک فلسفی مزاج پادشاہ مارکس آریلیس کا قول ہے کہ

"اسکی کبھی توقع نہ رکھو کہ افلاطون نے جمہوریت کامل کا جو خواب دیکھا ہے اُسکی تعبیر پوری طرح جیسر نکل سکیگی۔ بس اسی کو غنیمت سمجھو کہ تمہاری کوششوں سے نوع انسان کی حالت کچھ بہتر ہو جائے"

افلاطون کو ایک اسرائیلی پیغمبر کا شاگرد بھی بتایا جاتا ہے۔ افلاطون کا مشہور اُستاد سقراط اگر وہ اسرائیلی پیغمبر نہ تھا اور ایک یونانی حکیم تھا جیسا کہ مشہور ہے تو سقراط بھی توحید باری تعالیٰ کا قائل اور بُت پرستی کا سخت مخالف ہونیکی وجہ سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ یونان کا ایک پیغمبر تھا لیکن حیرت ہوتی ہے کہ ایک اسرائیلی پیغمبر یا سقراط جیسے یونانی پیغمبر یا دونوں کا شاگرد ہونے کے باوجود افلاطون نے اپنی کتابِ سلطنت میں عورتوں کے متعلق جس قسم کے آئین تجویز کئے ہیں اور شادی بیاہ کا جو طریقہ اصرار و تاکید کے ساتھ ضروری بتایا ہے وہ حرمتِ نسوانی۔ حمیتِ انسانی اور فطرتِ انسانی کو اس طرح کچل ڈالنے اور انسانوں کو اس بیدردی کے ساتھ حیوان بنا دینے والا ہے کہ اُسکا تصور بھی انسانی دماغ کے لئے بیحد اذیت رساں اور ناقابلِ برداشت ہے۔ اسپارٹا کے مقنن لائی کرگس اور ہندوستان کے مقنن منوجی مہاراج نے نیوگ کے قابلِ شرم اور غیر فطری عمل کو جس طرح جائز اور ضروری ٹھہرانے میں عام طور پر شرافتِ انسانی کے مجروح کرنے کا الزام اپنے سر پر لیا ہے اُس سے بڑھ کر افلاطون نے اس علم و فلسفہ و خدا پرستی کے باوجود اپنے آپ کو مطعون و مجرم بنایا ہے۔ انسانی فطرت ایک منٹ کے لئے بھی افلاطون کی تجویز کو جائز نہیں ٹھہرا سکتی نہ کبھی کوئی قوم اسکو عملی جامہ پہنا سکتی اور حیوانوں کی طرح زناشوئی کے تعلقات کو گوارا کر سکتی ہے۔ اس خلافِ فطرت بیحیائی کے علاوہ خلافِ انسانیت سنگدلی بھی افلاطون کے مجوزہ نظامِ سلطنت میں موجود ہے۔ یعنی وہ لائی کرگس کی طرح طفل کشی کو بھی جائز ٹھہراتا ہے۔ بہت زیادہ ممکن ہے کہ یہ دونوں باتیں افلاطون جیسے سمجھدار شخص کے نظام میں الحاقی ہوں اور کسی نے اپنی خباثتِ طبعی کو افلاطون الٰہی کے سر تھوپ دیا ہو۔

افلاطون نے اپنا نظریۂ سلطنت جس طرح قایم کیا اور ترتیب دیا ہے اُس سے بدرجہا زیادہ خوبی کے ساتھ امام المورخین ابن خلدون رحمہ نے نظامِ سلطنت اور نظامِ تمدن پر بحث کی ہے۔ ابن خلدون کا نظریۂ سلطنت معقولی ہونے کے ساتھ ہی سراسر عملی بھی ہے۔

چین کے حکیم کنفیوشس کا نظریۂ سلطنت

حکیم کنفیوشس جو کنگ فوزی اور اُستاد کنگ کے نام سے بھی مشہور ہے ۵۵۱ قبل مسیح میں پیدا اور ۴۷۹ ق م میں فوت ہوا یہ ملک چین کا مشہور مصلح یعلم اخلاق۔ بانیٔ مذہب اور مقنن اعظم سمجھا جاتا ہے۔ جس زمانہ میں کنفوشس پیدا ہوا ہے تمام ملک چین میں بدامنی اور خانہ جنگی کی حالت موجود تھی۔ مرکزی سلطنت برائے نام اور شہنشاہ چین شاہِ سطرنج سے زیادہ حیثیت نہ رکھتا تھا۔ صوبوں کے گورنروں نے الگ الگ اپنی خود مختار و مطلق العنان حکومتیں قائم کرلی تھیں اور کسی صوبے کی خود مختار سلطنت میں بھی کسی قانون کی پابندی لازمی نہ تھی اور ہر جگہ بدامنی برپا تھی۔ اخلاق برباد اور شریفانہ مراسم کی پابندی ترک ہوتی جارہی تھی۔ کنفوشس نے ملک کی اس سقیم حالت کا اندازہ کرکے کمرِ ہمت چست باندھی۔ ایک طرف عوام کو اخلاقِ فاضلہ کی پابندی کا وعظ سنانا شروع کیا تو دوسری طرف خود مختار نوابوں۔ سپہ سالاروں اور رئیسوں کو جو آپس میں چھری کٹاری اور ایک دوسرے سے دست و گریبان تھے اتفاق و اتحاد و آشتی کی ترغیب دینے میں مصروف ہوا۔ اُسنے ملک کے اکثر صوبوں کا دورہ کیا۔ ہر جگہ وعظ و پند کے ذریعہ لوگوں کو اپنا ہمخیال بنانا چاہا۔ اُسکی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ اُس نے اپنی عمر کا قریباً تمام زمانہ اسی نیک کام میں صرف کردیا اور لوگوں کو اپنا ہمخیال بنانے میں مصروف رہا اور اُسکو قریباً ہر جگہ نوابوں۔ رئیسوں اور فرمانرواؤں کی مخالفت اور عوام کے تمسخر و استہزاء سے واسطہ پڑا لیکن اُسکی ہمت اور مصروفیت میں مطلق کوئی فرق نہیں آیا۔ اُسکی اسی بلند ہمتی اور استقلال کو دیکھکر بعض لوگوں نے اُسکو ملک چین کا نبی اور خدائے تعالیٰ کی طرف سے بھیجا ہوا ہادیٔ برحق بھی کہا ہے۔ اگرچہ کنفیوشس کو اپنی زندگی میں کماحقہ کامیابی حاصل نہیں ہوئی تاہم ایک جماعت اُسکے شاگردوں اور اُسکے اصولوں کو صحیح ماننے والے عوام کی ضرور پیدا ہوگئی تھی کنفوشس کی وفات کے بعد ملک چین نے اُسی کے مجوزہ آئین و قوانین اور اُسی کے نصائح پر عمل کرکے اپنی عظمت

رفتہ کو واپس حاصل کیا اور آئندہ نسلوں نے اُسکو اپنا نجات دہندہ اور مصلح اعظم مانا۔ کنفوشس کے اقوال۔ اُسکے نصائح اور اُسکے مجوزہ اصول جو اُس زمانے کے چین کی حیات و نجات کا موجب ثابت ہوئے کئی مختلف رسائل و مضامین و جرائد سے انتخاب کر کے ذیل میں درج کئے جاتے ہیں انھیں سے اس چینی ریفارمر کے خیالات اور اُسکی اصلاح قوانین کا اندازہ کیجئے۔

(۱) کنفوشس کے ایک شاگرد نے اُس سے دریافت کیا کہ اگر آپ کو حکومت سپرد کر دیجائے تو آپ کیا کریں۔ اُسنے جواب دیا کہ میں حق اور عدل کو قایم کرنے میں اپنی پوری طاقت صرف کروں۔

(۲) ایک نواب یا صوبہ کے فرمانروا سے کنفوشس نے کہا کہ "عمدہ حکومت اُسی وقت ممکن ہے جبکہ حاکم حاکم ہے۔ وزیر وزیر۔ باپ باپ اور بیٹا بیٹا یعنی حکومت ایک فطری چیز ہے کسی کا حاکم اور کسی کا محکوم ہونا ضروری ہے مگر حکومت کے لئے لازمی شرط یہ ہے کہ حکومت راستبازی (قولی و عملی دیانتداری) اور سخاوت کے ساتھ ہو۔ اور اطاعت و محکومی کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ راستبازی اور صداقت (خلوص) کے ساتھ ہو اور اسکی بہترین تمثیل آسمان اور زمین ہیں کہ آسمان سے بارش ہوتی ہے اور زمین نباتات اگاتی ہے"

(۳) کنفوشس کا قول ہے کہ فرمانروا کو اسی کوشش میں مصروف رہنا چاہئے کہ اُسکی رعایا خوشحال و فارغ البال ہو۔

(۴) حاکم یا پادشاہ کو اسطرح حکومت کرنی چاہئے کہ اُسکی رعایا کو کامل اطمینان ہو جائے کہ ہمارے اعمال و املاک و حقوق محفوظ ہیں اور پادشاہ ہمارا بہی خواہ ہے۔

(۵) پادشاہ کا فرض ہے کہ وہ کسی اہلکار کو کسی کی سفارش یا خوشامد سے متاثر ہو کر رعایا پر حکومت کرنے کے لئے مامور نہ کرے بلکہ اہلکار کی ذاتی قابلیت کو جانچے کہ وہ اپنے فرائض بحسن و خوبی انجام دے سکتا ہے یا نہیں۔

(۶) حاکم اور اہلکار کو سب سے پہلے اپنے اخلاق کی اصلاح کرنی چاہئے اُسکے بعد رعایا اور محکوموں کے اخلاق کی درستی و نگرانی کے کام میں مصروف ہونا چاہئے۔

(۷) یہ ممکن ہی نہیں کہ پادشاہ بداعمال ہو اور اُسکی رعایا نیک اعمال بن جائے۔ رعایا پر ہمیشہ پادشاہ کے اخلاق و اعمال کا اثر پڑتا ہے۔

(۸) پادشاہ کے لئے ضروری ہے کہ سخی ہو مگر مُسرف نہ ہو۔ خوددار ہو مگر متکبر نہ ہو۔ بارعب ہو مگر خوفناک نہ ہو۔ بلند نظر اور درگزر کرنے والا ہو مگر بے انصاف نہ ہو۔ رعایا سے کام لے مگر لوگوں کی طاقت سے زیادہ اُن پر بوجھ نہ ڈالے۔

(۹) پادشاہ کے لئے ضروری ہے کہ ظلم و ستم۔ تشدد و سخت گیری۔ اور کم ظرفی و چھچھورپن کی باتوں سے کوسوں دور رہے اور اُسکے تمام اہلکارانِ سلطنت بھی ایسے ہی ہوں۔

(۱۰) پادشاہ کی نیک کرداری و فرض شناسی و مستقل مزاجی ایسی اعلیٰ درجہ کی ہونی چاہیئے کہ دوسرے بھی اُس سے خودبخود متاثر ہوں۔

(۱۱) ہر قسم کے اخلاق حسنہ سے متصف اور اپنا نیک نمونہ پیش کرنے کے باوجود پادشاہ کا فرض ہے کہ بدمعاشوں اور شریروں سے جو نیکیوں کا اثر قبول ہی نہیں کرسکتے غافل اور بے خبر نہ رہے اور اُنکی سزادہی کے لئے ہمیشہ مستعد رہے۔

(۱۲) بادشاہ کا فرض ہے کہ ہمیشہ داناؤں۔ تجربہ کاروں اور نیک اعمال لوگوں کو اپنی مصاحبت میں رکھے اور اعاظم امور میں اُنکے مشوروں سے فائدہ اور روشنی حاصل کرنے میں کوتاہی عمل میں نہ لائے۔

(۱۳) کنفوشس کا قول تھا کہ انسانی ہمدردی۔ عدل۔ پابندی مراسم مذہبی۔ راستبازی۔ خلوص یہ ایسی چیزیں ہیں جو پادشاہ اور رعایا دونوں کے لئے ضروری ہیں بغیر اُنکے نظام سلطنت برقرار نہیں رہ سکتا۔

(۱۴) کنفوشس کا قول ہے کہ انسان کے مرتبے کا اندازہ اُسکے دعاوی و الفاظ سے نہیں بلکہ اُسکے اعمال سے کرنا چاہیئے۔ علم بغیر عقل کے بیکار اور عقل بغیر علم کے موجب آزار ہے۔

ارسطو کا فلسفہ ریاست

ارسطو یونان کا مشہور حکیم اور سکندر یونانی کا اتالیق تھا اُسنے انسان کو جماعت کے ساتھ زندگی

بسر کرنے کے لئے مجبور یعنی فطرتاً متمدن تسلیم کر کے سلطنت کو ایک ناگزیر چیز ثابت کیا ہے اُس کے نزدیک انسان کی جسمانی ضروریات اسی طرح پوری ہو سکتی اور اُسکو اخلاقی وتمدنی ترقیات اسیطرح میسر آ سکتی ہیں کہ وہ جماعت کا رُکن بن کر رہے اور انسان کی فطری نشو ونما اسی طرح ممکن ہے کہ وہ کسی نظامِ سلطنت کے ماتحت زندگی بسر کرے۔ اُسکے نزدیک سلطنت ہی وہ اخلاقی نظام ہے جس کے ذریعہ انسان اپنے مقصدِ حیات کو پورا کر سکتا ہی۔ ارسطو نے افلاطون کی طرح کوئی خیالی اور نظری خاکہ سلطنت کا قایم نہیں کیا بلکہ وہ انسان کے فطری تقاضوں اور اُس کی عملی استعدادوں اور انسانی زندگی کی لازمی ضرورتوں کو بخوبی مدنظر رکھتا ہے۔ لیکن چونکہ وہ افلاطون کی طرح ہستیٔ باری تعالیٰ۔ حیات بعد الممات اور جزا و سزا کا کچھ زیادہ قائل نہیں ہے لہذا اُس کے نظریۂ سلطنت میں بلند نظری۔ نیکی۔ خواہشات نفسانی کے مقابلہ کی جرأت وہمت اور حکمت و دانائی کا لحاظ اُس درجہ نہیں پایا جاتا جو افلاطون کے یہاں موجود ہی۔ ارسطو پر مذہب کا کوئی اثر نہیں پایا جاتا بلکہ وہ مادیت اور دہریت میں غرق نظر آتا ہی۔ تاہم وہ اس لئے قابلِ تعریف ہی کہ افلاطون کی طرح ازواج واملاک کو تمام لوگوں کے لئے مشترک قرار نہیں دیتا بلکہ مراسمِ ازدواج اور شخصی ملکیتوں کو قایم رکھکر افراد کے باہمی ارتباط و تعلقات سے سلطنت اور نظامِ سلطنت کو قایم کرتا ہی جو ملک وقوم کی ترقی وحفاظت کا ذریعہ بن سکے۔

شاہی یا شخصی سلطنت۔ اعیانی یا چند امرا وخواص کی سلطنت۔ جمہوری سلطنت۔ اِن سب کو ارسطو جائز اور مفید تسلیم کرتا ہی بشرطیکہ سلطنت کا مقصد ملک وقوم کی خدمت ونفع رسانی ہو۔ اور اگر سلطنت کا مقصد حکمرانوں کے مطلوب ومقصود وبہبود کو مقدم رکھتا ہی تو خواہ وہ کسی قسم کی سلطنت ہو خراب اور ناقابلِ قیام اور مضر انسانیت سلطنت ہی۔ ارسطو چونکہ مذہبیت سے دور ومہجور اور دہریت سے مخمور تھا لہذا اُس نے مرکزِ طاقت اور منبع قوانین انسانوں ہی کو قرار دیکر تین قسم کی سلطنتیں تجویز کیں حالانکہ اس تقسیم میں ایک چوتھی قسم جو سب سے اہم اور سب سے زیادہ بے عیب تھی اُس کا ارسطو کو خیال بھی نہیں آیا وہ چوتھی قسم الٰہی سلطنت

یا مذہبی سلطنت تھی جسمیں اعلیٰ طاقت کسی انسان کو حاصل نہیں ہوتی اور فرمانروا شخص یا فرمانروا جماعت قانونسازی کا کوئی حق نہیں رکھتی بلکہ قانون خدائے تعالےٰ کی طرف سے ملتا ہے جسکو شریعت کہتے ہیں۔

ارسطو نے بادشاہ یا فرمانروا جماعت کے فرائض کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک تقنین۔ اسی میں مشورہ۔ غور و فکر۔ صلح و جنگ۔ سیاست وغیرہ شامل ہیں۔ دوسرے حکومت یعنی نظام سلطنت اور قوانین کا نافذ کرنا اور زیر عمل لانا۔ تیسرے عدالت و انصاف اور فصل خصومات۔ ارسطو کی اس تجویز و تقسیم میں سب سے بڑا نقص یہ ہی کہ جو شخص یا جماعت قانونساز ہی وہی نافذ کنندہ اور وہی عدالتی فیصلہ صادر کرنیوالی ہے اور چونکہ وہ انسان ہی اور اُس کے ذاتی مقاصد کا دوسرے انسانوں کے مقاصد سے متصادم ہونا ممکن ہے لہذا جمہور کا اعتماد ایسی سلطنت کے متعلق تا دیر قایم نہیں رہ سکتا جب تک کہ اِن تینوں اجزائے سلطنت کے جُدا جُدا مرکز اس طرح نہ ہوں کہ ایک دوسرے کو متاثر نہ کر سکے۔

ارسطو کے نظامِ سلطنت کا سب سے بڑا عیب یہ ہی کہ وہ ہنگامی و مقامی یعنی ازسرتاپا صرف ملکِ یونان اور یونان کی رہنے والی برسراقتدار قوم کے لئے ہے۔ اُس میں جابجا یونانی اور غیر یونانی کا امتیاز موجود ہے۔ ارسطو خود مغلوب و مفتوح اقوام کیلئے غلامی و خدمتگاری تجویز کرتا اور اُنکو کوئی سیاسی حق اور آزادئی اعمال اور آزادئی خیال اور آزادئی تعلیم نہیں دیتا جیساکہ لائی کرگس اور منو نے اِس قابلِ شرم امتیاز کو سختی سے قایم رکھا اور اپنی مفتوح و مغلوب اقوام کو عام انسانی حقوق سے محروم کر دیا تھا۔

ارسطو نے اپنی کتاب السیاست میں سلطنت کے متعلق آٹھ فقرے ایک دائرے کی شکل میں لکھے ہیں جن میں ہر ایک فقرہ اپنے ماقبل کی تفسیر ہی اور اِن آٹھوں فقروں میں کسی کی نسبت یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ابتدا یہاں سے ہوئی ہی وہ فقرات اِس طرح ہیں۔
بادشاہ ایک منتظم ہی جس کی مددگار سپاہ ہے۔ سپاہ وہ مددگار ہے جس کی کفالت مال سے

ہوتی ہی۔ مال وہ رزق ہی جو رعیت سے حاصل ہوتا ہے۔ رعیت وہ غلام ہے جسکی حفاظت و حمایت عدل کرتا ہی۔ عدل ایک پسندیدہ کام ہی جس سے عالم کا قوام وانتظام ہے۔ عالم ایک باغ ہے اور دولت سے اُس کی آبیاری ہوتی ہے۔ دولت ایک قوت ہے جس سے قانون اور مذہب رواج پاتا ہی۔ قانون اور مذہب ایک سیاست ہی جو پادشاہ کی ہاتھ میں ہی۔ اس کے بعد پھر وہی فقرہ آ کر کہ پادشاہ ایک منتظم ہی دوبارہ دَور شروع ہوجاتا ہی ارسطو کا یہ دائرہ اس میں شک نہیں ذہانت اور غور وخوض کا نتیجہ ہے لیکن یہ اس قابل نہیں کہ اسکو کچھ زیادہ اہمیت دیجائے اسکے متعدد فقرات جرح وتعدیل اور بحث وتحلیل کے شکنجہ میں آکر چور چور ہوجاتے اور نہایت ہی کمزور ثابت ہوتے ہیں۔ جن پر اسجگہ بحث کرنے اور کلام کو طول دینے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔

چانکیہ برہمن کا قانونِ اخلاق

منوجی مہاراج کے زمانہ سے ہندوستان میں برہمنوں کی فوقیت وفضیلت اور شودروں کی ذلت ونکبت انتہا کو پہونچ چکی تھی اور قومی ونسلی امتیاز نے ظلم وستم کو حدِ کمال تک پہونچا دیا تھا آخر چھٹی یا پانچویں صدی قبل مسیح میں ہندوستان کے اندر گوتم بُدھ پیدا ہوئے اور اُنھوں نے برہمنی اقتدار کے خلاف ذات پات اور چھوت چھات کو مٹانے کی کوشش شروع کی۔ مگر گوتم بُدھ کے کئی سو سال کے بعد تک بھی گوتم بُدھ کے عقائد وخیالات کو کسی زبردست بادشاہ کی حمایت حاصل نہیں ہوئی اور برہمنوں کے اقتدار کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہونچ سکا۔ سکندر نے ۳۲۶ھ قبل مسیح میں پنجاب وسندھ کے راجاؤں کو مفتوح ومغلوب کیا اور ۳۲۵ھ قبل مسیح میں ہندوستان سے رخصت ہوگیا۔ اُس کے دس برس بعد قنوج کے ایک برہمن چانکیہ نامی نے مگدھ دیس کے فرمانروا خاندان نند کی حکومت کا خاتمہ کر کے چندر گپت موریا کو مگدھ کا فرماں روا بنایا اور خود اُس کا وزیر ومشیر بنا۔ یہ چندر گپت موریا اپنے وزیر باتدبیر چانکیہ برہمن کے اشارہ پر

کام کرتا تھا۔ چانکیہ نے جو کوتلیا برہمن اور وشنو گپتا کے نام سے بھی مشہور ہے۔ منوجی مہاراج کی منوسمرتی کو حشو وزوائد سے کسی قدر پاک کرکے بہترین ترتیب کے ساتھ مرتب و مدوّن کیا۔ منوسمرتی کا یہ خلاصہ ارتھ شاستر کے نام سے موسوم اور چندر گپت کی حکومت کا قانون سلطنت بنا۔ ارتھ شاستر اور منوسمرتی کے قوانین میں کوئی قابل تذکرہ فرق نہیں ہے۔ لیکن چانکیہ برہمن نے دو اور اخلاقی کتابیں بھی لکھی ہیں جو چانک نیتی درپن اور پنچ تنتر کے نام سے مشہور ہیں جن کا ترجمہ نوشیرواں نے فارسی زبان میں اور منصور عباسی نے عربی زبان میں کرایا تھا۔ چانکیہ برہمن منوجی مہاراج کے بعد ہندوستان کا سب سے بڑا مقنن مانا جاتا ہے۔ مگر پنچ تنتر اور چانک نیتی دراصل قانون سلطنت نہیں۔ بلکہ اخلاقی کتابیں ہیں۔ ارتھ شاستر جو قانون سلطنت ہے اُسکو منوسمرتی کا دوسرا ایڈیشن کہنا چاہیئے۔ چندر گپت موریا کا پوتا مہاراجہ اشوک جو قریباً ۲۷۰ قبل مسیح میں تخت نشین ہوا اپنے آبائی برہمنی مذہب کو ترک کرکے بُدھ مذہب کا پیرو اور مبلغ بن گیا۔ ہندوستان کی غالب آبادی جو برہمنوں کے ناقابل برداشت اقتدار و تسلط سے نالاں تھی مہاراجہ اشوک کی حامی و معاون بن گئی اور بہت جلد تمام برِاعظم ہندوستان پر اشوک کی شہنشاہی قایم ہو کر بُدھ مذہب سرکاری مذہب بن گیا۔ یوں سمجھنا چاہیئے کہ منوجی مہاراج جس برہمنی مذہب کے مقننِ اول تھے چانکیہ برہمن اُس کا خاتم ہوا۔ لہذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مہاراجہ اشوک کے قوانینِ سلطنت (جن کو بُدھ مذہب کے قوانینِ سلطنت کہنا چاہیئے) سے پہلے چانکیہ برہمن کے اخلاقی قانون چانک نیتی درپن کا اقتباس بھی پیش کردیا جائے تاکہ اس بات کا صحیح اندازہ ہوسکے کہ منوجی مہاراج کے زمانے سے لیکر چانکیہ برہمن کے زمانے تک اس ملک کے عام اخلاق میں کس قدر فرق پیدا ہوا تھا اور بُدھ مذہب ابھی سرکاری مذہب بننے سے پہلے پہلے برہمنی اخلاق کو کس قدر متاثر کرسکا تھا۔ چانک نیتی میں سترہ ادھیا اور قریباً ساڑھے تین سو اشلوک ہیں۔ اس کے خیالات اور ادائے بیان میں ایک حُسن اور خوبی موجود ہے جو منوسمرتی میں قطعاً نظر نہیں آتی اور یہی خوبی باعث اس کا ہوئی

کہ فارسی اور عربی میں بھی اُس کے تراجم ہوئے۔ ذیل کے اقتباس میں ہر اشلوک کا حوالہ خاتمہ پر اس طرح درج ہے کہ اوپر ادھیا (باب) کا نمبر اور نیچے اُس ادھیا کے اشلوک کا نمبر ہے۔ یہ بھی ظاہر ہی کہ چانکیہ برہمن یونان کے مشہور حکیم ارسطو کا معاصر تھا۔ پنچ تنتر جسکا خلاصہ ہتوپدیش کے نام سے مشہور ہی نہایت دلچسپ کتاب ہے جس میں جانوروں کی حکایات ہیں۔

حکمت کی باتیں

(۱) تنہا آدمی سے عبادت۔ دو۲ سے پڑھنا۔ تین۳ سے گانا۔ چار۴ سے سفر۔ پانچ سے زراعت اور بہت سے آدمیوں سے جنگ ہوتی ہے۔ (۴/۱۲)

(۲) بے اولاد کا گھر خالی ہے۔ بے بھائی کے دنیا خالی ہے۔ جاہل کا دل خالی ہے۔ اور مفلس کے حق میں سب کچھ خالی ہے (۴/۱۴)

(۳) اُسی وقت تک خوف سے ڈرنا چاہیئے جب تک وہ سامنے نہیں آیا اور جب آپہونچے تب ڈرنا نہ چاہیئے بلکہ اُسکے دور کرنے پر مستعد رہنا چاہیئے (۵/۴)

(۴) جو شہوت پرست نہیں وہ جسم کے آرائشی سامان سے محبت نہیں کرتا۔ راست باز اور صاف گو مکار نہیں ہوتا۔ (۵/۵)

(۵) شہوت کے برابر دوسری بلا نہیں۔ جہالت کے برابر دوسرا دشمن نہیں۔ غصہ کے برابر دوسری آگ نہیں۔ علم کے برابر دوسری مسرت بخش چیز نہیں (۵/۱۲)

(۶) اگر سانپ۔ بادشاہ۔ شیر۔ بھیڑ۔ طفل شیر خوار۔ سگِ بیگانہ۔ جاہل مطلق۔ سوتے ہوں تو ان کو جگانا نہ چاہیئے (۹/۷)

(۷) کتابیں بہت ہیں۔ علوم کثیر التعداد ہیں۔ مصائب بیشمار ہیں۔ فرصت قلیل ہے لہذا جو خوبیوں کا خلاصہ ہی اُسی کو قبول کرنا چاہیئے۔ (۱۵/۱۰)

مذہب و عقائد

(۱) انسان تنہا موت و حیات پاتا۔ تنہا رنج و راحت اُٹھاتا۔ تنہا دوزخ میں جاتا۔ تنہا

نجات پاتا ہے اِن کاموں میں کوئی کسی کا مددگار نہیں ہو سکتا (۵/۱۳)
(۲) برہم گیانی کو سورگ۔ بہادر کو زندگی۔ قادر الحواس کو عورت۔ بے غرض کو دُنیا پرکاہ کے برابر ہے (۵/۱۴)
(۳) سفر میں علم دوست ہے۔ گھر میں عورت دوست ہے۔ بیماری میں علاج دوست ہے مرے ہوئے کا دوست اُس کا دین ہے (۵/۱۵)
(۴) انسان بہشت کی اور دیوتا نجات کی آرزو رکھتے ہیں (۵/۱۸)
(۵) ایمان کے سوا کوئی چیز باقی اور قایم رہنے والی نہیں (۵/۱۹)
(۶) جیسی تقدیر ہوتی ہے ویسی ہی عقل و تمیز ہو جاتی ہے اور ویسی ہی تدبیر سوجھتی اور ویسے ہی مددگار ملتے ہیں (۶/۶)
(۷) دیوتا نہ لکڑی میں ہے نہ پتھر میں اور نہ مٹی کی مورت میں بلکہ اعتقاد میں موجود ہے اس لئے اعتقاد ہی اصل چیز ہے (۸/۱۱)

ترغیب علم

(۱) جاہلوں کو صحبت سے دور رکھنا مناسب ہے۔ جاہل اگرچہ بظاہر انسان نظر آتا ہے لیکن درحقیقت حیوان مطلق ہے اور اپنی بیہودہ باتوں سے دل کو ایسی اذیت پہونچاتا ہے جیسے نابینا کو کانٹا (۳/۷)
(۲) جیسے ایک ماہتاب بیشمار تاریکی کو دور کر دیتا ہے جو ہزار ہا تاروں سے دور نہیں ہو سکتی اسیطرح ایک باعلم و ہنر لڑکا خاندان کی زینت ہوتا ہے جو سیکڑوں جاہلوں سے ممکن نہیں (۶/۳)
(۳) اُس گائے سے کیا حاصل جو نہ دودھ دے نہ گیابھن ہو اور ایسے لڑکے سے کیا فائدہ جو نہ عالم ہو نہ فرمانبردار ہو (۴/۹)
(۴) دُم سگ کی مانند بے علم کی زندگی غیر مفید ہوتی ہے کیونکہ کُتے کی دُم نہ اُسکی شرمگاہ کو ڈھانپ سکتی ہے نہ مچھر اور مکھی کو اُڑا سکتی ہے۔ (۸/۱۹)

(۵) بے دولت کا آدمی حقیقی مفلس نہیں ہی جو علم کی دولت سے محروم ہے وہ درحقیقت مفلس ہی۔ (۱/۱۰)

(۶) اگر آرام چاہتا ہی تو طلب علم کو ترک کر دے اور اگر علم کا طالب ہی تو آرام کو چھوڑ دے آرام طلب کو علم کیسے مل سکتا ہی اور علم طلب کو آرام کہاں میسر آسکتا ہی (۱/۱۰)

عام اخلاق

(۱) شیر کی یہ عادت ہی کہ جس کام کو کرنا چاہتا ہی دلیری کے ساتھ کر گذرتا ہے سُستی نہیں کرتا۔ اسی طرح ہمکو بھی لازم ہی کہ کام چھوٹا ہو یا بڑا اُس کو ہمت اور دلیری کے ساتھ انجام کو پہونچائیں (۶/۱۶)

(۲) پوشیدہ جماع کرنا۔ وقتاً فوقتاً تھوڑا تھوڑا کھانا فراہم کرنا۔ بیفکر رہنا۔ کسی پر اعتماد نہ کرنا۔ دشمن سے اپنے آپ کو بچانا یہ پانچ صفتیں کوّے سے سیکھنی چاہئیں (۶/۱۹)

(۳) نہایت سیدھی عادت کا بھی نہ رہنا چاہیئے۔ ایسی عادت سے بڑا نقصان ہوتا ہے جیسے جنگل کے سیدھے ہی درخت کاٹے جاتے ہیں اور ٹیڑھے آرام سی کھڑے رہتے ہیں (۷/۱۲)

(۴) بے صبر برہمن۔ قانع بادشاہ۔ باحیا کسبی اور بے حیا بی بی نالایق سمجھے جاتے ہیں (۸/۱۲)

(۵) نالایق اور کانٹا ان کے دو ہی علاج ہیں۔ جوتے سے اِن کا مُنھ توڑنا یا اِن سے دور ہی رہنا (۱۵/۳)

(۶) احسان کرنے والے پر احسان کرنا چاہیئے اور مارنے والے کو مارنا چاہیئے اسکو عدل کہتے ہیں (۱۷/۶)

دولت پرستی

(۱) بغیر روپیہ کے سخت تکلیف ہوتی ہی۔ اس لئے رفع مصیبت کے لئے روپیہ کی حفاظت ضروری ہے۔ (۱/۶)

(۲) جہاں دولتمند لوگ۔ بیدخواں برہمن۔ راجہ۔ دریا۔ طبیب موجود نہ ہوں وہاں

ایک دن بھی نہ رہنا چاہیئے (۱/۹)

(۳) اپنی دولت دوسرے کے قبضہ میں جانے سے معرضِ خطر میں پڑجاتی ہے۔ تخم کی کمزوری سے کھیت کی پیداوار کم ہوجاتی ہے (۵/۹)

(۴) جس کے پاس دولت ہی اُسی کے سب دوست ہیں۔ جس کے پاس دولت ہی اُسکے سب بھائی برادر ہوتے ہیں۔ جس کے پاس دولت ہی وہی مرد گنا جاتا ہی۔ جس کے پاس دولت ہے وہی عالم گنا جاتا ہے (۶/۵)

(۵) دولت اور غلہ کے معاملے میں۔ علم کے تحصیل کرنے میں۔ کھانے پینے میں۔ لین دین کے معاملہ میں جو شخص شرم کو علیحدہ رکھے گا وہی خوش رہیگا (۷/۲)

(۶) بھائیوں کے قبضہ میں گئی ہوئی دولت۔ غیروں کے اختیار کا کھانا ضعیفی میں عورت کا مرنا انسان کی تکلیف کا باعث ہی (۹/۹)

خود مطلبی

(۱) خاندان کے واسطے ایک کو۔ شہر کے لئے خاندان کو۔ ملک کے واسطے شہر کو اور اپنے مطلب کے واسطے سب کو چھوڑ دینا چاہیئے (۳/۱۰)

(۲) جہاں روزگار تندرستی اور سخاوت نہیں وہاں کے لوگونکے ساتھ محبت نہ رکھنی چاہیئے۔ (۱/۱۰)

عورت کا مرتبہ

(۱) دریا مسلح سپاہی۔ پنجے اور سینگ رکھنے والے جانور۔ بادشاہ اور عورت پر بھروسہ نہ کرنا چاہیئے (۱/۱۵)

(۲) مرد و نسے عورتوں کی خوراک دونی حیا چوگنی محبت چھ گنی زیادہ ہوتی ہے (۱/۱۷)

(۳) جھوٹ بولنا۔ بغیر سوچے کام کرنا۔ فریب۔ حماقت۔ طمع۔ ناپاکی۔ بیرحمی یہ عورت کے جبلی عیب ہیں (۲/۱)

(۴) غیروں کے گھر پھر نیوالی عورت اور بے وزیر کا بادشاہ بہت جلد برباد ہوجاتے ہیں (۲/۱۵)

(۵) گھومنے والا برہمن عزت پاتا ہی لیکن باہر پھرنے والی عورت بگڑ جاتی ہے (۴/۱۴)

(۶) شہزادوں سے تہذیب اخلاق۔ عالموں سے شیریں کلامی۔ قمار بازوں سی دروغگوئی

اور عورتوں سے مکاری سیکھنی چاہیے (۱۸/۱)

(۷) آگ۔ پانی۔ جاہل مطلق۔ سانپ۔ خاندان شاہی اور عورت یہ سب موجب ہلاکت ہوتے ہیں۔ ان سے ہمیشہ ہوشیار رہنا چاہیے (۱۴/۱)

(۸) دوست۔ خدمتگار۔ بھائی اور عورت مفلس آدمی کو چھوڑ دیتے اور جب وہ دولتمند ہوجاتا ہے تو پھر اُس کے پاس آجاتے ہیں (۱۵/۵)

ذات پات کا امتیاز

(۱) اگر بڑھیا خاندان کی لڑکی بدصورت بھی ہو تو اُس سے شادی کرے لیکن گھٹیا خاندان کی خوبصورت لڑکی سے بھی شادی نہ کرے کیونکہ شادی بڑے یا برابر کے خاندان میں ہی کرنا بہتر ہے (۱/۱۴)

(۲) آدمیوں میں حجام۔ پرندوں میں زاغ۔ جانوروں میں گیدڑ زبان دراز اور چالاک ہوتے ہیں اور عورتوں میں مالن نابکار ہوتی ہے (۲۱/۵)

برہمن کا مرتبہ

(۱) برہمن دکشنا لیکر اپنے ججمان کو۔ اور شاگرد بعد تحصیل علم اُستاد کو اور ہرن دَون لگے ہوئے جنگل کو چھوڑ دیتے ہیں (۱۸/۲)

(۲) عورتوں کا گرو اُن کا شوہر ہے اور چاروں قوموں کا گرو برہمن ہے (۱/۵)

(۳) کھانے کے وقت برہمن۔ بادل گرجنے پر مور۔ غیروں کو نفع پہونچنے پر نیک لوگ دوسروں کو مصیبت پہونچنے پر نالایق لوگ خوش ہوا کرتے ہیں (۶/۹)

(۴) جو برہمن روپیہ کے لئے وید پڑھتے اور شودر کا کھانا کھاتے ہیں اُن سے مارِ بے زہر کی طرح کچھ بھی نہیں ہوسکتا (۹/۹)

(۵) جو برہمن لاکھ کی چیزیں۔ روغن سیاہ۔ شہد۔ روغن زرد۔ شراب اور گوشت فروخت کرتا ہے وہ برہمن شودر کہلاتا ہے (۱۱/۱۴)

(۶) جو نیک بخت آدمی اپنی حیثیت کے موافق محتاج برہمن کو کچھ تھوڑا سا بھی دیتا ہے
اُس کو بے شمار ہو کر واپس ملتا ہے (۱۲/۴)
(۷) برہمنوں کی ضیافت ہی اُنکی تیوہار کی خوشی ہے۔ تازہ گھاس گایوں کے لئے تیوہار
کی خوشی ہے۔ مگر مجھے جنگ ہی تیوہار کی خوشی ہے (۴/۱۳)
(۸) جن گھروں میں برہمنوں کے قدم نہ گئے ہوں اُن کو مرگھٹ کے برابر سمجھنا چاہئے (۱۲/۱۰)
(۹) برہمن اس دنیا میں ایسا ہے جیسے دریا میں کشتی لیکن اس کشتی کا یہ عجیب دستور ہے
کہ اس کے نیچے رہنے والے عبور کر جاتے ہیں اور جو اوپر رہنا چاہتے ہیں وہ نیچے گر کر غرق
ہو جاتے ہیں (۱۵/۱۴)

دوستی

(۱) جھوٹے دوست کا تو مطلق اعتبار نہ کرنا چاہئے مگر سچے دوست پر بھی کبھی اعتماد
نہ کرے اس لئے کہ اگر وہ کبھی رنجیدہ اور ناراض ہوگا تو بھید کی باتوں کو ظاہر کر دیگا (۶/۲)
(۲) بدچلن۔ عصیاں شعار۔ بُری جگہ سکونت رکھنے والے سے جو دوستی کرتا ہے وہ برباد
ہو جاتا ہے (۲/۱۹)
(۳) بدباطن دوست سے دوست کا نہ ہونا ہی اچھا ہے (۷/۱۲)

احتیاط و ہوشیاری

(۱) دل سے غور کئے ہوئے کام کو زبان سے نہ کہنا چاہئے بلکہ حکمت عملی سے چھپانا
چاہئے اور پوشیدہ ہی عمل میں لانا بہتر ہے (۷/۲)
(۲) مرد بدباطن اور سانپ ان دونوں میں سانپ اچھا ہے کیونکہ سانپ موت
آنے پر کاٹتا ہے اور بدباطن ہر دم اور ہر قدم پر (۴/۳)
(۳) فساد کے مقام سے۔ دشمن کی گرفت سے۔ خوفناک قحط سے اور نالائقوں کی
صحبت سے جو شخص دور رہتا ہے وہ سب طرح محفوظ رہتا ہے (۳/۱۹)

(۴۴) پانی میں تیل۔ نالائقوں میں راز کی بات۔ داناؤں میں شاستر یہ چیزیں تھوڑی بھی ہوں تو اپنی مخصوص صفات کے سبب خود بخود پھیل جاتی ہیں (۱۴/۵)

گوشت خوری

(۱) چاول سے دہ چند طاقت آرد گندم میں موجود ہے۔ آرد گندم سے دہ چند طاقت دودھ میں ہی۔ دودھ سے دہ چند طاقت گوشت میں اور گوشت سے دہ چند طاقت روغن زرد میں ہے۔

(۲) ساگ سے بیماری بڑھتی ہے۔ دودھ سے جسم فربہ ہوتا ہے۔ روغن زرد سے نطفہ پیدا ہوتا ہے اور گوشت سے گوشت بڑھتا ہے۔

مہاراجہ اشوک کے اخلاقی قوانین

مہاراجہ اشوک ہندوستان کا سب سے بڑا مہاراجہ سمجھا جاتا ہی اور کہا جاتا ہے کہ اُسکی سلطنت تقریباً تمام بر اعظم ہندوستان پر پھیلی ہوئی تھی لیکن جیسا کہ مقدمۂ تاریخ ہند قدیم جلد اوّل میں ذکر آچکا ہی اشوک اور اُس کی عظمت سے ہندوؤں کی روایتوں اور کتابوں نے واقف نہیں کیا بلکہ وہ یورپی مفتشین کی سعی و کوشش کے ذریعہ صفحات تاریخ میں نمودار ہوا ہی اور بہت ہی قلیل زمانہ گزرا ہی کہ اِن غیر مُلکیوں کی تلاش و جُستجو کے طفیل ہندوستان کے ایک سب سے بڑے راجہ کا وجود ہندوستانیوں نے تسلیم کیا ہے۔ اندریں صورت اشوک کے آئین و قوانین سلطنت کو مرتب و مدون حالت میں تلاش کرنا فضول ہی۔ برہمنوں کے مذہبی تعصب نے جس عظیم الشان شخص کے وجود ہی کو غائب و معدوم بنا دیا تھا اُسکے آئین و قوانین وہ کتابی حالت میں کیسے قلمبند کر سکتے تھے۔ جو غیر معروف تحریریں یا کسی کتاب کے بوسیدہ اوراق دکن یا نیپال وغیرہ سے ایسے دستیاب ہوئے ہیں جنسے اشوک کی شخصیت کے متعلق کچھ قرائن پیدا ہوتے ہیں وہ بھی یورپی مفتشین کی پامردی کا نتیجہ ہیں اور خود ہندوؤں کو بھی اِن

یورپی محققین ہی کے ذریعہ یہ بات بھی معلوم ہوئی ہی کہ اشوک کے وجود کا پتہ ہندوستان کے بعض پورانے کاغذات سے چلایا گیا ہے۔ ع۔ ہمچو عینک ساخت چشم دیگراں بینا مرا۔

اشوک نے اپنے عہدِ حکومت میں جا بجا عوام کی تعلیم و تربیت کے لئے پہاڑوں کی چٹانوں۔ سیمنٹ کے تعمیر کردہ ستونوں۔ تراشیدہ پتھروں کی سلوں پر کچھ اخلاقی ہدایات کندہ کرادی تھیں۔ اُن میں سے بعض جو اب تک باقی رہ گئیں اور طول و عرض ہند سے جا بجا دستیاب ہوئیں اس بدھ مذہب کے پیرو راجہ کے خیالات و جذبات کا اُن کے ذریعہ کچھ کچھ اندازہ ہو سکتا ہے ؎

شدیم خاک و لیکن ببوئے تربتِ ما   تواں شناخت کز یں خاک مردمی خیزد

اشوک جس زمانے میں برہمنی مذہب ترک کر کے بُدھ مذہب میں داخل ہوا ہے اُس زمانے میں بدھ مذہب کی اصلی حالت باقی نہ تھی بلکہ اُس میں بہت سے بدعات نے رواج پا لیا تھا۔ لہذا اشوک کی اِن پتھروں پر کندہ ہدایات کو بھی کچھ بہت زیادہ اہمیت نہیں دی جا سکتی۔ تاہم ذیل میں ونسنٹ۔ اے۔ اسمتھ کی کتاب کے ذریعہ اُن کا جو خلاصہ اور حاصل مطلب درج کیا جاتا ہی وہ دلچسپی سے خالی نہیں ہے۔ وہو ہذا۔

(۱) اشوک تختِ فرمانروائی پر جلوہ افروز ہونے اور بُدھ مذہب کے تسلیم و قبول کر لینے کے بعد تک بھی گوشت کھاتا اور خصوصی اہتمام سے شکار کھیلتا تھا لیکن پھر اُس نے گوشت خوری خود بھی ترک کر دی اور اپنی رعایا کو بھی گوشت خوری سے باز رکھنے کی ہدایت کی۔

(۲) جو لوگ گوشت کھانا ترک نہ کریں وہ خاص خاص جانور خاص پابندیوں کے ساتھ ذبح کر سکتے تھے لیکن حکم کے خلاف کسی جانور کو ذبح کرنے کی سزا سولی یا پھانسی تھی۔

(۳) والدین۔ بزرگوں اور اُستادوں کی تعظیم و تکریم اور اطاعت کو مدنظر رکھنا بہرحال ضروری و لازمی تھا۔ خلاف ورزی کی حالت میں عبرتناک سزا دیجاتی تھی۔

(۴) راست گفتاری و راست کرداری کی سخت تاکید تھی۔

(۵) اشوک نے مذہبی رواداری کی بہت تاکید کی تھی کہ اپنے ہمسایہ کے مذہب و عقائد کا

ذکر بُرے الفاظ میں ہرگز نہیں کرنا چاہئے اُس کے الفاظ تھے کہ تمام مذاہب کا اصل مقصود تزکیۂ نفس ہی جزئیات میں کتنے ہی اختلافات کیوں نہوں اصل اصول سب کا ایک ہی۔

(۶) جن مذاہب کے اعمال مذہبی اور عبادات میں جانوروں کی قربانیاں لازمی تھیں اُن کو اشوک نے قانوناً ممنوع اور ناجائز قرار دیدیا تھا اس سے مذہبی رواداری کی حقیقت پورے طور پر سمجھ میں آسکتی ہی یعنی عقائد میں آزادی تھی مگر اعمال میں آزادی نہ تھی۔

(۷) صدقہ وخیرات کی تاکید کی گئی تھی اور زبردست ترغیب وتحریص دی گئی تھی۔ اور دوسروں کی خطاؤں کو معاف کرنا سب سے بڑی خیرات بتائی گئی تھی۔

(۸) غلاموں اور نوکروں کے ساتھ نرمی ورعایت کا برتاؤ کرنے کی تاکید کی گئی تھی تارک الدنیا لوگوں کے ساتھ نیک سلوک ضروری ٹھہرایا گیا تھا۔

(۹) سرکاری اہلکاروں اور صوبوں کے حاکموں کو حکم تھا کہ وہ فرائضِ سلطنت انجام دینے کے علاوہ لوگوں کو نیکی ونیک اعمالی کی نصیحت کرتے رہنا بھی اپنے فرائض منصبی میں شامل سمجھیں اور خاص اوقات میں لوگوں کو جمع کرکے وعظ وپند سُنائیں۔

(۱۰) ہر شہر وقریہ میں محتسب اور نگرانِ امور عامہ بھی مقرر کئے گئے تھے جنکا کام یہ تھا کہ وہ اس بات کی دیکھ بھال رکھیں کہ لوگ والدین اور اُستادوں کی تکریم میں کوتاہی تو نہیں کرتے اور جانوروں پر ظلم تو نہیں ہوتا اور عورتیں بدچلنی میں تو مبتلا نہیں ہیں۔ یہ محتسب عام رعایا اور شاہی خاندان سب کے ساتھ یکساں برتاؤ کرتے اور سب کی بلا رورعایت یکساں خبر رکھتے تھے۔

(۱۱) اشوک نے راستوں کے کنارے سایہ دار درخت بالخصوص آم اور کیلے کے درخت نصب کرائے تھے۔ مسافروں کی آسائش وسہولت کا بھی اُس کو خیال تھا۔

(۱۲) جانوروں اور انسانوں کے لئے دواخانے جاری کئے تھے۔ یہ دواخانے اپنی حکومت سے باہر دوسری ہمسایہ حکومتوں کی حدود میں بھی اُس نے اپنے اہتمام سے جاری کرادئے تھے۔ جسکو ہمسایہ حکومتوں نے شکریہ کے ساتھ قبول کیا ہوگا۔

(۱۳) بُدھ مذہب کی تبلیغ کے لئے اُس نے دکن۔ لنکا۔ اور دوسرے ممالک مثلاً چین و کشمیر و تبت تک مبلغین روانہ کئے اور اُسی کی تبلیغی کوششوں کے نتیجے میں بُدھ مذہب ایشیا کا ایک مشہور اور وسیع مذہب بن گیا۔

(۱۴) اشوک کے زمانے سے ہندوستان میں گوشت خوری کو عیب سمجھا جانے لگا یہانتک کہ دوبارہ پیدا ہونے والے برہمنی مذہب نے بھی اس اثر کو اپنے اندر محفوظ رکھا اور ترکِ گوشت خوری کے نتیجے میں اس ملک کی رہنے والی بعض اقوام کے اخلاق میں بعض مخصوص عیوب نمایاں ہوئے جو آجتک موجود چلے جاتے ہیں۔

بس اس سے زیادہ اشوک کے نظامِ سلطنت کی بابتہ اور کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اور اس کوتاہی کی تمامتر ذمہ داری ہندوستان کے برہمنوں پر عائد ہوتی ہی۔ اشوک کی طرح خدا جانے اور کتنے غیر برہمن اور بُدھ مذہب کے راجا گذرے ہوں گے جن میں سے اکثر کے نام تک بھی نہیں معلوم ہو سکے اور بُدھ مذہب والوں کی حکومت کا ایک طویل زمانہ ایسا گزرا ہے کہ اُس کے متعلق کوئی جھوٹی سچی روایت بھی برہمنوں کی کتابوں میں نہیں ملتی۔ اشوک کے متعلق جو کچھ انکشافات ہوئے ہیں اِن کو بہت غنیمت سمجھنا چاہیئے ؎

زخیلِ دُرد کشاں غیرِ ما نماند کسے　　بیار بادہ کہ ما ہم غنیمتیم بسے

ساسانیوں کا نِظامِ اخلاق

اشکانیوں کی سلطنت کے متعلق مقدمۂ تاریخ ہند قدیم جلد اول میں مفصل بحث گذر چکی ہے۔ اشکانیوں کی سلطنت کے برباد ہونے پر ایران میں اردشیر نے ساسانی سلطنت کی بُنیاد ۲۲۶ء میں رکھی۔ یہ ساسانی سلطنت مسلمانوں کی آمد تک ایران میں قایم رہی۔ زردشتی مذہب کی کتابیں سکندر نے ۳۲۷ قبل مسیح میں سب جلا ڈالی تھیں۔ ساڑھے پانسو سال کے بعد اردشیر نے انتہائی کوشش و تلاش کے بعد کہیں کہیں سے کچھ اوراق فراہم کئے۔ زبانی

روایات کو قلمبند کرایا اور خود بھی ایجاد و اختراع سے کام لیکر از سرِ نو دین زردشتی کو رواج دینا چاہا لیکن ظاہر ہے کہ جب اصل مذہبی ہدایت نامہ ہی مکمل موجود نہ ہو تو چند اوراق سے کیا کام چل سکتا تھا۔ بہر حال دین زردشتی سے مشابہ ایک مذہب ایجاد ہوا جس میں زردشت کو پیغمبر مانا گیا اور بدعتی اعمال و عقاید کو بھی زردشت کی جانب منسوب کیا گیا تھا۔ اصل دینِ زردشتی اور ساسانیوں کے اس ترتیب دادہ دینِ زردشتی میں یقیناً بہت کچھ فرق اور اختلاف ہو گا لیکن ساسانی اِسی کو دین زردشتی یا دینِ بہی سمجھتے رہے۔ اردشیر کی تخت نشینی کے ایک سال بعد ہی جبکہ اردشیر دین زردشتی کی ترتیب و تدوین میں ہمہ تن مصروف تھا ایک مدعی نبوت مانی کا ظہور ہوا اور اُس نے اپنا ایک جدید مذہب ۲۲۷ء سے لوگوں کو تلقین کرنا شروع کیا۔ بہت سے لوگ حتیٰ کہ اردشیر کے بعض اہل خاندان بھی اُس کے معتقد ہو گئے لیکن پندرہ سال کے بعد جبکہ مانی کے بہت سے معتقد ملک ایران میں پیدا ہو گئے تھے مانی کو ۲۴۲ء میں ایران سے اس لئے شاہی حکم کی موافق جلاوطن کیا گیا کہ وہ اشتراکیت کی جانب مائل اور استبدادیت کا مخالف تھا۔ وہ ہندوستان چلا آیا۔ یہاں سے ملک چین کی طرف چلا گیا۔ مانی کو اگرچہ استبداد کے مقابلے میں مغلوب ہونا پڑا مگر اُس کے تعلیم کردہ بعض عقائد و اعمال ساسانی دورِ حکومت کے مذہب و اخلاق میں ضرور دخل پا گئے۔ ساسانیوں کا یہ مرکب نظامِ اخلاق قریباً چار سو سال تک ایران میں رائج اور پنجاب و سندھ و گجرات تک بھی ساسانی فاتحین کے ذریعہ اُسکا اثر پہونچا۔ اس کے بعد مُزدک نامی ایک شخص ایران میں پیدا ہوا جسنے ساسانی مذہب و اخلاق میں ترمیم کر کے اشتراکیت کو رواج دینا چاہا اور زر۔ زمین۔ زن کو سب کی مشترکہ ملکیت قرار دیا مگر نوشیرواں نے اُس کو ۵۲۹ء میں قتل کیا۔ ساسانیوں یا مجوسیوں کے آخری دورِ حکومت میں نوشیرواں ایک ایسا بادشاہ گزرا ہے جس کو تمام دنیا میں اپنے عدل و داد کی وجہ سے شہرتِ عظیم حاصل ہے اور وہ بھی مقننین عالم میں شمار ہوتا ہے۔ لہذا پہلے ساسانیوں کے وہ قوانینِ اخلاق درج کئے جاتے ہیں جو چار سو سال سے زیادہ عرصہ تک

ایران میں رائج رہے اس کے بعد نوشیرواں کی حکومت پر نظر ڈالی جائیگی۔

(۱) تھوڑے گناہ کو بھی بہت تصور کرنا چاہیئے اور اُس سے پرہیز لازمی ہے اس لئے کہ قیامت کے دن اگر رتی برابر بھی گناہوں کا وزن نیکیوں سے بڑھگیا تو اُس کا نتیجہ دوزخ ہوگا۔ ہمیشہ نیکیوں کی طرف راغب رہنا چاہیئے۔

(۲) خدائے تعالیٰ کی رحمت سے کبھی مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔

(۳) ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنا اگر وہ فوت ہو گئے ہوں تو اُن کی نجات کے لئے دُعائیں کرنا۔ آفتاب کی ہر روز تین بار پرستش کرنا۔ ماہتاب کی ہر مہینے تین بار پرستش کرنا۔ ہر سال نوروز کے دن خدا کی عبادت کرنا ضروری اور اعلیٰ درجہ کی نیکی ہے۔

(۴) اپنے مال میں سے دسواں حصہ خیرات کرنا چاہیئے۔

(۵) اغلام سے پرہیز کرنا چاہیئے جو آدمی اس بدکاری کے مرتکب ثابت ہوں اُنکو قتل کر ڈالنا چاہیئے

(۶) مرد و عورت کو کستی یعنی جنیو (زنار) ضرور استعمال کرنا چاہیئے اور اس زنار میں چار گرہیں لگانی ضروری ہیں جو لازمی عقیدوں کی یاد دہانی کا موجب ہیں۔ اول توحید باریتعالےٰ دوم زرد شت کا پیغمبر برحق ماننا۔ سوم ہر چیز کا مالک خدائے تعالےٰ ہی۔ چہارم نیکی و اعمالِ صالحہ کو مقدم رکھنا۔

(۷) آگ ہمیشہ گھر میں روشن رکھنی چاہیئے اُس میں کوئی ناپاک چیز نہ جلائی جائے۔

(۸) مُردہ کا کفن پورانے کپڑے کا ہونا چاہیئے۔

(۹) ناخن تراش کر ہمیشہ دفن کردینا چاہیئے ویسے ہی زمین پر نہیں ڈال دینا چاہیئے۔

(۱۰) خواب سے بیدار ہو کر سب سے پہلے زنار کھولکر پھر باندھنی چاہیئے۔ بغیر زنار باندھے ایک قدم بھی نہیں چلنا چاہیئے۔

(۱۱) پسر و دُختر کی شادی جلدی کرنی چاہیئے۔ جو بے اولاد ہوگا وہ چینود پل (پُل صراط) سے نہ گزر سکے گا۔ بے اولاد کو لازم ہے کہ وہ کسی دوسرے کا بچہ لیکر اپنی اولاد بنالے (جیسا کہ

ہندوؤں میں دستور ہے)

(۱۲) زراعت کا پیشہ تمام پیشوں سے بہتر سمجھنا چاہیئے اور کاشتکار کی عزت کرنی چاہیئے

(۱۳) مذہبی عالم کو اچھا کھانا کھلانا چاہیئے۔

(۱۴) کبھی کبھی تمام مال واسباب خیرات کر دینا چاہیئے (جیسا کہ قنوج کا راجہ ہرشا وردھن المعروف بہ راجہ سلادت کیا کرتا تھا۔)

(۱۵) جب بچہ پیدا ہو تو پہلے اُسے شیرینی کھلائیں۔

(۱۶) عہد کی پابندی ضروری ہے۔

(۱۷) کوئی اہم اور مشکل کام موبد (مذہبی پیشوا) کے مشورہ بغیر نہ کیا جائے۔

(۱۸) رات کے وقت پانی نہیں پھینکنا چاہیئے نہ رات کے وقت کنویں سے پانی بھرنا چاہیئے۔ رات کے وقت پانی نہیں پینا چاہیئے۔

(۱۹) کُتّے کو آزار نہ پہونچانا چاہیئے اور کھانا کھاتے وقت تین لقمے کُتّے کیلئے علیحدہ رکھدیں

(۲۰) جو لوگ دین زردشتی میں شامل نہیں ہیں اُنکے ساتھ کھانا پینا ناجائز ہے۔ غیر مذہب والا اگر برتن کو چھو دے تو وہ ناپاک ہو جاتا ہے۔ دھات کا برتن دھونے اور مانجھنے سے پاک ہو گا اور مٹی کا برتن پاک نہیں ہو سکتا۔

(۲۱) زمین پر برہنہ پاؤں نہیں رکھنا چاہیئے۔

(۲۲) پندرہ سال کی عمر میں زنار بندی کی رسم ادا ہونی چاہیئے۔

(۲۳) صبح کو پانی میں سونا ڈال کر اُس سے مُنھ دھونا چاہیئے۔

(۲۴) کھڑے ہو کر پیشاب کرنا بُرا ہے۔

(۲۵) جب کوئی مر جائے تو تین دن اُس کے لئے آگ روشن رکھو اور مقررہ اوراد پڑھو۔

(۲۶) عورتوں پر عبادت فرض نہیں اُنکی عبادت یہی ہے کہ شوہر کو رضامند رکھیں۔

(۲۷) اگر کوئی کسی کا مال چُرائے تو چور سے بجائے ایک درم کے دو درم وصول کرنا چاہیئے

اور اُس کی کان کی لَو کاٹ لینی چاہئے اور اس کے بعد دس کوڑے بھی اُس کے لگائے جائیں۔ اگر دوبارہ چوری کرے تو پہلے سے دُگنا جرمانہ اور کان بالکل کاٹ لینا چاہئے۔ بیس کوڑے اور قید کی سزا بھی دیجائے۔ یہ ایک درم کی چوری کی سزا ہی اگر تین یا چار درم کی چوری ہو تو داہنا ہاتھ کاٹا جائے اور پانسو درم کی چوری پر سزائے قتل دیجائے۔

(۲۸) زانیہ عورت کا قتل کرنا کسی درندے کے قتل کرنے سے زیادہ ثواب کا کام ہی۔

(۲۹) اگر طبیب کسی مرض کے لئے مُردے کا گوشت بتائے تو کھا لینا جائز ہے۔

(۳۰) مُردے کے بعد رونا نہیں چاہیئے۔

نوشیروان کا قانونِ سلطنت

نوشیرواں کا قانونِ سلطنت مدوّن و مرتب حالت میں دستیاب نہیں ہو سکتا۔ متفرق تصانیف میں نوشیرواں کے اقوال۔ اُس کے عہدِ حکومت کی بعض حکایات جن میں بہت کچھ رنگ آمیزی کو بھی دخل ہے کہیں کہیں نظر آتی ہیں اور اُنھیں سے کچھ کچھ اندازہ نوشیروانی سلطنت کا کیا جا سکتا ہے۔ نوشیرواں کا ایک قول امام المورخین علامہ ابن خلدون نے بھی نقل کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ نوشیرواں کا قول ہے کہ

"سلطنت فوج کے ذریعہ قایم رہ سکتی ہے اور فوج خزانہ سے اور خزانہ خراج سے اور خراج آبادی سے اور آبادی عدل سے اور عدل اہلکارانِ سلطنت کی فرض شناسی و دیانت سے اور ان کی فرض شناسی و دیانت وزرا کی پاک باطنی و نیک نیتی سے ممکن ہے اور ان سب کا نگراں و مصلح بادشاہ ہوتا ہے جو تمام حالات سے باخبر رہے اور سب کی اصلاح و تادیب پر قادر اور سب پر غالب ہو اور کوئی دوسرا اُس پر حاوی نہ ہو۔"

نوشیرواں کا یہ قول بہت کچھ ارسطو کے اُن آٹھ جملوں سے مشابہ ہی جو اُس نے بصورت دائرہ اپنی کتاب السیاست میں درج کئے ہیں۔

نوشیرواں کے وزراء نے وقتاً فوقتاً پادشاہ سے ہدایات طلب کیں اور نوشیرواں نے اُنکی درخواستوں پر اُن کے جوابات تحریر کئے۔ اس قسم کی تمام تحریروں کو جمع کرکے کسی ایرانی عالم نے اُسی زمانہ کی مروجہ پہلوی زبان میں سوال وجواب کے طور پر ایک کتاب مرتب کردی وہ کتاب فتح ایران کے بعد عربوں کے ہاتھ آئی اور عربی زبان میں ترجمہ ہوئی۔ اس عربی ترجمہ کا شہزادہ مُراد ابنِ شاہجہاں تیموری نے ۱۰۶۰ھ میں جلال الدین طباطبائی زواری سے فارسی زبان میں ترجمہ کرایا اور دستور نامۂ کسروی اُسکا تاریخی نام ہوا جو توقیعاتِ کسریٰ کے نام سے مشہور رہی۔ مَیں اس وقت اسی توقیعاتِ کسریٰ سے بعض سوال وجواب ذیل میں درج کرتا ہوں جن سے نوشیرواں کی سلطنت کا کچھ کچھ اندازہ ہوسکے گا۔ سوال کسی وزیر یا موبد یا مصاحب کی طرف سے ہی اور جواب نوشیرواں کی طرف سے۔ توقیعاتِ کسریٰ میں سوال کا عنوان مرفوع اور جواب کا عنوان توقیع ہے۔ میں نے ترجمہ کرتے ہوئے مرفوع کی جگہ التماس اور توقیع کی جگہ ارشاد کا لفظ استعمال کیا ہے جو لغت کے اعتبار سے صحیح ترجمہ نہیں ہی مگر مفہوم انہی الفاظ سی بخوبی ادا ہوتا ہی۔

(۱) التماس۔ درگاہِ خسروی سے لوگ اسکا سبب معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ ایسے مجرموں کو جو بار بار سزا پانے کے بعد بھی ارتکابِ جرم سے باز نہیں آتے کیوں بار بار معافی دیجاتی ہی۔

ارشاد۔ مجرم لوگ مثل بیماروں کے ہیں اور پادشاہ معالج طبیبوں کی مانند ہوتے ہیں جس طرح مرض کے بار بار عود کر آنے پر طبیب بار بار علاج کرنے سے انکار نہیں کرتا۔ اسی طرح پادشاہ مجرموں کو معافی دینے سے انکار نہیں کرتا۔

(۲) التماس۔ اسیرانِ روم میں بہت سے ایسے چھوٹے بچے بھی ہیں جن کی مائیں یہاں نہیں ہیں ان کی بابتہ کیا حکم ہے۔

ارشاد۔ جس وقت یہ فرمان پہونچے فوراً اُن تمام بچوں کو ایسے لوگوں کی حفاظت ونگرانی میں جو مسلّمہ طور پر امین ومتدین ہوں اور جو تمام راستے اُنکے ساتھ محبت وشفقت کا برتاؤ کریں روانہ کردو اور وہ ملک روم میں جاکر ان بچوں کو اُنکی ماؤں اور رشتہ داروں تک پہونچادیں۔

(۳) التماس۔ فلاں زمیندار کے پاس اس قدر مال و دولت جمع ہی کہ خزانہ شاہی سے زیادہ ہی۔
ارشاد۔ اُس کا تمام مال یوں سمجھو کہ ہمارے ہی خزانہ میں ہی اگرچہ وہ اُس کے گھر اور اُس کے قبضہ میں ہے مگر حقیقتاً ہمارے خزانے میں ہے اس لئے کہ ملک کی آبادی رعایا کے مال و دولت سے ہی اور رعایا بادشاہ کی مملوک ہی۔ غلام کا مال درحقیقت آقا کا مال ہوتا ہی۔
(۴) التماس۔ شاہی پاسبانوں کے سردار کا کچھ مال چوری چلا گیا ہے۔
ارشاد۔ جو شخص اپنے مال کی حفاظت نہیں کر سکتا وہ شاہی اموال کی چوکسی کیسے کر سکتا ہے اُسے نوکری سے برطرف کردو۔
(۵) التماس۔ آپ کی زبان پر دنیا کے زوال پذیر اور فانی ہونے کا تذکرہ ہمیشہ رہتا ہے۔ اس کا کیا سبب ہے۔
ارشاد۔ اس لئے کہ ہر امروز بہت جلد فردا ہو جاتا ہے۔
(۶) التماس۔ شہزادہ نرسی نے اکثر دہقانوں اور کاشتکاروں کی زمینیں جو شہزادہ کی جاگیر کے متصل تھیں اپنے قبضہ میں لے لی ہیں۔
ارشاد۔ اس فرمان کے پہونچتے ہی اُس احمق سے ان زمینوں کو چھین کر اُن کے اصل مالکوں کا قبضہ کرادو اور خاص شہزادہ کی جاگیر بھی اُس سے لیکر اُن دہقانوں اور کاشتکاروں میں تقسیم کردو تاکہ اس عمل سے دوسرے مفسدوں اور احمقوں کو بھی نصیحت و عبرت حاصل ہو۔
(۷) التماس۔ فلاں علاقے کے عامل نے ایک لاکھ درہم شاہی خزانے سے بلا اجازت پراگندہ رعایا کے عام محتاجوں کو تقسیم کردیئے۔
ارشاد۔ اس اطلاع کے پیش کرنے والے کو معلوم ہو کہ یہ مبارک کام ہمارے دائرہ فرمان سے باہر نہیں ہے۔
(۸) التماس۔ شاہی خزانچی عرض کرتا ہی کہ بادشاہ کی بخشش و عطا اس قدر زیادہ ہی کہ شاہی خزانے میں روپیہ کی کمی نمایاں ہونے لگی ہے۔

ارشاد۔ خدائے تعالٰے مال کا زیادہ کرنیوالا ہے نہ تیرا بخل۔ عدل سے دولت فراہم ہوتی ہے نہ تیری کنجوسی و جبز و رسی سے۔ ہمکو تیری امداد اور مشورے کی ضرورت نہیں۔ ہمارا کام حکم دینا ہے اور تیرا کام حکم کی تعمیل کرنا۔

(۹) التماس۔ صوبۂ اہواز کے عامل کی نسبت عاملوں کے محاسب نے رپورٹ کی ہو کہ اُس نے اس سال یعنی ستائیسویں سالِ جلوسِ نوشیروانی میں آٹھ ہزار سے کچھ زیادہ درہم ہر سال کے واجبی زرِ لگان سرکاری سے زیادہ وصول کر کے خزانۂ شاہی میں داخل کئے ہیں۔

ارشاد۔ مذکورہ روپیہ کو خزانۂ شاہی سے نکال کر اُن لوگوں کو جن سے یہ وصول کئے گئے ہیں احتیاط کے ساتھ واپس کردو۔ اس لئے کہ رعایا سے ناواجب روپیہ وصول کر کے شاہی خزانے کو پُر کرنا ایسا ہی ہے جیسے مکان کی دیواروں کی بُنیاد سے مٹی کھود کر اُسکی چھت کے اوپر ڈالنا۔

(۱۰) التماس۔ آجکل دربارِ شاہی کے اکثر اہلِ خرد اس بات کو بہت ناپسند کرتے ہیں کہ پادشاہ کو مخبروں اور جاسوسوں سے خبریں سُننے کا بہت شوق ہے اِن لوگوں کا پادشاہ کی صحبت اور خلوت میں باریاب ہونا بہت ناپسندیدہ امر ہے۔

ارشاد۔ یہ جاسوس لوگ اُس روشندان کی مانند ہیں جو تاریک مکان میں روشنی کی غرض سے کھولا جاتا ہے۔ باوجود اسکے کہ روشنی کی ضرورت ہو روشندان کو بند کرنا دانائی کی بات نہیں ہے۔

(۱۱) التماس۔ پادشاہ کی زبان پر اثنائے گفتگو میں یہ الفاظ آئے تھے کہ جو شخص اپنی دولت و طاقت پر پادشاہ کے سامنے فخر کرتا ہی وہ اپنے نفس کو زور و زر کے ذریعہ نشانۂ ہلاکت اور آماجگاہِ خطر بناتا ہے۔

ارشاد۔ اس لئے کہ پادشاہوں کے ایک لفظ سے یہ تینوں چیزیں یعنی نفس و مال و قوت معرضِ تلف میں آجاتی ہیں۔

(۱۲) التماس۔ پادشاہ باوجود اسکے کہ بخشش و عطا حد سے زیادہ کرتا ہی کسی سے وعدہ بہت ہی

کم کرتا ہے اس کا سبب کیا ہے۔
ارشاد۔ ایسا بادشاہ جو صاحب خزانہ ہو اور کسی سے خوف اور اُمید بھی نہ رکھتا ہو اُسکو چاہیئے کہ وعدہ کم کرے اور بخشش زیادہ۔
(۱۳) التماس۔ اس کا کیا سبب ہے کہ بادشاہ نے اپنے پرستاران وخادمانِ خاص کو باوجود مقررہ تنخواہوں اور متواتر انعاموں کے مدامی جاگیریں بھی عطا فرمائی ہیں۔
ارشاد۔ تاکہ اُن سب کو یقین ہو جائے کہ اُن کے بیٹوں، پوتوں کو بھی ہم اپنے ظلِ حمایت اور سایۂ عنایت میں رکھیں گے۔
(۱۴) التماس۔ فلاں جان نثار و خوش اعمال شخص کی نسبت بادشاہ نے اچھی رائے ظاہر نہیں فرمائی۔
ارشاد۔ وہ نکوہیدہ باطن اور آراستہ ظاہر ہماری خوشنودی کو خدائے تعالیٰ کی رضامندی پر ترجیح دیتا ہے۔
(۱۵) التماس۔ فلاں شخص کی نسبت جو تلاشِ حق اور خداجوئی کے لئے ضرب المثل ہی آپ نے فرمایا ہے کہ وہ توحیدِ الٰہی تک نہ پہونچ سکے گا۔
ارشاد۔ اس لئے کہ وہ جو کچھ سُنتا ہے اُسی پر ایمان لے آتا ہے۔
(۱۶) التماس۔ آپ نے فلاں سردار و رئیس کا نام کس لئے دشمنانِ شاہی میں شامل فرمالیا۔
ارشاد۔ اس لئے کہ وہ بدبخت ہمیشہ ستارہ شناسوں سے ہماری عمر کے متعلق دریافت کرتا ہی کہ کسقدر باقی ہی اور یہ بھی دریافت کرتا رہتا ہی کہ دولتِ ساسان کبتک باقی رہیگی۔
(۱۷) التماس۔ آپ نے فلاں عالم کی زبان کھینچ لینے کا حکم کیوں دیا۔
ارشاد۔ اس لئے کہ وہ لوگوں کو بعض باتیں ہماری زبان سے نکلی ہوئی بتاتا تھا جو ہم نے نہیں کہی تھیں۔ ایسی باتوں سے فساد و بدامنی پیدا ہو سکتی ہے۔
(۱۸) التماس۔ فلاں قدیمی جاں نثار کو جو پُشتہا پُشت سے شاہی وفاداروں اور جاں نثاروں میں

ممتاز و مشہور شخص ہے آپ نے سخت سزا کیوں دی۔

ارشاد۔ اس لئے کہ وہ مجرموں کے ساتھ اختلاط رکھتا اور ہمارے قہر و غضب کی پرواہ نہ کر کے اُن مجرمونکی سزا دہی کے احکام کی تعمیل میں سستی کرتا تھا۔

(۱۹) التماس۔ آپ نے کس طرح اس بات کا یقین کیا کہ فلاں سردار پادشاہ کا دو لتخواہ نہیں ہی اور دوسرے کی بادشاہت کا آرزومند ہے۔

ارشاد۔ اس لئے کہ وہ ولیعہد کے نامزد کرانے اور بیعت ولیعہدی کے لئے بیتاب ہی۔

(۲۰) التماس۔ اکثر اوقات زبانِ مبارک سے سُنا گیا کہ پادشاہوں کے اصولِ حکمرانی و طریقِ سیاست مختلف و متفرق ہوتے ہیں لیکن رعایا کا ہر حالت میں ایک ہی طریقہ ہوتا ہی۔

ارشاد۔ اس لئے کہ پادشاہوں کی رائے و تدبیرِ جہانبانی کی مختلف شکلیں ہوسکتی ہیں۔ لیکن رعیت کے لئے سوائے اطاعت کے کوئی دوسری چیز نہیں ہے۔

(۲۱) التماس۔ والئی روم چاہتا ہی کہ رومی اسیروں کا فدیہ لے لیا جائے۔

ارشاد۔ دو رومی اسیروں کے عوض ایک خنزیر یعنی جس قدر اسیروں کی تعداد ہو اُسکی نصف تعداد کے خنزیر لیکر اسیروں کو آزاد کردو اور اس کو کم فدیہ نہ سمجھو۔ مدعا یہ کہ اس کے بعد بھی بہت سے رومی اسیر ہونے والے ہیں۔

مذکورہ بالا اقتباس سے بخوبی ہویدا ہے کہ نوشیرواں ذاتی طور پر بہت عقلمند و ذہین اور نیک دل شخص تھا لیکن اُس نے ساسانیوں کی مطلق العنان شخصی سلطنت کے نظام میں کوئی اصلاح نہیں کی اور شاہی استبداد کو بخوبی قایم رکھا بلکہ اور زیادہ پائدار بنایا۔ جہاں تک نظامِ سلطنت اور اُس کے اصولوں کا تعلق ہے نوشیرواں کی سلطنت کو استبدادی سلطنت ہی کہا جا سکتا ہے جس میں رعایا کو امورِ سلطنت میں قطعاً کوئی دخل نہیں تھا۔ نوشیرواں ساسانیوں میں بہترین شخص ہوا ہے۔ اُس کے پیشرو اور اُس کے جانشین سب کی حکومت فرعونی و استبدادی حکومت تھی اور رعایا کو استبداد کے تسلسل نے مجبور کردیا تھا کہ وہ

نعوذ باللہ بادشاہ کو خدا سمجھنے لگے۔ نوشیرواں کی سلطنت کو اچھی سلطنت کہا جا سکتا ہے لیکن نوشیرواں کو کسی نظامِ سلطنت کا بانی یا مقنن کہنا صحیح نہیں ہے۔

ایک ضروری گذارش

میں اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ اوپر کی فصلوں میں قانونِ بنی اسرائیل سے لیکر قانونِ نوشیرواں تک جن ممالک و اقوام و حکماء و سلاطین کے مروجہ و مجوزہ مراسم اخلاق و معاشرت۔ نظاماتِ تمدن اور قوانینِ سلطنت بطور نمونہ درج کئے گئے ہیں ان کی تعداد میں اور بھی اضافہ ممکن تھا لیکن میرا خیال ہے کہ قارئینِ کرام کو جس مقصد کے لئے اِن نظامات و مراسم و قوانین کے مطالعہ کی زحمت دی گئی ہے وہ اِنھیں سے بخوبی حاصل ہو سکتا ہے اور اِس سے زیادہ کی مطلق ضرورت نہ تھی۔

مذکورہ فصول میں بعض قوانین و نظامات و مراسم کے ساتھ میں نے کچھ الفاظ بطور تبصرہ شامل کر دئے ہیں اور بعض کی نسبت ضرورت نہ سمجھکر اپنی طرف سے ایک لفظ بھی نہیں لکھا۔ ان سب کو پڑھ لینے کے بعد ہر شخص خود بخود یہی رائے قایم کریگا کہ ان میں سے کوئی بھی مجموعۂ مراسم ایسا نہیں جو اس زمانے میں انسانی زندگی کا دستور العمل بن کر ہر قوم کو مطمئن اور فائز المرام بنا سکے۔ یہ بھی یقیناً دشوار ہے کہ اِن تمام قدیم مراسم و نظامات کے مجموعے سے ایسا مجموعۂ قوانین انتخاب کیا جا سکے جس سے عالمِ انسانیت تسکین پا جائے۔ اگر یہ ممکن ہوتا تو ہم آج یورپ و امریکہ کو باوجود ادعائے ترقی و شائستگی اس طرح بیچین و مضطرب نہ دیکھتے جیسا کہ دیکھ رہے ہیں کیونکہ یہ تمام نظامات و قوانین اُن کی دسترس اور اُن کے علم و واقفیت سے باہر کی چیزیں نہیں ہیں بلکہ وہ ہم ایشیائی لوگوں سے زیادہ ان باستانی حالات کے جویا اور ان سے واقف و آگاہ ہیں۔ یہی وہ بات ہے جو ابتدائی فصول میں سے کسی فصل میں پہلے بیان ہو چکی ہے۔ اس عالمگیر ضرورت اور عالمِ انسانیت کی مطلوبہ سعادت تک

پہونچنے کے لئے کیا کیا چیزیں سدِّ راہ ہوتی رہی ہیں اور اب بھی راستے کی رُکاوٹ بنی ہوئی ہیں اُن پر نظر ڈالنا از بس ضروری ہے اور ان سے واقف ہوئے بغیر حقیقت آشنا بننا۔ صحیح نتائج برآمد کرنا۔ اور بیماری کے صحیح علاج تک پہونچنا کسی طرح ممکن نہیں۔ لہٰذا اب آئندہ فصلوں میں یہی چیز سامنے آتی ہے۔ جس کے مطالعہ سے تاریکی کے پردے چاک ہو کر آنکھوں کو صحیح طور پر کام کرنے کے لئے روشنی میسر آسکے گی اور اسی حالت میں تاریخ سے صحیح طور پر فائدہ اُٹھانے یعنی ماضی کو مستقبل کے لئے مشعلِ راہ بنانے کی استعداد کا پیدا ہونا ممکن ہے۔ ابتدا اُن مضامین و مطالب سے ہوئی تھی اور سلسلۂ غور و فکر میں کس طرح مذکورہ نظامات و قوانین و مراسم پر نظر ڈالنے کی ضرورت پیش آئی اس کو ذہن میں رکھئے تاکہ آئندہ بیان ہونے والے مضامین و مطالب سے فائدہ اُٹھایا جا سکے۔

مذکورۂ بالا قوانین و مراسم کے متعلق یہ بات بھی قابلِ گزارش ہے کہ ان قوانین و مراسم کے واضعین و مجوزین و رائج کنندگان میں یقیناً ہادیانِ برحق۔ عقلائے روزگار۔ خود غرض و نفس پرست۔ ہر قسم کے لوگ شامل ہیں۔ چونکہ ان قوانین و مراسم کے ترمیم و تبدیل و تحریف سے پاک ہونے کی ہرگز کوئی ضمانت موجود نہیں ہے لہٰذا ان کے بھلے یا بُرے ہونے پر اُن لوگوں کی نسبت بھی یقینی طور پر بُرے یا بھلے ہونے کا کوئی فتویٰ نہیں دیا جا سکتا جنکی طرف یہ منسوب ہیں۔ صرف ایک قانونِ بنی اسرائیل کے بانی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت یہودیوں۔ عیسائیوں اور مسلمانوں کے متفقہ عقیدے کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ وہ خدائے تعالےٰ کے برگزیدہ نبی تھے مگر اُن کا قانون بھی جو بائیبل میں موجود ہے اور جسکا خلاصہ اوپر درج ہوا ہے تحریف و تبدیل سے پاک نہیں ہے۔ باقی لائی کرگس۔ منوجی مہاراج یونا۔ افلاطون۔ زردشت۔ کنفوشش۔ گوتم بدھ۔ اشوک۔ چانکیہ وغیرہ کی نسبت یقینی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ ان میں سے کون کون خدائے تعالےٰ کے فرستادہ نبی تھے اور کون کون غیر نبی۔ بہرحال ہمکو ہر ایک اُس شخص کی عزت ملحوظ رکھنی چاہئے جس کو

کوئی قوم یا انسانوں کی کوئی جماعت عزت کی نظر سے دیکھتی ہو اور یہی انسانیت کا تقاضا ہے

وحدت و اخوت

خدائے تعالےٰ نے ہر انسان کو یکساں اعضاء۔ یکساں قوی اور استعدادیں عطا کی ہیں۔ ہوا۔ پانی۔ روشنی اور غذا وغیرہ ضروریاتِ زندگی بھی سب کی یکساں ہیں۔ اعضائے باطنی۔ دورانِ خون تنفس۔ خواب و بیداری۔ پیدائش و مرگ وغیرہ میں بھی سب یکساں ہیں۔ کسی کو کسی پر کوئی فضیلت و برتری حاصل نہیں۔

مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ إِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ | تم سب کا پیدا کرنا اور مرنے کے بعد تمہارا اُٹھا کھڑا کرنا ایسا ہے جیسا ایک شخص کا پیدا کرنا۔

(لقمٰن۔ ۳)

وَهُوَ الَّذِيْ أَنْشَأَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ط | خدائے تعالیٰ تو وہ ہے جس نے تم سب کو تنِ واحد سے پیدا کیا۔

(الانعام۔ ۱۲)

جیسا کہ مقدمۂ تاریخ ہند قدیم جلد اوّل میں ثابت کیا جا چکا ہے تمام انسان ایک ہی باپ کی اولاد ہیں لہذا قوموں اور ذاتوں میں کوئی حقیقی مغائرت نہیں۔ تمام انسانوں کے فطری حقوق یکساں ہیں تاہم ہر ایک انسان دوسرے انسان سے الگ پہچانا اور ہر ایک انسان اپنے ہی اپنے نام سے پکارا جاتا ہے۔ جس طرح شناخت اور پہچان کے لئے ہر انسان کا الگ الگ نام رکھا جاتا ہے اسی طرح قبیلوں اور قوموں کے نام سے الگ الگ گروہ اور جماعتیں پہچانی جاتی ہیں۔ افراد یا جماعتوں کا یہ امتیاز وجہ فضیلت یا باعثِ ذلت ہرگز نہیں ہو سکتا۔ ہاں انسان کے افعالِ اختیاری اُس کو ذلیل یا عزیز بنا سکتے ہیں اور ہر انسان کو موقع حاصل ہے کہ خدائے تعالیٰ کا تقرب اور تقویٰ حاصل کر کے اور اعمالِ صالحہ بجا لا کر معزز و مکرم بن جائے یہ انسان کی اپنی ہی اختیاری غلطی ہے کہ وہ اعمالِ قبیحہ کا مرتکب ہو کر ذلیل ہو جائے۔ ؎۔ ورنہ تشریفِ تو بر بالائے کس کوتاہ نیست۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّأُنْثٰى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَّقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ ۚ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ
(الحجرات - ۲)

لوگو! ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری ذاتیں اور برادریاں ٹھہرائیں تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکو ورنہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں زیادہ شریف وہی ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے بیشک اللہ جاننے والا باخبر ہے۔

جہانتک کہ نظامِ کائنات۔ قانونِ قدرت اور صحیفۂ فطرت کا تعلق ہے نسل انسانی کی اخوت و مساوات میں کوئی کلام نہیں۔ خدائے تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی زمین۔ آسمان۔ چاند سورج ہوا۔ پانی وغیرہ چیزوں سے ہر ایک انسان کو یکساں فائدہ اُٹھانے کا موقع اور حق حاصل ہے۔ اب رہیں وہ چیزیں جو انسان اپنی سعی و کوشش کے ذریعہ ہی حاصل کر سکتا ہے۔ اُنسے بقدر سعی مستفید ہوتا ہے۔ اور اس طرح جو امتیاز پیدا ہوتا ہے وہ ہر شخص کی دُنیوی راحت و کلفت کا خود ساختہ امتیاز ہے اور ہر شخص اپنے عمل اور کوشش سے اپنی حالت میں تغیر پیدا کرنے کا حق اور اختیار رکھتا ہے۔ کسی انسان کا یہ قدرتی و فطری حق نہیں کہ وہ دوسرے انسان کو اُس کے اعمالِ ارادی وافعالِ اختیاری میں مجبور کرے۔ انسان کے وہ اعمال وافعال جو ایمان باللہ اور ایمان بالیوم الآخر کے تقاضے سے سرزد ہوتے ہیں اعمالِ صالحہ کہلاتے ہیں اور انھیں اعمالِ صالحہ کی وجہ سے ایک شخص خدائے تعالیٰ کا تقرب حاصل کر کے خدائے تعالیٰ کی جناب میں معزز ہو سکتا اور خدائے تعالیٰ کو فراموش کر کے اور حیات اُخروی کی جانب سے غافل اور بے پروا ہو کر خدائے تعالیٰ کی جناب میں ذلیل ہو جاتا ہے۔ عالمگیر اخوت و مساوات توحید الٰہی کے عقیدے کی بدولت ہی قایم ہو سکتی ہے اس لئے کہ مرکزیت کے بغیر وحدت و اخوت کا تصوّر ممکن نہیں قومی وحدت کا مرکز قومیت اور وطنی اخوت کا مرکز وطنیت ہے اور ان اخوتوں کو عالمِ انسانیت کی اخوت اور کامل و عالمگیر اخوتِ انسانی نہیں کہا جا سکتا۔ لہٰذا کامل اور عالمگیر اخوتِ انسانی کیلئے صرف ایمان باللہ اور توحیدِ باری تعالیٰ کا عقیدہ ہی مرکز بن سکتا ہے۔

وَلَا تَدۡعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۘ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۟ كُلُّ شَیۡءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجۡهَهٗ ؕ لَهُ الۡحُكۡمُ وَ اِلَیۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ۝ (القصص - ۹)

اور اللہ کے سوا کسی دوسرے کو غایتِ مقصود یعنی معبود نہ بنا کیونکہ اللہ کے سوا اور کوئی کامل مطلوب یعنی معبود نہیں اُسکی ذات کے سوا سب چیزیں فنا پذیر ہیں۔ اُسی کی حکومت ہی اور اُسکی طرف تم سب کو لوٹ کر جانا ہے۔

قُلۡ یٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ تَعَالَوۡا اِلٰی كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَیۡنَنَا وَ بَیۡنَكُمۡ اَلَّا نَعۡبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشۡرِكَ بِهٖ شَیۡـًٔا وَّ لَا یَتَّخِذَ بَعۡضُنَا بَعۡضًا اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ؕ (آلِ عمران - ۷)

ان سے کہو کہ اے اہلِ کتاب! آؤ ایسی بات کیطرف رجوع کرو جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں قابلِ قبول ہے کہ خدائے تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی چیز کو اُسکا شریک نہ ٹھہرائیں اور اللہ کے سوا ہم میں سے کوئی کسیکو اپنا مالک و محبوب و مقصود نہ سمجھے۔

ہر الٰہی مذہب حکم دیتا ہے کہ اعمالِ صالحہ بجالانے والوں کی تکریم مدنظر رکھو یعنی جو خدائے تعالیٰ کی جناب میں معزز ہے وہی بندوں کی نگاہ میں بھی معزز ہونا چاہیئے۔ اسطرح عزت و تکریم کے اعتبار سے دُنیا میں انسان کی دو ہی قسمیں ہوسکتی ہیں ایک باخدا دوسرے منکرِ خدا یا ایک موحد دوسرے مُشرک یا ایک نیک اور دوسرے بد۔ چونکہ نسلِ انسانی نفسِ واحد سے پیدا ہوئی ہے اور فطرتاً اُس میں اخوت قایم ہے لہذا عالمِ انسانیت کا وحدت و عالمگیر اخوت کی طرف مائل ہونا عین فطرتِ انسانی کے تقاضے کو پورا کرنا ہے اور عالمگیر اخوت انسانی بلا عقیدۂ توحید الٰہی متصور نہیں ہوسکتی۔ پس عقیدۂ توحید اور اخوت انسانی لازم ملزوم اور لازمۂ انسانیت ہیں۔ انسان کا خالق و مالک اور پروردگار ایک خدا ہے لہذا اُس واحدِ لاشریک ہی سے تعلق پیدا کرکے اور اُسی کے ذریعہ حقیقی اور عالمگیر اخوتِ انسانی قایم ہوسکتی اور انسان فطرتِ صحیحہ پر قایم رہ سکتا ہے۔ شرکیہ عقاید جس طرح فطرتِ انسانی کے مخالف ہیں اسی طرح وحدت و اخوت انسانی کو برباد کرنیوالے اور انسان کو اُس کے مقصدِ حیات سے دور و مہجور کردینے والے ہیں۔ جس قدر اعمال و افعال اخوت و وحدتِ انسانی کے برباد کرنیوالے ہیں

وہ انسان کو توحیدِ باری تعالیٰ سے ہٹا کر شرک کی طرف متوجہ کر دینے والے ہو سکتے ہیں۔ ایک موحد اور رضائے تعالیٰ سے تعلق عبودیت رکھنے والا الٰہی وحدت و اخوتِ انسانی کیلئے سب سے زیادہ کوشش کرنے والا ہو سکتا ہے اور اُسی کی سعی و کوشش نسلِ انسانی کو ترقی کے مدارج طے کرا سکتی اور اسی صحیح راہِ عمل کو اختیار کر کے انسانیت اپنے مقصودِ حقیقی کو پا سکتی ہے۔

ہادیانِ برحق نے اور ہدایت ناموں سماویہ نے نسلِ انسانی کو بتدریج اسی عالمگیر اخوتِ انسانی کی طرف بڑھایا اور خاندانوں اور قبیلوں نے قومیتوں کی صورت اختیار کی اور چھوٹی چھوٹی جماعتیں مل کر بڑی بڑی جماعتیں بنیں اور ایک ایک ملک اور ایک ایک قوم کا ایک ایک تمدن اور ایک ایک مذہب قایم ہوا۔ اب اس ارتقا کا آخری و انتہائی مقام سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ تمام اقوام و ممالک میں اخوت و وحدت قایم اور ایمان باللہ یعنی عقیدۂ توحید باری تعالیٰ کی تکمیل ہو اور عالمِ انسانیت اپنی مراد کو پہونچے اور ایک ایسا ہادیٔ کامل مبعوث ہو اور ایسا کامل ہدایت نامہ اور کامل شریعت نوع انسان کو ملے جو تمام نوع انسان کی ضروریات کو پورا کر سکے اور اقوام و ممالک کی تفریق اور مخالفتیں فنا ہو جائیں۔ پہلے زمانے کے ہادی اور ہدایت نامے اگر اپنی اپنی قوم کے لئے موجبِ ہدایت و رحمت تھے تو یہ ہادی اور یہ ہدایت نامہ تمام عالمِ انسانیت کے لئے ہدایت و رحمت ہو اور نوع انسان میں اس کے ذریعہ اخوتِ کامل کا قایم ہونا ممکن ہو۔

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا (الاعراف ۲۰۰)	اے رسول لوگوں سے کہو کہ لوگو! میں تم سب کیطرف خدا کا بھیجا ہوا آیا ہوں۔

جبکہ قدرتی اور فطری طور پر عالمِ انسانیت وحدت و اخوت کی طرف بڑھنے اور ترقی کرنیکا خواہاں ہے تو قومیت و وطنیت کی تفریق و مخالفت کو باقی اور انسان کو اُس کی وحدت و اخوت سے جُدا رکھکر مقصدِ حقیقی اور معراجِ ترقی سے محروم رکھنے کی کوشش کرنے اور راستے کی ایک درمیانی منزل پر روک دینے والے یقیناً عالمِ انسانیت کے اور رضائے الٰہی سے

دور و مہجور اور ننگِ انسانیت کہے جا سکتے ہیں۔

فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا (البقر-۲)	ان کے دلوں میں کچھ بیماری تھی پھر اللہ تعالےٰ نے ان کی بیماری کو اور بڑھا دیا۔

انسان کی جو دو قسمیں نیک اور بد ہو سکتی ہیں اُن میں نیک وہ لوگ ہیں جو عقیدۂ توحید پر قایم۔ خدائے تعالیٰ کی ذات وصفات میں کسی دوسرے کو شریک نہ کرنیوالے اور بشریت یا عالمِ انسانیت میں اخوت قایم کرنے کے خواہاں اور بد وہ ہیں جو مشرک اور غیر خدا کے پرستار اور عالمِ انسانیت میں اخوت قایم کرنے کے مخالف ہیں جن کی نسبت کہا جا سکتا ہے کہ وہ بد ترین خلایق اور چوپایوں سے زیادہ گمراہ و ذلیل ہیں۔

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا ج (آل عمران - ۱۱)	اور سب مل کر مضبوطی سے اللہ کی رسّی کو پکڑے رہو اور تفرقہ نہ ڈالو اور اللہ کا وہ احسان یاد کرو جب تم ایکدوسرے کے دشمن تھے پھر اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کی اور تم اُسکے فضل سے بھائی بھائی ہوگئے۔
لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا ط أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ط أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ ۝ (الاعراف - ۲۲)	بدلوگوں کے دل تو ہیں مگر وہ اُن سے سمجھنے کا کام نہیں لیتے اور اُنکی آنکھیں بھی ہیں مگر اُن سے دیکھنے کا کام نہیں لیتے اور اُن کے کان بھی ہیں مگر اُن سے سُننے کا کام نہیں لیتے غرض یہ لوگ چوپایوں کی مانند ہیں بلکہ اُن سے بھی گئے گزرے یہی وہ لوگ ہیں جو حقیقت و راستی سے بالکل غافل ہیں۔

تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور سب کی اصل مٹّی ہے۔ انسانیت کا تقاضا خاکساری ہی اور خاکساری و فروتنی ہی کے ذریعہ اخوتِ انسانی کی بُنیاد میں استحکام و استواری پیدا ہو سکتی ہی۔

وَعِبَادُ الرَّحْمَٰنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا (الفرقان - ۲)	اور خدائے رحمٰن کے نیک بندے تو وہ ہیں جو زمین پر فروتنی کے ساتھ چلتے ہیں۔

اپنی نسل وخاندان وقوم پر فخر کرنا اور دوسری قوم ونسل کے آدمیوں کو ذلیل سمجھنا اور نفسانیت وخود بینی کو اپنا شعار بنانا ابلیسی جذبہ اور پرلے درجہ کی شیطانیت ہی اور یہی وہ چیز ہے جو اخوت انسانی کی دشمن اور شقاق ونفاق وافتراق کی مورث وموجب اور عداوت ومخالفت کی موجد ہوتی ہے۔

اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ (الجاثیہ - ۳)	کیا تمنے اُس شخص کی حالت پر غور نہیں کیا جسنے اپنی نفسانی خواہش کو اپنا معبود بنالیا ہی اور خدائے تعالیٰ نے باوجود اسکے کہ وہ علم ودانش رکھتا تھا اُسے گمراہ قرار دیا۔

ایک انسان کو دوسرے انسان پر فضیلت وبرتری اگر حاصل ہوسکتی ہے تو اعمالِ صالحہ کے ذریعہ ہی ہوسکتی ہے اور یہی حقیقی فضیلت ہی یا اس دنیوی زندگی کے ساز وسامان کے اعتبار سے خدائے تعالیٰ نے لوگوں کو مختلف الاحوال بنایا ہے کہ ایک مالدار ہے دوسرا مفلس۔ یا ایک تنومند ہے دوسرا ضعیف ولاغر یا ایک ذکی الحس ہے اور دوسرا بلید الطبع۔ یہ فرقِ مدارج انفرادی حیثیت رکھتا ہی اور اسکو اقوام وقبائل اور نسل وخاندان سے کوئی تعلق نہیں اور نہ یہ منافیٔ توحید اور مخالفِ اخوت ہوسکتا ہی نہ عداوت ومخالفت کا موجب بن سکتا ہی بلکہ اتحاد واتفاق کے لئے ضروری اور مفید اور استحکام اخوت کیلئے لازمی ہی کوئی مفلس بھائی اپنے دولتمند بھائی کو اپنا دشمن نہیں سمجھتا اور دولتمند بھائی مفلس بھائی کی دستگیری کر کے اُس کی محبت واخوت کو اور زیادہ ترقی دے سکتا ہے۔ وقس علیٰ ہذا۔

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا (الزخرف ۲)	اس دنیا کی زندگی میں انکی روزی انکے درمیان ہم تقسیم کرتے ہیں اور ہمنے دنیاوی درجوں کے اعتبار سے ایک کو دوسرے پر بلند درجہ دیا تاکہ ان میں کا ایک شخص دوسرے کو اپنا مسخر بنائے
وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا (نوح - ۱)	اور بیشک خدائے تعالیٰ نے تمہیں طرح طرح کا پیدا کیا۔

اخوت ومساواتِ انسانی فرقِ مدارج کے ذریعہ نہیں بلکہ حسد وعداوت۔ کبر ونخوت۔ خودغرضی و

نفس پرستی۔ بیجا دشمنی وغیرہ افعالِ قبیحہ وعقائد باطلہ کے ذریعہ اور قوت واقتدار اور ارادہ و اختیار کے غلط استعمال سے برباد ہوتی ہے۔ فرقِ مدارج اور اختلافِ احوال کسی کو فطری حقوق انسانیت سے محروم کرنے کا موجب نہیں ہے۔ اِس اختلافِ احوال کی حقیقت اس طرح بھی سمجھ میں آسکتی ہے کہ ہر شخص کی رفتار۔ گفتار۔ دستار میں کچھ نہ کچھ فرق ضرور ہے اور ہر شخص الگ پہچانا جاتا ہے تاہم یہ اختلاف نہ قبائلی اتفاق کے مخالف سمجھا جاتا ہے نہ قومی اتفاق کے منافی قرار دیا جاتا ہے نہ انسانی اتفاق کی ضد کہا جاتا ہے ؎

کھلتے ہیں باغ دہر میں گلہائے رنگ رنگ ؛ اے ذوق اس چمن کو ہے زیب اختلاف سے

اب یہ بات بآسانی سمجھ میں آسکتی ہے کہ مساواتِ انسانی اور اخوت انسانی کے قایم کرنیکی کوشش اور نسل انسانی کو اُس کی صلاح وفلاح تک پہونچانے کی سعی کا دوسرا نام دعوت وتبلیغ توحید الٰہی ہے جس کو دعوت وتبلیغِ حق کہنا چاہئے۔ اس دعوتِ حق کو روکنے والی طاقت کا نام باطل یا شیطانی طاقت ہی جو وحدتِ انسانی اور توحید الٰہی کی دشمن ہے توحید باری تعالیٰ اور وحدتِ انسانی کے لئے مصروف رہنے والی طاقت یا دعوتِ حقّہ ہمیشہ ایک ہی حالت ایک ہی رنگ اور ایک ہی حیثیت میں مصروفِ عمل رہتی ہے اور باطل چونکہ توحید اور وحدت کا دشمن اور تشتت وافتراق ومخالفت کا خواہاں ہے لہذا وہ دنیا میں ہمیشہ مختلف صورتوں۔ مختلف شکلوں اور مختلف حیثیتوں میں رونما اور حق کے مقابلہ میں صف آرا ہوتا رہا ہے۔ نسلِ انسانی دراصل دو ہی گروہوں میں منقسم ہے ایک باطل کی افواج۔ دوسری حق کی فوج۔ باطل کی فوجیں ہمیشہ حق کی فوج کے مقابلہ میں صف آرا رہی ہیں اور اسی لئے عالم انسانیت کو ترقی کی راہ میں بڑی ہی دشواریوں اور مشکلوں کے ساتھ ایک ایک قدم اُٹھانا پڑا ہی لہذا اُس لڑائی اور اُس معرکہ آرائی کو جو باطل کی طاقت کو توڑنے اور مساواتِ انسانی کے قایم کرنیکے لئے حامیانِ اخوت ومساوات کو پیش آئی ہیں ہرگز مساوات واخوت کے منافی نہیں کہا جاسکتا بلکہ اخوت ومساواتِ انسانی کا قیام ہی حق کی اس مقاومت اور معرکہ آرائی پر

منحصر ہے۔ باطل دنیا میں فساد برپا کرنے اور اخوتِ انسانی کو مٹانے کے کام میں مصروف ہے اور اسی لئے وہ مسلح ہو کر میدان میں نکلتا اور فساد مچاتا ہے۔ حق اُس فساد کے مٹانے اور باطل کو اُس کی شرارت سے باز رکھنے کے لئے ہتیار اُٹھاتا اور مقابلے کے لئے نکلتا ہے۔ حامیانِ حق یا حامیانِ اخوت و مساوات کو تو کسی طرح بھی موجبِ فساد اور حامیانِ باطل کا مثیل نہیں کہا جا سکتا۔

قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ (المائدہ ۱۳)	لوگوں سے کہدو کہ خبیث اور طیب برابر نہیں ہو سکتے۔
وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَلَا الْمُسِيءُ ۚ قَلِيلًا مَّا تَتَذَكَّرُونَ ۝ (المومن۔ ۶)	اور اندھا اور آنکھوں والا برابر نہیں ہو سکتا اور اسی طرح جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل بھی کئے وہ اور بدکار برابر نہیں ہو سکتے مگر تم لوگ بہت ہی کم غور کرتے ہو۔

عالمِ انسانیت میں اخوت و مساوات قایم کرنے کی ایک ہی صورت ہو سکتی ہے کہ سب کو دعوتِ توحید دیجائے۔ سب کو پرستارِ الٰہی بنایا جائے۔ سب کی فطرتِ انسانی کو بیدار کر کے دین الفطرت کی یاد دہانی کیجائے اور شرک و نفسانیت کے پنجے سے نسل انسانی کو بچانیکی کوشش عمل میں لائی جائے۔

عالمگیر اتحاد کی حقیقت اور اُسکی ضرورت

انسان کے اندر نسلی و قومی و وطنی محبت کے فطری جذبات بھی بہت قوی مانے جاتے ہیں۔ ماں باپ بیوی بچے سب مل کر ایک خاندان بنتا ہے۔ فطری اور قدرتی طور پر افرادِ خاندان ایکدوسرے کی امداد اور ایک دوسرے کے ساتھ محبت کرتے اور مِل جُل کر رہتے ہیں۔ یہ اجتماع و اتحاد و تعلق تمدن کا پہلا قدم یا سنگِ بُنیاد یا تخم اور انسانی فطرت میں تمدن کے مُضمر ہونے کا ثبوت ہے۔ انسان کے اس تمدنی تقاضے کی نشو و نما پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ خاندان کے ہر فرد کو اپنی راحت و مسرت سب سے زیادہ عزیز ہے اور ہر شخص

راحت و مسرت کا خواہاں ہے لیکن اُس کو اُس کی مطلوبہ راحت و مسرت اُسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جبکہ وہ اپنے خاندان بھر کی راحت و مسرت کو سب سے زیادہ ضروری سمجھے اور تنہا اپنی ذات کی راحت کو خاندان کی مجموعی راحت پر قربان کر سکے۔ کوئی ماں تنہا اپنا پیٹ بھر لینا گوارا نہیں کرتی جبکہ اُس کے بچے بھوک سے تڑپ رہے ہوں اور کوئی بیٹا رات کو آرام سے نہیں سو سکتا جبکہ اُسکا باپ کرب و اذیت میں مبتلا ہو۔ تمام افرادِ خاندان مل کر اپنا گھر بناتے اور سب اُس گھر میں آرام پاتے ہیں۔ اگر خاندان کا ہر شخص اپنے ہی اپنے لئے الگ الگ گرمی سردی سے بچنے کا بندوبست کرے تو گھر کی راحتیں کہاں میسر آسکتی ہیں۔ چند خاندان ملکر ایک قبیلہ اور چند قبائل مل کر ایک قوم بنتی ہے اور اس طرح جس قدر اجتماع وسیع ہوتا جاتا ہی ہر شخص کی راحتوں اور مسرتوں میں اضافہ ہوتا اور انسانی ترقی کے سامان بڑھتے جاتے ہیں لیکن اگر ہر خاندان اپنے مفاد کو قبیلے کے مفاد پر اور ہر قبیلہ اپنے مفاد کو قوم کے مفاد پر مقدم قرار دے تو نہ قومی منافع حاصل ہو سکتے ہیں نہ خاندانی و قبائلی۔

اقوامِ عالم پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جس قوم کے افراد قومی اغراض کو انفرادی اغراض پر مقدم رکھتے ہیں وہ قوم اُس قوم کے مقابلے میں زیادہ ترقی یافتہ اور کامیاب قوم ہوتی ہے جس کے افراد قومی اغراض کو انفرادی اغراض پر اس قدر زیادہ مقدم نہ رکھتے ہوں۔ خاندان، قبیلہ اور قوم کے اجتماع کا ذریعہ نسب اور نسل کا تعلق ہے اور اس تعلق نسبی ہی سے اتحاد و اتفاق اور اشتراکِ اغراض کی صورت پیدا ہوتی ہے۔ یہ اتحاد ملک و وطن کی وجہ سے بھی پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً ایک محلہ یا ایک شہر یا ایک ملک کے باشندوں کے اغراض مشترک ہوتے ہیں اور اس اشتراکِ اغراض کی بنا پر ہموطنوں میں اتحاد و اتفاق پیدا ہو کر سارے محلے کے مفاد کو کسی ایک گھر کے مفاد پر ترجیح دیجاتی اور تمام محلوں یعنی سارے شہر کے مفاد کو ایک محلے کے مفاد پر اور تمام ملک کے مفاد کو ایک شہر کے مفاد پر مقدم رکھا جاتا ہے۔ اگر اس کے خلاف عمل کیا جائے تو ہر شخص نفع سے محروم رہتا اور نقصان اُٹھاتا ہے۔

اسی سلسلۂ ارتقا کو آگے بڑہایا جائے تو ماننا پڑیگا کہ تمام نوعِ انسان اور تمام روئے زمین کے مجموعی مفاد کو کسی ایک ملک یا ایک قوم کے اغراض و مقاصد و خواہشات پر ترجیح حاصل ہونی چاہیئے اور یقیناً نوعِ انسان اسی اصول کی پابند ہو کر کامل ترقی حاصل کر سکتی ہی یعنی معراجِ کمال تک پہونچنے کے لئے تمام اقوامِ عالم کا بلکرایک قوم یا ایک قبیلے کی حالت مین اور تمام مُلکوں کا بلکرایک ملک کی حالت میں تبدیل ہونا ازبس ضروری ہے۔

قوم اور وطن کے سوا ایک اور بھی ذریعہ اتحاد ہے جس کو عقیدہ و مذہب کہنا چاہیئے۔ نسل و قوم اور ملک و وطن کی وجہ سے جو اجتماع و اتحاد قایم ہوتا ہے وہ صرف جسمانی پرورش اور دنیوی زندگی پر اثر انداز ہوتا ہے لیکن مذہب انسان کو دنیوی زندگی اور اُخروی زندگی دونوں کے منافع و مصالح سے باخبر کرتا اور انسان کو اُس کے اعلیٰ ترین مقصد تک پہونچاتا ہے لہذا اس قومی و وطنی اتحاد و اجتماع کو صحیح اور مفید سانچے میں ڈھالنے کی خدمت بھی مذہب ہی انجام دیتا ہے۔ قومیت اور وطنیت کے جذبات یقیناً فطری جذبات ہیں۔ مذہب ان جذبات کی تہذیب کا کام انجام دیتا اور انسان کو ترقی کے میدان میں آگے بڑہاتا ہی۔ مذہب کی روشنی ہی قومی و وطنی جذبات کو متصادم ہونے سے بچاتی ہے۔ ساری دُنیا کا ایک ملک یا ایک شہر اور تمام اقوام عالم کا ملکر ایک قوم یا ایک قبیلہ کی حالت میں تبدیل ہونا ممکن ہی نہیں جبتک کہ تمام انسانوں کی سب سے زیادہ ضروری اور قیمتی اغراض متحد نہ ہو جائیں ظاہر ہے کہ جسمانی و دنیوی اغراض میں اُس وقت تک کہ جب تک ملکوں کی آب و ہوا اور اقوامِ عالم کی ضروریات و خواہشات میں اختلاف و تباین موجود ہے کامل اتحاد نہیں ہو سکتا اور اختلافِ اقوام و اختلافِ اوطان کی موجودگی میں انسانی ترقی کے اعلیٰ ترین مقام تک نہیں پہونچ سکتا اور اقوام و ممالک کا متصادم رہنا لازمی ہے لیکن اختلافِ اوطان و اختلافِ اقوام کی موجودگی میں بھی نوعِ انسان مذہب کے ذریعہ اُس معراجِ کمال کو پہونچ سکتی ہے جو نوعِ انسان کے کامل اتحاد ہی کی حالت میں ممکن ہے۔ مذہب اس دنیا اور

اور دنیوی زندگی کے مصالح کو معراجِ کمال قرار نہیں دیتا بلکہ اُس کو متاعِ قلیل ٹھہراتا اور اس سے بڑھکر اُخروی زندگی کے مفاد و مصالح کی فراہمی پر آمادہ کرتا ہے۔

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا (آلِ عمران - ۱۱)

اور سب مل کر اللہ کے دین کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور آپس میں تفرقہ نہ کرو۔

شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَّالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ (الشوریٰ - ۲)

اُس خدا نے تمہارے لئے دین کا وہی رستہ ٹھہرایا ہے جس پر چلنے کا اُس نے نوحؑ کو حکم دیا تھا اور اے رسول تیری طرف بھی ہمنے اُسی رستے کی وحی کی ہے اور اُسی کا ہمنے ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو بھی حکم دیا تھا کہ اسی دین کو قایم رکھنا اور اسمیں تفرقہ نہ ڈالنا اور اے رسول تو جس دین کیطرف مشرکین کو بلاتا ہے وہ اُنپر بہت ہی شاق گزرتا ہے۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ط وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ط فَمَن زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ط وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ ۝ (آلِ عمران - ۱۹)

ہر شخص ایک نہ ایک دن موت کا مزہ چکھنے والا ہے اور جو عمل تم لوگ کر رہے ہو اُن کا پورا پورا بدلہ تو تم کو قیامت ہی کے دن دیا جائیگا پس اُس دن جو شخص دوزخ کی آگ سے پرے ہٹا دیا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا تو وہی کامیاب و بامراد ہوا اور دنیا کی زندگی تو صرف دھوکہ کی پونجی ہے۔

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ ط وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقَىٰ (النساء - ۱۱)

اے رسول اِن لوگوں سے کہدو کہ دنیا کے منافع بہت ہی تھوڑے منافع ہیں اور جو شخص خدا کا خوف رکھے اُسکے لئے آخرت کی بھلائی اس دنیا کے فائدوں سے بہت ہی بڑھکر ہے۔

پس جب زیادہ قیمتی اور زیادہ اہم اغراض دنیوی اغراض نہ رہی تو ظاہر ہے کہ نوعِ انسان کے اغراضِ روحانی میں کسی قسم کے اختلاف کی گنجایش نہیں اور اِن مصالحِ اُخروی کا حصول ایمان باللہ اور ایمان بالیوم الآخر اور توحید و رسالت کے اقرار و یقین کے بغیر

ممکن نہیں۔ ہذا تمام بشریت یعنی عالمِ انسانیت کا اتحاد اصولِ مذہب یا دین الفطرت کے ذریعہ ہی ممکن ہے اور چونکہ نجاتِ اُخروی یا حیاتِ اُخروی کی کامرانی سب سے زیادہ قیمتی مقصد ہے ہذا عالمِ انسانیت کا یہ وسیع اتحاد سب سے زیادہ قوی اتحاد بھی ہو سکتا ہے۔ اور جب کہ تمام اقوام و ممالک میں اسطرح اتحاد ہو جائے تو ظاہر ہے کہ دنیوی مصالح بھی اسی حالت میں حاصل ہو سکتے اور نوعِ انسان اپنے دنیوی کمال کو بھی اسی حالت میں پہونچ سکتی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ توحیدِ باری تعالیٰ کا عقیدہ جس طرح انسان کے لئے سب سے زیادہ قیمتی چیز اور اعلیٰ ترین نصب العین اور دینی و دنیوی مقاصد کے حصول کا ذریعہ ہے شرک یا انکار باری تعالیٰ اسی طرح انسان کو دین و دنیا میں ناکام و نامراد رکھنے والی چیز ہے۔

جن لوگوں نے شرک پھیلایا اور خدائے تعالیٰ سے انسانوں کا تعلق قطع کر کے مخلوقِ خدا کو خدا بنایا اُنھوں نے گویا پیاسوں کو سراب کی طرف دوڑایا اور عالمِ انسانیت کو سخت نقصان پہونچایا۔ جو شخص توحید باری تعالیٰ کا قائل نہیں ہوا اُس نے سب سے زیادہ ضروری چیز کی طرف سے غفلت اختیار کر کے اپنی حماقت کا ثبوت بہم پہونچایا۔ جو شخص غیر خدا میں خدائی صفات مان کر غیر خدا کی عبادت و پرستش بجالاتا ہے وہ اپنی تمام محنت کو ضایع اور اپنی قوت کا نہایت ہی غلط استعمال کرتا ہے۔ مشرک بڑا ہی بیوقوف اور لایعقل ہوتا اور انسانیت کے درجے سے تنزل کر کے بہایم بلکہ بہائم سے بھی زیادہ ذلیل مقام میں پہونچ جاتا ہے اُولٰئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ۔ جو مذہب سب سے زیادہ توحیدِ الٰہی پر زور دیتا اور شرک کو سب سے بڑا گناہ بتاتا ہے وہ یقیناً نوعِ انسان کے لئے سب سے زیادہ مفید اور نوعِ انسان کو دینی و دنیوی کامیابی تک پہونچانے والا مذہب ہو سکتا ہے اور اُسیکو انسان کا فطری مذہب کہا جا سکتا ہے۔

جس وقت تک عالمِ انسانیت ایک خدائے برحق اور اُس کے صفاتِ حسنۂ کاملہ پر ایمان لا کر جزا و سزا کی قائل اور دین الفطرت کے ذریعہ متحد نہ ہو جائیگی اور دین الفطرت ہی

عالمگیر مذہب نہ بن جائے گا اُس وقت تک نسلی و وطنی عصبیتیں اپنا اپنا کام کرتی رہینگی اور اقوام و ممالک میں تصادم اور زور آزمائی کا سلسلہ ہرگز ختم نہ ہو سکے گا۔
یہ بھی سچ ہے کہ تمام انسانوں کے اخلاق و اعمال و جذبات و خواہشات و خیالات ایک ہی سانچے میں نہیں ڈھل سکتے اور نیکوں کے ساتھ بدوں کا وجود بھی ضرور رہیگا لیکن اگر کثرت صحیح العقل اور نیک لوگوں کی ہو جائے اور مذہبی اصولوں پر عالمگیر سلطنت قایم ہو جائے تو نظامِ سلطنت انسان کے لئے موجب رحمت بن سکتا ہے اور اس دنیا ہی سے انسان کی جنتی زندگی شروع ہو سکتی ہے۔ توحید باری تعالیٰ کے بغیر اقوامِ عالم میں اتحاد غیر ممکن ہے لہذا سب سے زیادہ ضروری اور نفع رساں کام شرک کا مٹانا اور توحیدِ باری تعالیٰ کی طرف لوگوں کو بُلانا ہے لیکن اسی کا لوگوں کو سب سے کم خیال ہے ؎

کس واسطے ہم آئے ہیں دنیا میں شیفتہؔ
اس کا جو دیکھئے تو بہت کم خیال ہے

آزادی و حرّیت کی حقیقت و اصلیّت

خدائے تعالیٰ کا قانونِ قدرت جو تمام کائنات پر حاوی ہے ہر چیز اُس کے اندر جکڑی ہوئی ہے اور کوئی بھی اُس کی گرفت سے آزاد نہیں ہے۔ خاک کے ایک ذرّے سے لیکر آفتابِ عالمتاب تک اور ایک چیونٹی سے لیکر انسان تک سب قانونِ قدرت کے ماتحت مجبور اور اُس کی خلاف ورزی سے عاجز ہیں۔ سورج جو تمام دنیا پر اپنی حرارت اور روشنی کے ذریعہ فرمانروائی اور تصرف کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ غلاموں سے زیادہ حکم کا بندہ اور خدائے تعالےٰ کے نافذ فرمودہ قانون کی تعمیل میں سرِ مو کوتاہی کا اختیار و حوصلہ نہیں رکھتا۔

لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ (یسین۔۳)	نہ تو آفتاب ہی سے بن پڑتا ہے کہ چاند کو جالے اور نہ رات ہی دن سے پہلے آسکتی ہے۔

اسی طرح انسان بھی جہاں تک کہ قانون قدرت کا تعلق ہے مجبورِ محض اور زنجیروں میں جکڑا ہوا ہی

نہ اپنے حواس میں تبدیلی کر سکتا نہ حواس کی تعداد بڑھا سکتا۔ نہ ہوا میں سانس لینے۔ پانی پینے اور بدل مایتحلل کے لئے غذا استعمال کرنیکی مجبوریوں سے اپنے آپ کو آزاد کر سکتا اور نہ موت کے چنگل سے اپنے آپ کو بچا سکتا ہے سہ

موت نے کر دیا لاچار و گرنہ انسان تھا وہ خود بیں کہ خدا کا بھی نہ قائل ہوتا

پس یہ کہنا کہ انسان آزادِ کامل ہے سراسر غلط اور نہایت ہی بیہودہ بات ہے۔

خدائے تعالیٰ نے انسان میں جو ایک خاص قسم کی استعداد ترقی و تنزل کی اور ایک خاص قسم کا اختیار و ارادہ ودیعت فرما کر اس کو محدود قسم کی آزادی عطا فرمائی ہے اُسکے اعتبار سے انسان کو اپنے افعال میں آزاد کہا جا سکتا ہے اور انسان کی اسی آزادئ افعال پر اسوقت غور و تامل مقصود ہے۔ اس محدود آزادئ افعال و اعمال کے بھی کچھ مدارج ہیں اور جا بجا اُسپر بھی قیود و بند موجود ہیں۔ مثلاً ایک لایعقل و لایعلم بچہ اپنے افعالِ اختیاری و اعمال ارادی سے قانونِ قدرت کی گرفت میں آکر اپنے آپ کو ہلاکت یا سخت اذیت میں مبتلا کر سکتا ہے۔ اُس کی اس آزادی کو روکنے کے لئے ماں باپ کی فطری محبّت موجود ہے جو بچہ کو اذیت رساں اور ہلاکت آفریں افعال سے باز رکھتی ہے۔ اس آزادی کو حیوانی آزادی بھی کہہ سکتے ہیں کیونکہ اس کا وجود حیوانات میں بھی پایا جاتا ہے۔ مگر وہاں وجدان یا عقلِ حیوانی کے ذریعہ قانونِ قدرت نے انتظام کر دیا ہے۔ انسان کی اصل آزادئ افعال اُسکے عاقل بالغ ہونے پر شروع ہوتی ہے اور عقل اس آزادی کو اس لئے محدود و مقید رکھنا چاہتی ہے کہ دنیوی زندگی میں انسان کے لئے یہ آزادی اذیت رساں نہ بن سکے۔ پھر مذہب اس آزادی کو اس لئے محدود و مقید کرنا چاہتا ہے کہ اُخروی اور دائمی زندگی میں یہ آزادی موجبِ نقصان نہ ہو۔ انسانی آزادی کا مفہوم اس طرح ذہن نشین ہو سکتا ہے کہ خدا تعالےٰ نے انسان کو جو اختیار و ارادہ عطا فرمایا انسان اپنے اس اختیار کو خود ہی کام میں لا کر اگر چاہے تو عقل اور شریعت کے زیر فرمان محدود کر سکتا ہے جس کے معنی سوائے اسکے اور کچھ نہیں کہ

انسان کا یہ اختیار وارادہ توحقیقتاً آزاد ہی رہتا ہے صرف افعالِ ارادی کے صدور وظہور پر اُسکے اختیار وارادے ہی کی طرف سے پابندی عاید ہوسکتی ہے۔

فَمَنۡ شَاءَ فَلۡيُؤۡمِن وَّمَن شَاءَ فَلۡيَكۡفُرۡ (الکہف ۲۹) | پس جو چاہے مانے اور جو چاہے نہ مانے۔

اسی مفہوم کو دوسرے الفاظ میں یوں ادا کیا جاسکتا ہے کہ اختیار وارادہ کبھی جذبات کے ماتحت کارفرما ہوتا ہے کبھی عقل کے ماتحت اور کبھی عقل ومذہب دونوں کے ماتحت۔ جو آزادیٔ افعال محض جذبات سے تعلق رکھتی ہے وہ مذموم اور قابلِ ملامت بھی ہوسکتی ہے اور اُسی کو محدود و مقید بنانے کے لئے انسانی اختیار وارادے پر عقل وشرع کی فرمانروائی ضروری قرار دی گئی ہے اگر اس آزادیٔ افعال کا معاملہ صرف افراد اور اشخاص تک ہی محدود ہوتا تو اسوقت اسپر غور و خوض کرنے اور اس کو زیر بحث لانے کی مطلق ضرورت نہ تھی لیکن اس پر غور و خوض کرنا اسلئے ضروری ہے کہ انسان مدنی الطبع اور دوسروں کے ساتھ مل کر زندگی بسر کرنیکے لئے مجبور ہے۔ ایک انسان کا فعل دوسرے انسان پر بھی اثر انداز اور ایک کا نفع دوسرے کے نقصان کا موجب بھی ہوسکتا ہے۔ پس جبکہ ایک انسان دوسرے انسانوں کا محتاج اور جماعت کا ایک جزو ہے تو آزادیٔ افعال کے مفہوم میں یہ شرط لازماً شامل ہونی چاہیئے کہ ایک انسان کی آزادی دوسرے کی آزادی کو نقصان پہونچانے والی نہ ہو ورنہ انسان جماعت کا جزو نہیں بن سکیگا۔ اور نہ صرف یہ کہ تمدنی ترقیات سے محروم رہیگا بلکہ اپنا وجود بھی قایم نہیں رکھ سکے گا اس لئے کہ ایک تنہا انسان اپنے لئے کافی نہیں۔ خلاصۂ کلام یہ کہ انسان اگر اپنے افعال میں آزادِ مطلق ہو تو اُس کی فطری احتیاج یعنی باہمی تعاون۔ تمدن اور جماعت معرض خطر میں پڑ جاتی ہے اور اگر انسان سے آزادیٔ افعال کو بالکل جُدا کر لیا جائے تو پھر خدائے تعالیٰ کا عطا کیا ہوا اختیار وارادہ بے معنیٰ ہو کر انسان انسانیت سے جُدا اور زیادہ سے زیادہ لوہے یا لکڑی کی ایک مشین کی مانند ہو جاتا ہے بنا بریں انسانی آزادیٔ افعال کی صحیح تعریف یہی ہوسکتی ہے کہ ہر انسان اپنے اعمال وافعال میں آزاد ہے بشرطیکہ اُس کی یہ آزادیٔ اعمال دوسروں کے لئے

اذیت رساں اور اُن کی ازادئی اعمال کو نقصان پہونچانے والی نہ ہو لیکن اس طرح ایک اعلیٰ طاقت کی ضرورت پیش آتی ہے جو اس بات کا فیصلہ کرے کہ کس کی آزادی کے کیا حدود ہیں۔ کیونکہ ایک شخص کی اذیت ایک عمل کے کرنے سے دور ہوتی ہے اور وہی عمل دوسرے کے لئے موجب اذیت ہے۔ اگر انسان ایک کام نہیں کرتا تو اُس کو خود اذیت ہوتی ہے اور کرتا ہے تو دوسرے کو اذیت ہوتی ہے لہذا وہ کام کرنا چاہئیے یا نہ کرنا چاہئیے یا کس حد تک کرنا چاہئیے اس کے لئے فیصلہ کرنے اور عدل و مساوات قایم رکھنے والی ایک ایسی طاقت ہو جو دونوں پر قاہر اور غالب ہو اور دونوں کو مجبور کر سکے۔ اندرین صورت یہ آزاد انسان خود ہی اپنے اوپر قید و بند عائد کرنے پر آمادہ ہوا اور برادری کے رسم و رواج یا سلطنت کے قوانین کے آگے گردن جھکانی پڑی اور یا احتیاج زندگی کی فراہمی نے اس کو مجبور کیا کہ وہ سوسائٹی یا برادری یا جماعت کے لئے اقتدار اور سلطنت کے لئے قوت بہم پہونچانے میں کوشاں ہو اور پھر اس خود ساختہ اقتدار و قوت کے جوے کو اپنی گردن کے مجروح و زخمدار بنانے کا موقع دے ؎

آنکہ شیراں را کُند روبہ مزاج احتیاج است احتیاج است احتیاج

جماعت یا سلطنت کے نافذ کردہ قوانین اگر الہیٰ قوانین نہیں ہیں اور انسانوں ہی کے بنائے ہوئے ہیں تو قانون ساز شخص یا جماعت چونکہ خود بھی انسان ہونے کی وجہ سے اُن تمام انسانی ضروریات و جذبات سے جو دوسرے انسانوں کو لاحق ہیں بے تعلق نہیں ہے لہذا اسکا قوی امکان ہے کہ وہ خود غرضی و نفسانیت کے تقاضے سے دوسروں کی آزادئی افعال کے دائرے کو تنگ کر کے اپنی آزادی کا دائرہ زیادہ وسیع کرے اور قیامِ عدل کی جگہ قیامِ ظلم کا موجب بن جائے اور اُسی طاقت کو جو عام انسانوں نے اُس کے لئے بغرض قیامِ عدل مہیا و سپرد کی تھی خود اُنھیں عوام کی اذیت رسانی میں استعمال کرنے لگے۔ قیام عدل کی غرض سے جو قوت کسی شخص یا جماعت کو ایک مرتبہ سپرد کر دی جاتی ہے پھر اُس کا واپس لینا آسان نہیں ہوا کرتا یہی وجہ ہے کہ اقوام و ممالک کے حالات جہانتک تاریخوں کے ذریعہ معلوم ہو سکے ہیں

اُن سے اس بات کا پورا پورا ثبوت بہم پہونچتا ہے کہ جس شخص یا قوم یا جماعت کو قوت حاصل ہوئی اُس نے اس قوت کو عموماً ناجائز طور پر استعمال کیا اور بنی نوعِ انسان کی آزادی کو ظالمانہ طور پر غصب کر کے عدل و مساوات کے قایم کرنے میں کوتاہی کی اور یہی چیز زیادہ تر کشت و خون اور جنگ و پیکار کا موجب ہوئی۔

وَإِذَا تَوَلَّىٰ سَعَىٰ فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ٥ (البقرہ - ۲۵)	اور جب لوٹ کر جائے تو ملک کو کھونڈ مارے تاکہ اُسمیں فساد پھیلائے اور کھیتی باڑی کو اور نسلوں کو تباہ کرے اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔

لہٰذا دُنیا میں انسانی آزادی کے صحیح حدود کا تعین یعنی عدل کا قیام اس طرح قریباً غیر ممکن اور محال ہے کہ حقِ حکومت یعنی حقِ قانونسازی انسانوں کی کسی محدود جماعت یا کسی ایک قوم یا کسی ایک قبیلے یا کسی ایک شخص کو دیا جائے۔ اصل حکومت اختیار قانونسازی ہی اور قیامِ عدل یا تعینِ حدودِ آزادی کے لئے ہی قانون کی ضرورت پیش آتی ہے۔ قانون کے نافذ کرنیکے لئے قوت درکار ہوتی ہے۔ قوت کا کام اگر محض قانون کا نافذ کرنا ہو اور قانون بنانا نہ ہو بلکہ قانون کی پابندی کرنا اور کرانا ہو تو وہ قوت انسان کو کوئی نقصان نہیں پہونچا سکتی۔ نقصان اگر پہونچیگا تو قانون یا قانون بنانے والوں سے پہونچے گا اور ذمہ داری قانون سازوں پر ہی عاید ہوگی۔ لیکن اگر قوت اور قانون سازی دونوں ایک شخص یا جماعت سے متعلق ہو کر مجتمع ہو جائیں تو یہ بہت ہی زیادہ مخدوش حالت ہوتی ہے۔ مذہبی سلطنت میں قانونسازی انسانی دسترس سے بالاتر اور صرف خدائے تعالےٰ سے متعلق ہوتی ہے۔ انسانی طاقت جو سلطنت کو حاصل ہوتی ہے وہ خدائی قانون کی صرف نافذ کنندہ ہوتی ہے اور اُن لوگوں کو جنھیں یہ قوت حاصل ہوتی ہے یہ موقع نہیں مل سکتا کہ وہ اپنی آزادی کو زیادہ وسیع اور دوسروں کی آزادی کے دائرے کو تنگ کر کے ظلم کا ارتکاب کر سکیں۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ (النحل ۱۳)	اللہ تعالیٰ لوگوں کے ساتھ انصاف اور احسان کرنیکا حکم دیتا ہے

بنابریں مذہبی سلطنت میں انسان کو زیادہ سے زیادہ جائز آزادی میسر آسکتی ہے جس کو معتدل آزادی کہنا چاہیئے اور یہی معتدل آزادی انسان کا فطری حق ہے اور اس معتدل آزادی کے بغیر انسان کو انسان نہیں کہا جا سکتا۔ خدا چونکہ خدا ہے انسان نہیں ہے اُس نے انسانوں کو پیدا کرکے سب کو یکساں نعمتیں۔ یکساں قویٰ۔ یکساں اعضاء عطا فرمائے ہیں لہذا اُس کے تعلیم فرمودہ قانون میں ظلم کا تصور ہی نہیں ہو سکتا۔ اُسی کے ذریعہ کامل عدل اور اُسی کے ذریعہ انسان کو جائز و مطلوبہ معتدل آزادی حاصل ہو سکتی ہے۔ جس خدا نے انسان کو اختیار وارادہ عطا فرمایا ہے وہی خدا انسان کے اس اختیار وارادہ کے لئے زیادہ سے زیادہ آزادئ عمل کی سہولتیں قانون میں مرعی رکھ سکتا ہے۔ آزادی کی حفاظت کے لئے آزادی کے ایک حصے کو قربان کرنا ہرگز منافی آزادی نہیں ہے۔ لہذا جس قانون کے ذریعہ ہر انسان کو زیادہ سے زیادہ اور یکساں آزادی مل سکے وہی سب سے بہتر قانون اور فطری قانون سمجھا جائے گا اور ایسا قانون خدائی قانون ہی ہو سکتا ہے۔ خدائی قانون میں اگر زیادہ سے زیادہ حقوق اور زیادہ سے زیادہ آزادئ افعال مل سکتی تھی تو ہادیانِ برحق کو لیکن کوئی بھی الٰہی شریعت ہادی یا رسول کو غیر معمولی انسانی حقوق اور غیر معمولی آزادئ افعال عطا نہیں کرتی بلکہ دوسروں کی طرح اُن پر بھی پابندیاں عائد کرتی ہے۔

فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ ۝ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ۝ (الغاشیہ)

تو اے پیغمبر لوگوں کو نصیحت کر اور تو تو لوگوں کو صرف سمجھا دینے والا ہی تو اُن پر داروغہ کی طرح تعینات نہیں۔

تَنْزِيلٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ۝ فَمَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ

(الحاقہ : ۲۰)

یہ پروردگار عالم کا نازل کیا ہوا کلام ہے اور اگر پیغمبر اپنی طرف سے کوئی بات بنا کر ہمارے سر چپکیتا تو ہم اُس کا داہنا ہاتھ پکڑ کر اُس کی گردن اُڑا دیتے اور تم میں سے کوئی بھی ہم کو اس سے روک نہ سکتا۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحٰٓی اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰـھُکُمْ اِلٰـہٌ وَّاحِدٌ ج (الکہف - ۱۲)	اے رسول اِن لوگوں سے کہدو کہ میں بھی تم ہی جیسا ایک بشر ہوں۔ مجھ میں تم میں صرف اتنا فرق ہے کہ میرے پاس وحی آئی ہے کہ تمہارا معبوُد وہی اکیلا معبود ہے۔
لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ○ (الانعام - ۲۰)	اُس خدا کا کوئی شریک نہیں اور مجکو ایسا ہی حکم دیا گیا ہے اور میں اُسکے فرمانبرداروں میں پہلا فرمانبردار ہوں۔

انسانی آزادی کی مثال یوں سمجھنی چاہیئے کہ سو ایکڑ زمین کا ایک وسیع رقبہ ہے جو سو آدمیوں میں تقسیم کرنا ہے لیکن اُن میں سے ہر ایک آدمی یہ چاہتا ہے کہ میرے حصّے میں زیادہ سے زیادہ زمین آجائے۔ اگر اُن سو آدمیوں ہی کو اختیار دیدیا جائے۔ کہ تم آپس میں خود تقسیم کرلو تو اُن میں جو زیادہ طاقتور ہیں وہ دو دو چار چار دس دس ایکڑ زمین پر قبضہ کر لینگے جو کمزور ہیں اُن کو مجبوراً آدھے آدھے چوتھائی چوتھائی ایکڑ یا اس سے بھی کم پر قناعت کرنی پڑیگی اور ممکن ہے کہ طاقتور آپس میں سمجھوتہ اور اتفاق کرکے بہت سے کمزوروں کو بالکل ہی بے دخل کردیں۔ دوسری صورت یہ ہوسکتی ہے کہ سو ایکڑ زمین کا حقیقی مالک ایک ایک ایکڑ زمین کے سو مساوی قطعات بناکر اپنے اِن سو غلاموں میں سے ہر ایک کو ایک ایک قطعہ کا مالک بنادے۔ اس طرح اگرچہ ہر ایک کی خواہش کہ میں زیادہ رقبے کا مالک بن جاؤں پوری نہ ہوگی تاہم زمین کا مالک بننے سے کوئی محروم نہ رہیگا اور ہر ایک کو جس قدر رقبۂ زمین مل سکتا تھا مِل جائے گا۔ بالکل اسی طرح۔ انسانوں کے بنائے ہوئے قانون میں انسانی آزادی محکوموں سے چھن کر حاکموں کے قبضے میں زیادہ چلی جاتی ہے اور خدائی قانون اور مذہبی سلطنت میں آزادی سب کو یکساں میسر آجاتی ہے۔ اگرچہ پابندیاں اور مجبوریاں بھی سب کے لئے ضرور ہوتی ہیں لیکن عدل و مساوات کے ساتھ ان پابندیوں اور مجبوریوں سے انسان کے لئے مفر نہیں۔

انسان کی یہ آزادی ہی تمام ترقیات انسانی کا موجب اور یہ آزادی ہی تمام شرفِ انسانیت کا

باعث ہے۔ مذہب اور ہدایتِ الٰہیہ کی طرف سے روگردانی اختیار کرلینے کا یہ نتیجہ ہوا کہ طاقتوروں کی نفسانیت اور خود غرضی نے کمزوروں کی آزادیٔ افعال ہی نہیں بلکہ آزادیٔ خیال۔ آزادیٔ عقیدہ۔ آزادیٔ گفتار اور آزادیٔ تحریر تک کو بھی غصب اور تاراج کرلیا اور اس طرح کمزور محکوموں کی فطرت کو غبی اور کند بنا کر اُنھیں انسانی حدود سے خارج کرکے چوپایوں کی سرحدمیں دھکیل دیا اور کمزور انسان کو جو شخص تھا شئے بنا کر دم لیا۔ قدیم رومی سرداروں میں سے ایک سردار نے اپنے مہمان کی تفریح کیلئے اپنے ایک غلام کو ذبح کرکے اُس کے تڑپنے کا تماشا دکھایا۔ ایک دوسرے سردار نے مچھلیاں پالیں تو اُن مچھلیوں کی خورش اپنے غلاموں کا گوشت قرار دی۔ ہندوستان قدیم کے ایک مشہور مقنّن نے اپنے قانون میں تجویز فرمایا کہ برہمن اگر بلا وجہ کسی بیگناہ شودر کو قتل کردے تو ایک معین مقدار مچھلیوں کی خیرات کرے اور اگر شودر کسی برہمن کی طرف معمولی گستاخانہ اشارہ بھی کرے تو شودر کو اس گستاخانہ اشارے کی پاداش میں جس سے برہمن کو کوئی نقصان بھی نہیں پہونچا قتل کردیا جائے۔ انسانی آزادی کس بُری طرح استعمال کیگئی اور انسانی آزادی کو کس بُری طرح غصب کیا گیا اس کا اندازہ کرنے کے لئے مذکورہ مثالوں کی طرح صفحاتِ تاریخ سے ہزاروں لاکھوں مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ ظالموں کے اس حد سے بڑھے ہوئے ظلم وجور کو مٹانے اور مظلوموں کو اُن کی غصب شدہ آزادی دلانے کے لئے بھی خدائے تعالیٰ نے انبیاؑ و رُسل مبعوث فرمائے اس لئے کہ جب تک انسان کو اُس کی جائز آزادی میسر نہ ہوجائے اُس کے اعمال نہ اختیاری ہوسکتے ہیں اور نہ وہ جزاو سزا کا مستحق و ذمہ دار ہوسکتا ہے چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کی آزادی کو اُن کی تعلیم و تربیت پر مقدم رکھا۔

حکومت کا استبداد اور اُسکے تاریک و روشن دونوں پہلو

خود غرض انسان جو دوسروں کے حقوق ادا کرنے پر آمادہ نہیں۔ جو اپنے مطلب اور اپنی ضرورت وخواہش کو بہرحال مقدم رکھنا اور دوسرونکی ضرورتونکو مطلق اہمیت نہیں دینا چاہتا دوسرونکی اعانت وہمدردی سے محروم ہوکر تنہا رہجاتا ہی۔ دوسرونکے حقوق اور دوسرونکی ضرورتونکو مدنظر رکھنا اور اپنی حق سے زیادہ کی خواہش نہ کرنا عدل وانصاف ہی اور خود غرضی وخود مطلبی کا نام بے انصافی ہی۔ خود غرض یا بے انصاف آدمی جسکو دوسرونسے اعانت کی توقع نہیں رہتی اور اپنی اغراض وضروریات کے پورا کرنے سے محروم ہونے لگتا ہی اپنے آپ کو کمزور وبے بس دیکھکر جھوٹ۔ فریب۔ خوشامد۔ چاپلوسی وغیرہ رذائل کو آلۂ کاربراری بناتا اور بالآخر کاٹھ کی ہنڈیا اور کاغذ کی ناؤ کو بیکار دیکھکر مجبوراً کسی اپنی ہی جیسے خود غرض اور تنہا رہجانیوالے بے انصاف وپست فطرت کیطرف متوجہ ہوتا ہی یہ دونوں ایک دوسریکی معاونت سی فائدہ اُٹھاکر اپنی کمزوری کی تلافی کرتے اور بمصداق۔ کند ہمجنس باہمجنس پرواز۔ اِن خود غرضیوں اور بے انصافیوں کی بھی ایک جماعت بنجاتی ہے۔ چنانچہ چوروں۔ ڈاکوؤں اشتہاریوں اور جرایم پیشہ لوگوں کے جتھے اسی طرح بنتے اور طاقت حاصل کرکے مخلوقِ خداکو ستانے میں مصروف ہوجاتے ہیں۔ جس ملک یا جس قوم کی عام اخلاقی حالت اچھی اور شریفانہ جذبات زندہ ہوتے ہیں اُس میں اِن خود غرض اور بے انصاف لوگوں کے جتھے کو وسعت اور قوت کم حاصل ہوسکتی ہے اور جس قوم کی اخلاقی حالت من حیث القوم خراب ہوجاتی ہے وہاں اِن بُزدل ظالموں کو جلد اور بآسانی زبردست طاقت میسر آجاتی ہے۔ با اخلاق۔ عادل اور نیک کردار لوگ محکوم اور ان ظلم پسند۔ ننگ انسانیت لوگوں کا جتھا حاکم بن جاتا ہے۔ ان میں جو ایک سب سے زیادہ چالاک اور اپنے جتھے کے لوگوں کی ظالمانہ کارروائیوں کو جائز رکھنے والا اور اُنکی حمایت واعانت میں سرگرمی دکھانے والا ہوتا ہے اُن سب کا سردار اور بادشاہ قرار پاتا ہے۔ دنیا میں اکثر شخصی حکومتیں اسی طرح قایم ہوئیں۔

ان حکومتوں کی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ آزادی وحریت غائب ہو کر محکوموں کے اندر بتدریج خوشامد۔ چاپلوسی۔ دروغگوئی۔ بزدلی۔ تذلل۔ پست ہمتی۔ فریب بازی وغیرہ رذائل ترقی کرنے لگتے اور حاکموں کے اندر ظلم وستم۔ تکبر۔ تبختر۔ خودرائی نفس پرستی وغیرہ خصائل ذمیمہ نشو ونما پاتے رہتے ہیں۔ ایسی حکومت کا سب سے بڑا حاکم یا بادشاہ خود غرض۔ خود پرست اور سب سے بڑا ظالم اور ڈاکو ہوتا ہے۔ اُسکے وزراء۔ اُس کے عمالِ سلطنت۔ اُس کے فوجی بھی سب ظالم اور ڈاکو ہوتے اور علیٰ قدر مراتب اپنی اپنی اغراض وخواہشات کو پورا کرنے کا موقع پاتے ہیں۔

إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا يَسْتَضْعِفُ طَائِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ أَبْنَاءَهُمْ وَيَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ إِنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ ۝ (القصص۔ ۱)

فرعون ملک میں بہت بڑھ چڑھ رہا تھا اور اُسنے وہاں کے لوگوں کے الگ الگ گروہ قرار دئے تھے اُنمیں سے ایک گروہ کو اسقدر کمزور سمجھ رکھا تھا کہ اُن کے بیٹوں کو ذبح کروادیتا اور اُن کی بیٹیوں کو زندہ رکھتا اسمیں شک نہیں کہ وہ فسادیوں میں سے ایک ہی فسادی تھا۔

ان خودغرض اور ظالم لوگوں کے اس منظم جتھے میں شریک ہونے اور انھیں کی طرح عام انسانوں کے حقوقِ انسانیت کو غصب کرنے کی خواہش عام لوگوں کے دلوں میں پیدا ہونے لگتی ہے۔ انسانیت اور انسانی شرافت بے توقیر و پُر تحقیر ہو کر ذلیل و رسوا بنجاتی ہے۔ انسان جو صرف خدائے تعالیٰ کی عبادت کے لئے پیدا ہوا تھا اپنی آفرینش کے اصل مقصد کو فراموش کرکے اپنے ہی ہمجنس انسانوں کو خدا کی طرح پوجنے اور بجائے اس کے کہ خدا کو رضامند کرنے کی کوشش کرتا اپنی تمام کوششیں ان ننگِ انسانیت انسانوں کے رضامند کرنے میں صرف کرنے لگتا ہے یہ ظالم و بے انصاف حکام بھی اپنے محکوموں کے تذلل و چاپلوسی سے مغرور ہو کر فرعون بن جاتے اور خدائی کے دعوے کرنے لگتے ہیں۔ ان فرعونوں کو مستبد اور ان کی خودغرضانہ حکومت کو استبداد اور ان کی بُزدلی۔ چاپلوسی۔ خوشامدی۔

اور ذلیل رعایا کی رضامندانہ محکومی و فرمانبرداری کو استعباد کہنا چاہئے۔

استبداد و استعباد دونوں میں صرف اعتباری فرق ہوتا ہے ورنہ دونوں کی حقیقت ایک ہی ہے مستبد جو بلا خوف جوابدہی اپنی خواہشات کے ماتحت حکومت کرتا ہے اپنے اُس محکوم کی اخلاقی پستی سے زیادہ مختلف نہیں ہوتا۔ جو اپنی خواہشات کے پورا کرنیکے لئے اُس مستبد کی بیجا خوشامد۔ رذیلانہ قصیدہ خوانی اور اُسکے مظالم کو مرحمت و بندہ پروری کے خطابات دینے میں مصروف رہتا ہے جسطرح مستبد انسانی شرافت سے دور و مہجور ہوتا ہے اُسیطرح اُسکی فرعونیت کو تسکین دینے اور اُسکے آگے اپنی ذلت و عاجزی و چاپلوسی کا ہدیہ پیش کرنیوالا بھی شرافت انسانی سے بے بہرہ و بے تعلق ہوتا ہے جسطرح مستبد فرمانروا اپنے نفس کا غلام اور اپنی خواہش کا بندہ ہوتا ہے اسی طرح اُسکا خوشامدی قصیدہ خواں اور دعاگو محکوم اپنی ہوا و خواہش کا پرستار ہوتا ہے۔ اس قصیدہ خواں اور چاپلوس فرمانبردار کو جب مستبد فرمانروا یا بڑا فرعون خوش ہو کر کوئی اقتدار اور اختیار اپنے دائرہ حکومت کے اندر عطا فرما دیتا ہے تو یہ بھی پھر اپنے محکوموں کے لئے فرعون ہی بن جاتا ہے جس کو چھوٹا فرعون کہہ سکتے ہیں۔ اس چھوٹے فرعون اور بڑے فرعون کے اخلاق و اعمال میں اصولاً اور حقیقتاً فرق کچھ نہیں ہوتا۔ جس طرح مستبد اور جابر و ظالم بادشاہ کی رعایا بزدل۔ خوف زدہ۔ اور ڈرپوک بن جاتی ہے اسی طرح وہ بادشاہ بھی حقیقتاً بزدل۔ خوف زدہ۔ اور ڈرپوک ہوتا ہے۔ جس طرح خوشامدی۔ چاپلوس اور ذلت پسند رعایا کی فرعونیت چھپی ہوئی رہتی اور تھوڑا سا اقتدار و اختیار ملجانے پر نمایاں ہو جاتی ہے بالکل اسیطرح اُس مستبد فرعون سیرت بادشاہ کی بُزدلی و نامردی و پست ہمتی بھی چھپی رہتی ہے اور جب اُس کو کسی اپنے سے زیادہ طاقتور فرعون سے واسطہ پڑتا ہے تو نمایاں ہو جاتی ہے۔ صفحاتِ تاریخ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ سب سے زیادہ مستبد اور ظالم لوگ عموماً سب سے زیادہ بُزدل اور نامرد ہوتے ہیں۔ استبداد اور فرعونیت کی بُنیاد درحقیقت خودغرضی و خود پرستی پر قائم ہوتی ہے جو نیک کرداری اور عدل کی ضد ہے۔ عدل و نیک کرداری نام ہے اغراض ذاتی اور مقاصدِ اجتماعی میں توافق پیدا کرنے اور ہر انسان کو اُسکا جائز حق دینے کا مستبد

یعنی ظالم و خود غرض شخص عدل اور رحم سے محروم اور حقیقی مردانگی و شرافت سے بے بہرہ اور نفس و شیطان کا غلام اور درندگی و خلق آزاری کا دیوتا یا اہرمن کا مجسمہ ہوتا ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے کہ ؎

چگونہ شکرِ ایں نعمت گزارم — کہ زورِ مردم آزاری ندارم

استبداد کی خاصیت ہے کہ وہ محکوم و ماتحت سے شریفانہ اخلاق کو مٹا کر اخلاقِ رذیلہ پیدا کرے چنانچہ استبدادی حکومت کی سب سے بڑی زد مذہب پر پڑتی ہے اور کوئی الٰہی مذہب کسی استبدادی سلطنت میں جاری اور شایع نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے خدائے تعالیٰ نے جب کسی ہادیٔ برحق کو مذہبِ حق کے ساتھ مبعوث کیا تو سب سے پہلا مقابلہ مذہب کا استبداد ہی سے ہوا۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِىْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ؕ (الانعام - ۱۵)

اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں بڑے بڑے لوگ پیدا کئے کہ وہی اُن بستیوں میں بدکردار بھی تھے تاکہ اُنہیں فتنہ انگیزیاں کریں۔

استبداد ہی کی لعنت نے ہمیشہ مذہبی تعلیماتِ حقّہ کو بگاڑا اور شیطان کی حکومت کو مستحکم کیا۔ اسی استبداد کا نتیجہ ہے کہ ہندؤں نے اپنے مذہب کے حقیقی سرچشمے کو بالکل ضایع کر دیا اور برہمنوں کے خلافِ عقل اور بلا دلیل احکام اُن کا مذہب بن گئے۔ یہودیوں نے طالمود کے افسانوں کو مذہب قرار دیکر اصل توریت کو فراموش کر دیا۔ عیسائیوں نے عقیدۂ تثلیث کو بنائے مذہب قرار دیا جس کا اصل انجیل اور تعلیماتِ عیسوی میں کہیں پتہ نہیں چلتا۔ مسلمانوں نے اپنے مولویوں کے بلا دلیل فتووں کو عین اسلام سمجھکر قرآن مجید کی طرف سے بے التفاتی اختیار کر لی۔ استبداد جس طرح عدل و انصاف کی ضد ہے اسی طرح علم و معرفت اور دلیل و بُرہان کا بھی جانی دشمن ہے۔ مستبد دلیل و بُرہان کو اپنی موت سمجھتا ہے۔ اسی لئے ہر مستبد مذہبی پیشوا اپنے فتوے کو اپنے پیرووں سے اسی طرح بے چون و چرا منوانا چاہتا ہے

جس طرح مستبد اور ظالم فرمانروا اپنے حکم کی تعمیل اپنے محکوموں سے بلاچون وچرا کرانا چاہتا ہے۔ جو لوگ مذہبی علماء اور مذہبی پیشوا سمجھے جاتے اور استبداد سے کام لیتے ہیں وہ درحقیقت مذہب اور علم دین کے بدترین دشمن اور جہالت وضلالت کے سرپرست اور شیطان کے کھلونے ہوتے ہیں عقاید وخیالات کے آزادانہ اظہار اور عقاید وخیالات پر آزادانہ جرح وتنقید کو جب استبداد کے ذریعہ روک دیا جاتا ہے تو اُسکا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عقل ودانائی مفلوج ہوکر نشو ونما سے محروم اور ذہانت و باریک بینی کی صفت غائب ہوکر عام طور پر لوگ کُند ذہن۔ بلید الطبع۔ احمق اور بُزدل بن جاتے ہیں۔ اس طرح مذہبی پیشواؤں کا یہ مذہبی استبداد دلائل وبراہین کو غیر ضروری اور بیکار محض بناکر سب سے زیادہ شرافتِ انسانی کا زائل کنندہ اور پست خیالی کا مورث ہوتا ہے۔ جس طرح مستبد فرمانروا اپنی رعایا کو جاہل و بُزدل بنانے میں اپنی مقصدوری دیکھتا ہے اسی طرح خوگر استبداد نام نہاد مذہبی پیشوا حقیقتِ مذہب سے لوگوں کو نا آشنا رکھکر پست ہمت اور بُزدل بنانے میں مستبد فرمانروا کے معین ومددگار بن جاتے ہیں اور اسی لئے مستبد فرمانروا کی مہربانیوں کا مورد اور اُسکے منظور نظر بھی بن سکتے ہیں۔ دنیا میں کوئی بھی الٰہی مذہب ایسا نہیں ہوسکتا جس نے شرک کی تعلیم دی ہو اور توحیدِ باری تعالےٰ سے روکا ہو لیکن دنیا میں کوئی بھی الٰہی مذہب ایسا نہیں بتایا جاسکتا جس کے ماننے والوں میں شرکیہ عقائد نے دخل نہ پایا ہو یہ تمام شرکیہ عقاید اسی استبداد کا نتیجہ ہیں جو جہالت وظلم کا سب سے بڑا مربی وسرپرست ہے۔ استبداد ہر شریف وحریت پسند انسان کا دشمن اور ہر ذلیل وپست ہمت اور خوشامدی کا قدردان ہے اس لئے استبدادی حکومت میں عموماً ہر مستحق عزت ذلیل اور ہر مستحق ذلت معزز ہوتا ہے۔ استبداد چونکہ محکوم وماتحت کے آزاد ارادے کو سلب کرتا ہے لہذا کہا جاسکتا ہے کہ استبداد کے ذریعہ انسان کو حیوان بنادیا جاتا ہے۔ ہر انسان کو یقیناً چوپایوں پر استبدادی حکومت کا حق حاصل ہے اس لئے کہ وہ لایعقل ہیں اور انسان کی خدمت گذاری کے لئے پیدا کئے گئے ہیں جو شخص انسانوں پر بھی ایسی ہی حکومت کرتا ہے جیسی چوپایوں پر حکومت کرنے کا اُسے حق ہے

وہ گویا انسانوں کو چوپائے سمجھتا ہے۔

مستبد چونکہ خود غرض اور ظالم ہوتا ہے لہذا اُسکا حاسد ہونا بھی لازمی ہے۔ وہ دوسرے کی دولت کو دیکھکر جلتا ہے کہ یہ میرے قبضے میں کیوں نہیں۔ وہ دوسرے کی صحت و تندرستی اور خوبصورتی کو دیکھکر بھی جلتا ہے کہ میری صحت و صورت ایسی کیوں نہیں۔ غرض وہ ساری اُن چیزوں کا جو اُسکو اچھی معلوم ہوں خود ہی مالک بننا چاہتا ہے اور اس لئے بھی ہر خوش نصیب اور ہر باکمال کو وہ اپنا دشمن سمجھتا ہے۔ مستبد اپنی خود پسندی اور بیجا تکبر کی وجہ سے نہ کسی واعظ کا وعظ اور نہ کسی نصیحت گر کی نصیحت سُن سکتا ہے اور نہ اُس کی حالت میں اصلاح ممکن ہوتی ہے لہذا استبداد کی طاقت و حکومت جب حد سے گزر جاتی ہے اور مخلوق الٰہی اپنی انسانیت سے خارج ہونے لگتی ہے تو خدائے تعالیٰ کی طرف سے قدرتی طور پر استبداد اور مستبد حکومت کے فنا کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی سامان ہوجاتا ہے۔ اور دنیا کی تاریخ اس قسم کی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔

وَنُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ ۝ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا مِنْهُمْ مَا كَانُوا يَحْذَرُونَ ۝ (القصص-۱)	اور ہم نے یہ چاہا کہ جو لوگ اُسکے ملک میں کمزور سمجھے گئے تھے اُن پر احسان کریں اور اُنھیں کو سردار بنائیں اور اُنھیں کو سلطنت کا وارث ٹھہرائیں اور اُنھیں کو ملک میں پائداری عطا کریں اور فرعون اور ہامان اور اُن کے لشکر کو جس بات کا اندیشہ و خطرہ تھا وہ اُنھیں کمزوروں کے ہاتھ سے اُن کے آگے لائیں۔

ایک عجیب بات یہ ہے کہ مورخین عالم نے استبداد کے دیوتاؤں ہی کے کارناموں کو زیادہ مزے لے کر قلمبند کیا اور اُنھیں کو زیادہ سراہا ہے۔ مستبد چونکہ کسی قانون کا پابند نہیں ہوتا لہذا وہ مذہب کی پابندی بھی نہیں کرسکتا اور یہی وجہ ہے کہ مستبد فرمانروا اگر عوام کی مخالفت اور اپنی جان کے خوف سے اپنے آپ کو کسی مذہب کا پابند ظاہر بھی کرتا ہے تو پست فطرت

نام نہاد پیشوایانِ مذہب کو اپنے حسب منشا اس بات پر آمادہ کر لیتا ہے کہ وہ اُس کی خواہشاتِ نفسانی کے پورا کرنے کے لئے احکامِ مذہبی میں ترمیم و تنسیخ کر دیں اور وہ آزادانہ نفس و ہوا کے تقاضوں کو پورا کر سکے چنانچہ اکثر مذاہب کے بگڑنے کا باعث مستبد فرمانروا ہوئے ہیں مستبد فرمانروا ایک پادشاہ بھی ہو سکتا ہے اور ایک جماعت بھی۔ خلاصۂ کلام یہ کہ استبداد جہاں جہاں پایا جاتا ہے ملعون اور قابلِ ملامت ہے لہذا اسی کا دوسرا نام ابلیسیت اور شیطانیت بھی رکھا جا سکتا ہے۔

یہاں تک استبداد کی نسبت جو کچھ کہا گیا ہے اُس سے استبداد کا مذموم پہلو نمایاں ہو گیا ہے لیکن استبداد کا ایک محمود اور روشن پہلو بھی ہے اور اُس پر نظر ڈالے بغیر حقیقت مکمل طور پر بے پردہ نہیں ہو سکتی۔ استبداد کی جو تعریف اوپر بیان ہو چکی ہے اُسمیں یہ مفہوم شامل ہے کہ مستبد اپنی طاقت کے بھروسہ پر بلا دلیل اپنے احکام کی تعمیل کراتا ہے اور اُسکو جوابدہی کا کوئی خوف نہیں ہوتا۔ یہی استبداد کا وہ پہلو ہے جس میں روشنی اور خوبی کی ایک جھلک نظر آ سکتی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ شفیق اور سمجھدار ماں باپ اپنے بے سمجھ اور نادان بچوں سے اپنے مستبدانہ احکام کی تعمیل کراتے ہیں اور اُن بچوں کی بہت سی احمقانہ اور مُضر خواہشات کو پورا ہونے سے زبردستی روک دیتے ہیں۔ ایک معالج طبیب بھی مریض پر اپنے مستبدانہ احکام نافذ کرتا اور اُس سے اپنے احکام کی اسی طرح تعمیل کراتا اور مریض کی خواہش اور آزادی کو پامال کر دیتا ہے۔ پس تسلیم کر لینا چاہئے کہ اگر کوئی قوم یا جماعت یا ملک ایسا ہو کہ اُسکے افراد دماغی نشوونما میں نہایت پست، اخلاق و تہذیب سے عاری اور فہم و فراست میں چوپایوں سے مشابہ اور بے سمجھ چھوٹے بچوں کی مانند ہوں اور اُنپر حکومت کرنیوالا پادشاہ یا حکمران جماعت نہایت عقلمند، شفیق اور ہمدرد ہو تو حکمران کا حق اور رعایا کی خوش نصیبی سمجھی جائے گی کہ رعایا سے مستبدانہ احکام کی تعمیل کرائی جائے اور اس حکومت کا لازمی اثر و نتیجہ یہ ہوگا کہ رعایا دن بدن اخلاق و تہذیب و تمدن میں ترقی کرتی ہوئی نظر آئیگی اور یہ استبدادی حیثیت چند روز تک ہی جائز متصور

ہوگی جب تک کہ محکوموں کو اپنے نفع و نقصان میں تمیز کرنے کی قابلیت حاصل نہ ہوجائے۔ قطب شمالی کے اسکیمو۔ بحرالکاہل کے بعض جزیروں میں رہنے والے وحشی۔ افریقہ کے بعض صحرائی اور جنگلی علاقوں کے باشندے۔ کوہ بندھیاچل کے جنگلوں میں رہنے والے گزشتہ صدی کے پتّے پوش وغیرہ جماعتوں پر عام ترقی یافتہ انسانوں کی سطح پر لانے کے لئے اگر محض طاقت کے ذریعہ غیر مسئول مستبدانہ حکومت کیجائے تو ایسی خیر خواہ اور ہمدرد حکومت کا استبداد ہرگز قابل ملامت نہ ہوگا بلکہ مستحق ستائش سمجھا جائیگا۔ لیکن یہ کام مذہبی حکومت اور مذہبی قانون کے ذریعہ ہی بحُسنِ خوبی انجام پاسکتا ہے جس طرح ماں باپ اپنے بیٹوں کے عاقل بالغ ہوجانے کے بعد اور طبیب اپنے مریض کے تندرست ہوجانے پر اپنے استبداد کو واپس لے لیتے ہیں اسی طرح وحشی اور جاہل اقوام کے شائستہ بنا دینے کے بعد مستبد فرمانرواؤں کو اپنا استبداد واپس لینا پڑتا ہے۔ جو ماں باپ اولاد کے جوان ہونے پر بھی اُس سے اپنے احکام کی بلادلیل تعمیل چاہتے ہیں وہ خود اپنی اولاد کو گستاخ و نافرمان بناتے اور جو فرمانروا اپنے محکوموں کے شائستہ ہوجانے کے بعد بھی اپنے استبداد کو باقی رکھنا چاہتے ہیں وہ اُن کو خود ہی سرکش و باغی بنا کر اپنی ذلت و رسوائی کا سامان فراہم کر لیتے ہیں۔

انسان خواہ کتنا ہی ترقی کر جائے اور اپنے علم و واقفیت کو کیسے ہی اعلیٰ سے اعلیٰ مقام تک پہونچائے پھر بھی وہ بغیر امداد الٰہی اور بلا رہبریٔ مذہب نہ اپنی سعادت اور نجات اُخروی کے طریقوں سے واقف ہوسکتا اور نہ نیکی و بدی کا تعین کرسکتا ہے۔ پس جبکہ انسان کی یہ جہالت مسلّم اور اُس کا نقصِ علم یقینی ہے تو مذہب کے بعض احکام کی بلادلیل تعمیل کا ضروری ہونا نہ موجب حیرت ہوسکتا ہے نہ قابلِ اعتراض۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہوسکتا کہ ہر شخص اپنے فتوے اور اپنے اجتہاد کو مذہبی حکم قرار دیکر اُسکی تعمیل ضروری ٹھہرائے۔ بلکہ بلادلیل تعمیل اُسی حکم کی ضروری ہوسکتی ہے جو ہدایت نامۂ الٰہیہ

یا ہادئ برحق صادر فرماتا ہے۔ اس کے علاوہ ہر مذہبی پیشوا کے لئے لازمی ہے کہ وہ اپنے ہر حکم اور ہر ایک فتوے کو ہدایت نامۂ الٰہی یا ہادئ برحق کے حکم سے موید کرے۔ اس وقت اس سے زیادہ کچھ کہنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ اگر در خانہ کس است حرفے بس است۔

شجاعت و بہادری اور بزدلی و نامردی

حق یا راستی و صداقت کی حمایت کو اپنا فرض سمجھکر اس حمایت میں تکلیف و نقصان برداشت کرنے اور مشکلات کا صبر کیساتھ مقابلہ کر لینے کا نام شجاعت اور تکلیف و نقصان و مشکلات سے بچنے کیلئے حق و صداقت کی حمایت ترک کر کے تن آسانی تلاش کرنا بزدلی و نامردی ہے۔ عالم انسانیت کی صلاح و فلاح بہت کچھ بہادری و شجاعت پر منحصر ہے۔ شجاعت و بہادری کے مفہوم میں عام طور پر لوگونکو دھوکا لگا ہے۔ مثلاً شیر جو اپنے مضبوط جسم۔ تیز ناخنوں اور زبردست نوکدار دانتوں کی وجہ سے بہت دوسری جانوروںکو اپنا پیٹ بھرنے کیلئے ہلاک کر سکتا اور کوئی دوسرا جانور اُس پر غالب نہیں آسکتا بہادر کہلاتا ہے اور بہادر انسانوں کو شیر کیساتھ تشبیہ دیجاتی ہے۔ ادب و زباندانی کے اعتبار سے شیر کو بہادر کہنا جائز سہی لیکن ایک فلسفی کی نگاہ میں شیر کی نفس پروری و سنگدلی و خونخواری کو غلطی سے لوگوں نے بہادری سمجھ لیا ہے شیر سے ہزار ہا درجہ زیادہ بہادر تو وہ کُتا ہے جو اپنے محسن کی حمایت کو اُسکا حق اور اپنا فرض سمجھکر اپنی جان خطرے میں ڈال دیتا اور اُسکے محسن کا شیر سے مقابلہ ہو جائے تو وہ شیر پر بھی حملہ آور ہونے سے نہیں چوکتا۔ حالانکہ شیر کا ایک ناخن اُس کُتے کی رگِ حیات قطع کرنے کے لئے کافی ہے۔ اسی طرح لوگوں نے درندہ خصلت اور ہوا پرست خونریز لوگوں کو بہادروں کی فہرست میں درج کر لیا ہے اور حقیقی بہادروں کے جاننے پہچاننے کا بہت ہی کم موقع ملا ہے۔ شجاعت و بہادری یقیناً بہت ہی قابلِ تعریف چیز ہے اور اس کو جس قدر قابلِ فخر سمجھا جائے کم ہے لیکن اس کے مفہوم میں چونکہ غلط فہمیاں بکثرت واقع ہوئی ہیں لہذا بہت سے نامردوں کو بہادر

اور بہت سے بہادروں کو نامرد سمجھ لیا گیا ہے۔ ایک نفس پرست۔ بے انصاف۔ اور خونریز ڈاکو جو اپنی خواہشات نفسانی کو پورا کرنے کے لئے دوسروں کا مال زبردستی چھین لیتا اور مقابلہ کرنے والے کو بلا تامل قتل کر ڈالتا ہے درحقیقت اعلیٰ درجہ کا نامرد اور بزدل ہے کہ اُس سے اپنی ناجائز خواہشات کا مقابلہ نہ ہو سکا لیکن لوگ اُس کو بہادر سمجھتے اور جس نے بجا طور پر اُس ڈاکو کا مقابلہ کیا اور اس مقابلے میں اپنی جان دیدی اُس کی بہادری کا کوئی چرچا نہیں ہوتا۔ قرطاجنہ کے مشہور آفاق سپہ سالار ہنی بال کو بہادری کا تمغہ ساری دنیا سے اسلئے مل گیا کہ رومیوں کے ملک کو فتح کرنے کے لئے کوہ ایلپس کو معہ فوج عبور کر آیا تھا حالانکہ ہنی بال سے زیادہ بہادر قرطاجنہ کے وہ شہری باشندے تھے جنھوں نے اٹلی کے غارتگر لشکر کا مقابلہ کرنے اور اپنے شہر کو بچانے کی کوشش میں اپنی جانیں قربان کیں۔ چنگیز خاں جس نے ہزارہا بستیاں برباد اور خاکِ سیاہ بنا دیں جس نے لاکھوں بیگناہوں کا خون محض اپنی خواہشِ ملک گیری کے لئے پانی کی طرح بہا دیا بہادروں کی فہرست میں کیسے شامل ہو سکتا ہے۔ بہادروں کی فہرست میں شامل ہونے کے مستحق تو وہ لوگ تھے جو خونخواروں کی مدافعت۔ اپنے اہل وعیال کی حفاظت اور حق کی حمایت میں چنگیز خاں کا مقابلہ کرکے مارے گئے اور اُس کے آگے سے جان بچا کر اور دُم دبا کر بھاگ نہیں گئے۔ لیکن ان بہادروں سے عموماً دُنیا ناواقف ہے۔ یونان کا مشہور حکیم سقراط جس نے حق کی حمایت میں اپنی جان کی مطلق پرواہ نہیں کی یقیناً بہادر تھا لیکن لوگوں نے سکندر یونانی کو جو اپنی ہوسِ ملک گیری کو تسکین دینے کے لئے خون کے دریا میں تیرتا ہوا ستلج کے کنارے تک پہونچ گیا تھا اعلیٰ درجہ کے بہادروں میں شامل کیا ہے۔ اگر شاہنامہ فردوسی کی داستان صحیح ہے تو سیستان کے مشہور پہلوان رُستم کو بہادروں کی فہرست میں داخل کرتے ہوئے اس لئے تامل ہونا چاہیئے کہ اُس نے محض حمایتِ حق کے لئے نہیں بلکہ جاہ پرستی۔ شاہ پرستی اور شہرت طلبی کے لئے سُہراب واسفندیار وغیرہ پہلوانوں کو قتل کیا

اور بہت سے عالیجاہ لوگوں کو نیچا دکھایا لیکن اگر بھگوت گیتا کا بیان صحیح ہے تو ہندوستان کے مشہور سردار ارجن جی مہاراج کو صرف اس لئے بہادروں میں شامل کیا جا سکتا ہے کہ اُس نے اپنے بدمقابل لوگوں پر حملہ آور ہونے اور ہتیار استعمال کرنے میں اُس وقت تک تامل کیا جب تک کہ اُن لوگوں کا قتل کرنا کرشن جی مہاراج نے جائز اور ضروری ثابت نہ کر دیا۔

دُنیا میں سچی بہادری اور حقیقی شجاعت صرف ہادیان برحق اور انبیائے کرام ہی میں نظر آ سکتی ہے۔ انبیائے کرام ہی صداقت وحق کے شایع کرنے والے اور حق کی حمایت میں ہر قسم کا نقصان وزیاں برداشت کرنے والے ہوتے ہیں۔ انبیاء علیہم السّلام جو دُنیا میں حق وصداقت لیکر آتے ہیں اُن کی اعانت اور حق کی حمایت کرنیوالے بہادر لوگ ہی ہو سکتے ہیں۔ ایمان اور بہادری دونوں کو مترادف الفاظ سمجھنا چاہئے۔ اور اسی لئے بہادری کے اعلیٰ سے اعلیٰ نمونے انبیاء علیہم السلام اور اُن کے سچے متبعین ہی میں تلاش کئے جا سکتے ہیں۔ تعلیماتِ انبیا کے ذریعہ ہی انسان شرافت وسعادت حاصل کر سکتا ہے اور اسی لئے ایمان باللہ اور ایمان بالیوم الآخر کے ہوتے ہوئے انسان کبھی بُزدل اور نامرد ہو ہی نہیں سکتا۔ جو لوگ جزا وسزا اور حیات بعد الممات کے قائل نہیں اُن میں کبھی اتنی جرأت پیدا ہی نہیں ہو سکتی کہ وہ محض حق وصداقت کے لئے اپنی جان کو خطرہ میں ڈالیں اسلئے کہ اُن کی نگاہ میں سب سے زیادہ قیمتی سرمایہ اُنکی دُنیوی زندگی ہوتی ہے لہذا اپنی اس زندگی کی حفاظت کرنا اور اسے خطرات سے بچانا وہ مقدم اور ضروری سمجھتے ہیں۔ لیکن متبعینِ انبیاء اس دُنیا اور دُنیوی زندگی اور دُنیا کی ہر ایک چیز کو متاع قلیل اور محض عارضی چیز یقین کرتے ہیں اُن کی اُمیدگاہ اس دُنیا اور دُنیوی زندگی سے آگے اُخروی اور دائمی زندگی ہوتی ہے اور اُس دائمی زندگی کی کامرانی اسی پر منحصر ہے کہ اس دُنیا میں انسان ہمیشہ حق کی حمایت پر کمربستہ اور ہر ایک

خوف و خطر کے مقابلے میں ثابت قدم رہنے کی ہمت رکھتا ہو۔

حقیقی بہادری ہی ظلم و استبداد کا علاج ہو سکتی اور شجاعت و بہادری ہی ظالموں کے ہاتھوں کو کوتاہ کر سکتی ہے۔ جس قوم میں بہادروں یعنی حق کے لئے جفا برداشت کرنے والوں کی کثرت ہوتی ہے وہ قوم عموماً رذائل سے محفوظ رہتی ہے۔ بزدلی و نامردی کی رذالت میں اکثر وہی قومیں مبتلا رہی ہیں جو عموماً حیات بعد الممات اور جزا و سزا پر ایمان نہیں رکھتیں یا اس ایمان میں کمزور ہو کر اپنی تمام تر ہمت کو اسی دنیوی زندگی کے سامانوں میں محصور و محدود کر لیتی ہیں۔

نامرد اور بزدل انسان ہمیشہ جھوٹ بولنے پر دلیر ہوتا ہے۔ وہ دروغگوئی کو ہوشیاری قابلیت اور خوبی سمجھنے لگتا ہے۔ جھوٹ کو اپنی سپر قرار دیکر ہر خطرے اور اندیشہ کے وقت اسی کی پناہ لیتا اور کذب و دروغ کو اپنے لئے ایک قلعہ اور حصار سمجھنے لگتا ہے لیکن اُس کو بار بار اپنی دروغگوئی کے افشا ہونے پر ذلت اُٹھانی پڑتی اور پھر رفتہ رفتہ احساس ذلت بھی غائب ہو جاتا اور وہ جھوٹ بولنے کا عادی ہو کر مستقل طور پر ایک کمینہ انسان اور اعلیٰ درجہ کا بزدل بن جاتا ہے۔ منافقت بھی اسی جھوٹ کا دوسرا نام ہے جب انسان کا ضمیر مُردہ ہو جاتا ہے اور اُس میں شجاعت و بہادری کا کوئی شائبہ باقی نہیں رہتا تو وہ منافقت کو دانائی اور جھوٹ بولکر کام نکال لینے کو عقلمندی یقین کرنے لگتا ہے۔ ایسے ہی نامرد اور بزدل لوگ استبدادی حکومت کے شجر خبیثہ کی جڑوں کے لئے کھاد کا کام دیتے اور یہی نامرد جھوٹی خوشامد اور منافقانہ قصیدہ خوانیوں سے ظالموں کی ہمت بڑھا دیتے ہیں۔ جو شخص جس قدر شجاعت و بہادری سے عاری اور بزدلی و نامردی سے متصف ہو گا وہ اُسی قدر ظالم و بے رحم ہو گا۔ دنیا میں ان نامرد منافقوں ہی کی بدولت استبدادی حکومتوں کی بُنیاد استوار ہوتی ہے اور یہی نامرد منافق سب سے زیادہ حق و صداقت کے دشمن اور مذاہب حقہ کے ذریعہ قائم ہونے والی مذہبی حکومتوں کے

برباد کرنے والے ثابت ہوئے ہیں جس کا ثبوت صفحاتِ تاریخ سے دستیاب ہو سکتا ہے۔
منافق ہمیشہ اپنے ذاتی اغراض کو مقدم رکھتا اور اجتماعی مقاصد اور عالم انسانیت کی سود و بہبود کو اپنے ذرا سے ذاتی نفع کے لئے قربان کر دیتا ہے۔ حق کی مخالفت کرنا اُس کا مزاج ثانیہ بنجاتا ہے یہی وجہ ہے کہ مذاہب حقہ نے ہمیشہ بُزدل منافقوں اور نامرد دروغ بافوں کو ننگِ انسانیت قرار دیا اور ان کا ٹھکانا دوزخ کا بدترین مقام ٹھہرایا ہے۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ج (النساء - ۲۱)	کچھ شک نہیں کہ منافق لوگ دوزخ کے سب سے نیچے کے درجے میں ہوں گے۔

شجاعت پناہ اور شرافت دستگاہ مومنوں نے جس طرح ہمیشہ حق کی حمایت کا اظہار ہوتا ہے نامرد منافقوں اور بُزدل دروغبافوں نے ہمیشہ اپنے آپکو شیطان کا پرستار اور ابلیس کا خدمت گزار ثابت کیا ہے۔ ایک بہادر انسان حق کی حمایت میں اپنے ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں کی بھی مطلق پرواہ نہیں کرتا۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ (النساء - ۲۰)	مومنو! مضبوطی کے ساتھ انصاف پر قایم رہو اور خدا لگتی گواہی دو اگرچہ یہ گواہی خود تمہارے اور تمہارے ماں باپ اور رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔

ایک بہادر انسان اپنی ذات اور اپنی خواہشات کے لئے کسی سے جنگ نہیں کرتا وہ ہمیشہ حق و صداقت کے قایم کرنے اور کذب و باطل کو مٹانے کے لئے جنگ آزما ہوتا ہے۔ نامرد ہمیشہ اپنی ذات اور اپنی خواہشات کے لئے ہی کرتا ہے جو کچھ کرتا ہے۔ لہذا جب ان نفس پرست ایک جہانی نامردوں کا مومنوں یعنی سچے بہادروں اور حق کے حامیوں سے مقابلہ ہوتا ہے تو ایک ایک مؤمن کے مقابلے میں دس دس ہوا پرست نہیں ٹھہر سکتے۔

اِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ وَاِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ مِّائَۃٌ یَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاَنَّھُمْ قَوْمٌ لَّا یَفْقَھُوْنَ ﴿الانفال - ۹﴾	اگر تم میں سے ثابت قدم رہنے والے بیس بھی ہونگے تو وہ دو سو پر غالب رہیں گے اور اگر تم میں سے ایسے سو ہونگے تو ہزار کافروں پر غالب رہیں گے کیونکہ یہ ایسے لوگ ہیں جو حق کو سمجھتے ہی نہیں کہ اُسکے لئے جان بھی دیدینی چاہیئے۔

بہادر انسان چونکہ حق کا حامی ہوتا ہے لہٰذا وہ اعلیٰ درجہ کا رحمدل اور سنگدلی و قساوت کی پلیدی سے پاک ہوتا ہے۔ وہ مظلوم کی اعانت پر ہمہ اوقات مستعد اور ظالم کو اُس کے ظلم سے روکنے کے لئے آمادہ رہتا ہے۔ سچی بہادری کی بدولت ہی دُنیا میں عدل قایم ہے اور سچی بہادری کی بدولت نوع انسان دنیا میں آباد و فارغ البال رہ سکتی ہے۔ بُزدلی و نامردی جس کو خود مطلبی و منافقت و کذب و سنگدلی و بے انصافی و کفر و بے حیائی وغیرہ خطابات سے بھی یاد کیا جا سکتا ہے دُنیا کی بربادی اور عالمِ انسانیت کی خرابی کا موجب ہے۔ تاریخ عالم کا ہر ورق اس بات کی گواہی دے رہا ہے کہ بُزدلی و نامردی نے نوعِ انسان کو گمراہ و مبتلائے مصائب بنایا اور سچی بہادری نے جس کی انبیاء و رُسل کے ذریعہ ہی تعلیم دی جاتی رہی ہے عالمِ انسانیت کو ترقی و کامرانی کی طرف بڑھایا ہے اور بہادری ہی سخاوت۔ غیرت۔ ایثار۔ قربانی۔ اتحاد اور محبت کی مورث ہے۔

انفرادی اغراض اور اجتماعی مقاصد

انسان سب سے زیادہ اپنی بقا اور راحت کا خواہاں اور سب سے زیادہ اپنی ہلاکت و فنا سے گُریزاں ہے۔ ہر اذیت۔ ہر مصیبت اور ہر ایک رنج و غم چونکہ حیات اور قیام و بقا کے متضاد اور ہلاکت و فنا کے متوازی ہے لہٰذا انسان اذیت و غم سے بچنے اور دور رہنے کی کوشش کرتا ہے۔ اسی طرح ہر راحت و مسرت چونکہ حیات اور بقا سے مناسبت و ہمجنسیت رکھتی اور ہلاکت و فنا کے منافی ہے لہٰذا انسان راحت و مسرت کے حاصل کرنے میں

ساعی رہتا ہے لیکن عقل و تجربہ کی رہبری سے وہ ہلکی اور تھوڑی دیر کی اذیت کو بھاری اور دیرپا مصیبت سے بچنے کے لئے بخوشی برداشت کر لیتا اور چھوٹی راحت کو بڑی راحت حاصل کرنے کے لئے قربان کر دیتا ہے کیونکہ اُس کو اسی میں اپنی حیات و بقا کا سامان نظر آتا ہی۔ اس عقل و تجربہ کی بینائی کو جب ہدایتِ الٰہیہ اور مذہب برحق کی دُوربین میسر آجاتی ہے تو وہ جزا و سزا اور حیاتِ بعد الممات کا قائل ہو کر اس تمام دُنیوی زندگی کو حیاتِ اُخروی کے مقابلے میں ہیچ اور اس دنیوی زندگی کی تمام راحتوں اور مسرّتوں کو حیاتِ اُخروی کی دائمی راحتوں کے مقابلے میں متاعِ قلیل سمجھنے لگتا ہے۔

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْیَا قَلِیْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰی۔ (النساء - ۱۱)

اے رسول ان لوگوں سے کہو کہ دُنیا کے فائدے بہت ہی تھوڑے فائدے ہیں اور جو شخص خدا سے ڈر کر کام کرے اُسکے لئے آخرت کی فلاح ان دُنیوی فوائد سے بہتر ہی۔

اَرَضِیْتُمْ بِالْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا مِنَ الْاٰخِرَۃِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَۃِ اِلَّا قَلِیْلٌ ۝ (التوبہ - ۶)

کیا تم آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی پر قناعت کر بیٹھے ہو اگر یہ بات ہی تو تمہاری سخت غلط فہمی ہے کیونکہ آخرت کے فائدوں کے مقابلے میں دُنیا کی زندگی کے فائدے محض بے حقیقت ہیں۔

جن لوگوں نے اپنی زندگی کے قیام و بقا کو صرف اس دُنیا تک ہی محدود سمجھا ہے اور جزا و سزا اور حیاتِ بعد الممات کے قائل نہیں ہیں وہ بھی اور جو حیاتِ بعد الممات کے قائل ہیں وہ بھی اس اصول کے قائل اور سب اِس پر عامل ہیں کہ چھوٹی مصیبت کو بڑی مصیبت سے بچنے کے لئے بخوشی قبول کر لینا چاہئے۔ اگر اس اصول کی عام طور پر پابندی نہ ہوتی تو آج دُنیا میں انسان چوپایوں سے زیادہ ضعیف و ذلیل ہوتا۔ نہ ان تمدنی ترقیات کا نام و نشان پایا جاتا نہ اخلاق و تہذیب اور علوم و فنون کے موجودہ مدارج تک انسان پہونچ سکتا۔ بڑی اور سخت مصیبت سے بچنے کے لئے چھوٹی اور ہلکی مصیبت کو بخوشی

قبول کر لینا انسانکی فطرت میں داخل ہے اور اسلیئے انسان نے اپنی ضروریاتِ زندگی کے حصول کیخاطر اپنی بہت سی خواہشات کا خون اور دوسرے انسانوں کے ساتھ تعاون کو بخوشی منظور کر لیا۔ ہر شخص سب کچھ اپنے ہی لئے نہیں کرتا بلکہ بہت کچھ دوسروں کے لئے کرتا اور بہت کچھ دوسروں سے حاصل کرتا ہے۔ اگر ہر شخص اپنے لئے کافی ہوتا اور دوسروں کی امداد کا محتاج نہ ہوتا تو تمدن واخلاق وغیرہ کا وجود نہ ہوتا۔ ایکطرف انسانکو اپنی ذات اور اپنی راحت عزیز۔ دوسریطرف وہ دوسروں کی ذات کو راحت پہونچانیکے لئے بھی مجبور۔ لہذا انسانی اغراض کی دو قسمیں ہوئیں ایک ذاتی وانفرادی اغراض دوسرے اجتماعی مقاصد۔ انسان چونکہ تنہا اپنے لئے ناکافی ہے اور وہ جماعت کا ایک جزو بن کر ہی انسانی زندگی بسر کر سکتا ہے لہذا جماعت کے مقاصد عین اُس کے مقاصد ہوئے اور اس طرح اگر جماعت کا ہر شخص اجتماعی مقاصد کے حصول میں ہی مصروف ومستغرق ہو جائے تو جماعت کے ہر فرد کو اُس کی کوشش کے نتائج ملجائیں گے یعنی جو نتائج سب کی سعی وکوشش سے برآمد ہونگے وہ سب کو مساوی نفع پہونچائیں گے۔ اجتماعی اغراض کے حصول کو اپنا محورِ عمل بنا لینا انسان کی تنہا ذات کے لئے بھی چونکہ مفید ہے اور نقصان رساں ہرگز نہیں ہے لہذا کہا جا سکتا ہے کہ انسان کو سب کچھ جماعت ہی کیلئے کرنا چاہیئے اور خاص اپنی ذات کے لئے کچھ نہ کرنا چاہیئے لیکن اس طرح ہر انسان اپنی ذاتی امتیازات مٹا کر بجائے انسان اور شخص ہونے کے مشین کی حیثیت اختیار کر لیگا اور انسانی جذبات کی ناہمواری کو سطح مستوی میں تبدیل کرنا پڑیگا جو ممکن نہیں۔ یہ بات انسان کے اختیار میں نہیں کہ وہ خود اپنے وجود کو غیر موجود یقین کر لے۔ یہ بھی ممکن نہیں کہ ایک شخص روٹی کھائے اور اُس سے دوسرے کا پیٹ بھر جائے۔ ایک پانی پیئے اور دوسرے کی پیاس بجھ جائے۔ ہر شخص کے جذبات جُدا۔ ہر شخص کی خواہشات جُدا۔ ہر شخص کا وجدان جُدا۔ ہر شخص کی عقل جدا۔ ہر شخص کا میلانِ طبع اور ہر شخص کا مزاج جدا۔ ہر شخص کی سعی وکوشش اور اُس کی مقدار جُدا۔ حتیٰ کہ سب کی رفتار۔ گفتار۔ دستار

جُدا جُدا ہے۔ اس قدر اختلاف و تبائُن کے ہوتے اور علم و استعداد کے فرق کو دیکھتے ہوئے یہ کس طرح فرض کیا جا سکتا ہے کہ انسان جو ایک درخت کی طرح نشو و نما پانے۔ بڑھنے۔ پھلنے برگ و بار لانے۔ گرمی و سردی سے متاثر ہونے والا پیدا کیا گیا ہے وہ لکڑی یا لوہے کی بنی ہوئی مشین کی طرح یکساں خدمت انجام دینے میں مصروف رہے اور اُس کا اختیار و ارادہ جو آزادی سے مخمر کیا گیا ہے پابندی و جبر کے سانچے میں تمام و کمال ڈھل جائے۔ پس تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ انسان اپنی ذاتی اغراض کو بھی خیر باد نہیں کہہ سکتا اور چونکہ وہ بالطبع اور فطرتاً متمدن ہے لہذا اجتماعی مقاصد اور اُن فرائض سے بھی جو جماعت کی طرف سے اُس پر عاید ہوتے ہیں اغماض اور اعراض نہیں کر سکتا اور رہبانیت و صحرا نشینی کی وحشیانہ زندگی کو خوشگوار زندگی نہیں پاتا۔ چنانچہ بعض فلاسفروں اور علم النفس کے ماہروں کا قول ہے کہ انسان موت سے اسلئے ڈرتا ہے کہ وہ تنہائی سے بہت گھبراتا ہے۔

اب اس سوال کا جواب سوچنا باقی ہے کہ آخر انفرادی و اجتماعی مقاصد کی اہمیت میں تناسب کس طرح قایم کیا جائے اور ایک کو دوسرے پر مرجح قرار دینے کے لئے وجہ ترجیح کیا ہے؟۔ سب سے پہلے اس بات کو ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ شخصی و ذاتی یا انفرادی مقاصد کا تعلق انسان کی عام حیوانی فطرت اور نفسانی جذبات اور اُس حالت سے ہے جو عقلِ مآل اندیش کی کارفرمائی سے پہلے پہلے ایک بے سمجھ بچے یا ایک وحشی انسان میں زیادہ صفائی سے نظر آ سکتی ہے۔ عقل جب جذبات کی تہذیب و اصلاح کے ساتھ تجربہ کو وسیع اور مآل اندیشی کو قوی بنانے لگتی ہے تو ساتھ ہی ساتھ تعاون کی قدر و قیمت اور مقاصد اجتماعی کی اہمیت ذہن نشین ہونے لگتی ہے۔ لہذا انسان کی اغراضِ ذاتی کا تعلق تقاضائے فطرت سے ہے اور مقاصدِ اجتماعی کا تعلق تقاضائے عقل سے ہے۔ ظاہر ہے کہ انسانی فطرت کی تہذیب و تکمیل عقل و مذہب کے ذریعہ ہوتی ہے اور عقل و مذہب کی کارفرمائی کے بغیر انسان سعادتِ انسانی کو نہیں پہونچ سکتا۔

فطرتِ انسانی کی مثال یوں سمجھنی چاہیئے کہ ہر تخم میں خدائے تعالےٰ نے مٹی اور پانی میں ملکر نشو ونما پانے۔ درخت بننے اور خاص خاص قسم کے برگ و بار لانے کی قوت واستعداد رکھدی ہے۔ انھیں درختوں کو جب مالی باغ میں خاص خاص مقام پر نصب کرتا۔ پانی دیتا اور ان کی شاخوں کو تراش کر خوبصورت بناتا ہے تو ایک خوش فضا اور نفع رساں باغ تیار ہو جاتا ہے لیکن یہی درخت مالی کے عمل اور تصرف کے بغیر وحشت ناک جنگل بناتے اور بجائے نفع رسانی کے مضرت رساں بنجاتے ہیں۔ جس طرح مالی اپنے عمل اور تصرف سے باغ تیار کرتا ہے اسی طرح عقل اور مذہب کے تصرف سے با اخلاق اور با خدا انسان تیار ہوتا ہے جس طرح مالی درختوں کی بعض شاخوں کو تراش کر خوبصورت بناتا ہے اسی طرح عقل ومذہب فطری قویٰ اور فطری جذبات کو مفید بناتے ہیں۔ فطری جذبات اور فطری تقاضوں کو اسی طرح فنا نہیں کیا جا سکتا جس طرح مالی درخت کی قوتِ نشو ونما کو فنا اور اُسکے برگ و بار کی نوعیت کو تبدیل نہیں کر سکتا۔ اب بآسانی یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ عقل انسانی نے اغراضِ اجتماعی کے پورا کرنے کی اہمیت وضرورت انسان کو بتائی اور مذہب نے اس محدود دُنیوی زندگی سے بھی آگے دوسری غیر محدود اُخروی زندگی کا یقین دلاکر اعمالِ انسانی کو اور بھی زیادہ صحیح اور نتیجہ خیز بنا دیا۔ انسان جس قدر اغراضِ ذاتی کو زیادہ مقدم رکھتا ہے اُسی قدر اُسکا تعلق اجتماع اور جماعت سے کم ہو جاتا ہے۔ جس جماعت کے افراد ذاتی اغراض کو زیادہ مقدم رکھتے ہیں وہ جماعت کمزور اور اُس کے جماعتی مقاصد برباد ہو جاتے ہیں اور جماعت کے نہایت کمزور اور بے اثر ہو جانیکی وجہ سے اُسکے افراد بھی ذلیل اور اپنے اپنے ذاتی منافع سے بھی محروم ہونے لگتے ہیں۔

اَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ ۝ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۝ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ	کوئی چیز لوگوں کو پیمانے سے ناپ کر دو تو پیمانہ بھر کر دیا کرو اور لوگوں کو نقصان پہونچانے والے نہ بنو اور تولو تو ترازو کی ڈنڈی سیدھی رکھ کر تولا کرو اور لوگوں کو اُنکی

أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ٥ (الشعراء - ۱۰)	چیزیں کمی سے نہ دیا کرو اور ملک میں فساد نہ پھیلاتے پھرو۔

اگر جماعت کے افراد اجتماعی مقاصد کو بالکل نظر انداز کر دیں تو سرے سے جماعت کا وجود ہی غائب ہو جاتا اور چونکہ کوئی شخص کسی دوسرے کے کام نہیں آتا اس لئے ہر شخص اپنے ذاتی مقاصد سے محروم ہو کر شرفِ انسانیت سے جُدا ہو جاتا ہے۔ چونکہ ہر شخص تنہا اپنی ضروریات پوری نہیں کر سکتا لہٰذا جماعت بنانے اور جماعت کا ایک جزو بن کر رہنے کے لئے انسان مجبور ہے سب سے چھوٹی جماعت ایک خاندان ہے۔ ایک خاندان کے افراد دوسرے خاندانوں سے بے تعلق رہ کر اپنے آپکو اور اپنے خاندان کو زیادہ فوائد نہیں پہونچا سکتے اور نہ زیادہ ترقی کر سکتے ہیں لہٰذا متعدد خاندانوں کی ایک جماعت مثلاً ایک قبیلہ یا ایک محلہ یا ایک گاؤں کے افراد مل کر زیادہ ترقی کر سکتے ہیں۔ اسی طرح اقوام و ممالک کی بڑی بڑی جماعتیں اور بھی زیادہ مفید ہو سکتی ہیں۔ جس قوم یا جس ملک کے افراد اپنی ذاتی اغراض پر ملکی و قومی اغراض کو زیادہ مقدم رکھتے ہیں وہ زیادہ معزز زیادہ طاقتور اور زیادہ منافع کے مالک ہو جاتے ہیں اور ایسے ملک یا قوم کے ہر فرد کی راحت و مسرت اُس ملک یا قوم کے افراد کی راحت و مسرت سے زیادہ بڑھجاتی ہے جو قومی و ملکی اغراض کو ذاتی اغراض پر اتنی زیادہ ترجیح نہ دیتے ہوں۔ اگر مختلف اقوام اور مختلف ممالک کے افراد اپنی اپنی قوم اور اپنے اپنے ملک کے اجتماعی اغراض کو مقدم رکھ کر اپنے اپنے ملک اور اپنی اپنی قوم کو طاقتور بنالیں اور اس طرح خود بھی زیادہ راحت اور زیادہ سے زیادہ منافع زندگی حاصل کر لیں پھر بھی انسان ترقی کے اعلیٰ مقام اور حقیقی راحت و مسرت تک نہیں پہونچا اس لئے کہ اقوام و ممالک کی زور آزمائی اور رقابت بھی ایسی ہی زیادہ طاقتور اور زیادہ خطرناک ہو گی جیسی کہ اقوام زیادہ طاقتور رہیں۔ لہٰذا اس دُنیوی زندگی کی اعلیٰ راحت و مسرت اُسی وقت حاصل ہو سکتی ہے کہ اقوام و ممالک کی تمام

بڑی بڑی جماعتیں مل کر کل عالمِ انسانیت ایک مجموعہ بن جائے اور قومی و ملکی اغراض اجتماعی کا نام انسانی اغراض ہو جائے اور انسان کو صرف یہ سوچنا پڑے کہ کونسی ذاتی غرض ہے اور کونسی انسانی غرض۔ اس مقام پر پہونچکر یہ گتھی خود بخود حل ہو جائیگی کہ انفرادی و اجتماعی اغراض کے حدود کیا ہیں۔ کیونکہ اس حالت میں ذاتی اور انسانی مقاصد کا فرق معلوم کرنا ذرا بھی دشوار نہ رہے گا۔ دشواری جو پیش آتی ہے وہ صرف اسی لئے پیش آتی ہے کہ انفرادی و اجتماعی مقاصد میں جن مقاصد کو اجتماعی کہا جاتا ہے وہ قبیلے۔ قوم۔ وطن اور ملک کے مقاصد ہوتے ہیں لیکن دوسرے قبیلوں۔ قوموں اور ملکوں کا تصور کرتے ہوئے ان اجتماعی مقاصد کی حیثیت انفرادی ہو جاتی ہے۔ حقیقی اجتماعی مقاصد وہی ہو سکتے ہیں جو عالمِ انسانیت کے مقاصد ہوں۔ انفرادی مقاصد اور اجتماعی مقاصد کی قدرتی اور فطری اور نہایت صحیح حد بندی اس طرح سمجھ میں آسکتی ہے کہ ایک خاندان کے افراد میں ہر فرد کی کچھ ذاتی ضرورتیں اور کچھ خاندان کی مجموعی ضروریات ہوتی ہیں۔ افرادِ خاندان کے درمیان جو فطری محبت موجود ہوتی ہے وہ انفرادی اغراض اور خاندان کی اجتماعی اغراض میں عموماً کوئی تصادم اور کشمکش پیدا نہیں ہونے دیتی اور اہل خاندان کو انفرادی و اجتماعی اغراض کا فرق بھی محسوس نہیں ہوتا۔ لیکن اگر اتفاقاً خاندان کا کوئی ایک فرد کبھی ایسا نکل آتا ہے جو اپنی ذاتی و انفرادی اغراض کو غیر معمولی طور پر مقدم رکھتا ہے تو وہ حیرت کے ساتھ انگشت نما بنا لیا جاتا ہے اور اُس کو تن آسان۔ شکم پرور۔ آرام طلب پست فطرت۔ بے غیرت۔ نامرد۔ کم ہمت۔ دیوث۔ سنگدل۔ ننگ خاندان وغیرہ خطابات سے مخاطب کیا جاتا ہے۔ یہ خطابات اُس کو اسی حالت میں دئے جاتے ہیں کہ وہ اپنی ذاتی اغراض و خواہشات کو غیر معمولی طور پر خاندان کی مجموعی اغراض پر مقدم رکھتا ہو ورنہ بقدرِ مناسب اپنی ذاتی ضروریات کا لحاظ رکھنا کوئی عیب نہیں سمجھا جاتا بلکہ اجتماعی و انفرادی اغراض کے توافق کا نام ہی نیک کرداری و سلامت روی ہے

اور اس توافق یا نیک کرداری ہی کو عدل وانصاف کہا جاتا ہے۔ انسان کا کمال اور اسکی خوبی اسمیں ہے کہ وہ جسطرح اپنے افرادِ خاندان کے اجتماعی اغراض ومقاصد کو اپنے ذاتی اغراض و خواہشات پر بخوبی مقدم رکھتا ہی تمام قبیلے کے اجتماعی اغراض کو مقدم ٹھہرائے۔ یہیں تک نہیں اور آگے ترقی کرکے تمام قوم کو ایک خاندان سمجھنے لگے اور افرادِ قوم کو افرادِ خاندان تصور کرے۔ پھر اس سے بھی آگے قدم اُٹھائے اور تمام نوعِ انسان کو ایک خاندان سمجھکر ہر انسانکو اپنی خاندان کا ایک فرد یقین کرے اور نوعِ انسانی کی سود وبہبود کو ایسا ہی ضروری سمجھے جیسے اپنے ایک محدود خاندان کی سود وبہبود کا خواہاں تھا۔ اس مقام تک پہونچکر وحدت اور توحید کی تکمیل ہوجاتی ہے اور ایسا ہی شخص تعظیم لامر اللہ اور شفقت علیٰ خلق اللہ کے صحیح مفہوم سے واقف ہوسکتا ہے اور مذاہبِ حقہ دنیا میں انسان کو اسی مقام تک پہونچانے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ بنابریں بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ جو شخص اپنی ذاتی اغراض اور اپنے نفس کی خواہشات کو اجتماعی مقاصد کے مقابلے میں ترجیح دیتا ہے وہ یقیناً نامرد۔ کم ہمت۔ پست فطرت۔ بے غیرت۔ ننگِ انسانیت وغیرہ خطابات کا مستحق ہے اور اسی لیئے مذاہبِ حقہ اجتماعی اغراض کو انفرادی اغراض پر مقدم رکھنے کی ترغیب دیتے رہے ہیں اور اسی اصول پر عامل ہونے سے ترقی کی بہت سی راہیں انسان طے کرسکا ہے اور آئندہ بھی اسی طرح آگے بڑھ سکے گا۔

عالمِ انسانیت اُس وقت تک اپنے معراجِ کمال کو نہیں پہونچ سکے گا جب تک کہ خود مطلبی وخود غرضی کی جگہ انسانیت پسندی اور اغراضِ انسانی کو ترجیح نہ دیجائیگی۔ اسی لیئے جن لوگوں نے عالمِ انسانیت کی فلاح وبہبود کے لیئے اپنی جانوں کو قربان کردیا اُنھوں نے اپنی زندگی کے حقیقی مقصد اور حیات وراحتِ دائمی کو پالیا۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَاۗءٌ وَّلٰكِنْ لَّا	اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں اُن کو مرا ہوا نہ کہو وہ مرے نہیں بلکہ زندہ ہیں اُن کی زندگی کی

تَشْعُرُوْنَ ○ (البقرۃ - ۱۹) | حقیقت سے تم نا آشنا ہو۔

اور جنھوں نے اپنی ہی ذات کو مقدم رکھا اور دوسروں کے کام نہ آئے اُنھوں نے اپنے آپ کو برباد کیا اور شرفِ انسانیت سے محروم و بے نصیب رہ گئے ○

صاحبدلے بمدرسہ آمد زخانقاہ | بشکست عہدِ صحبتِ اہلِ طریق را
گفتم میانِ عالم و عابد چہ فرق دید | تا گردی اختیار ازاں این فریق را
گفت او گلیم خویش بدر می بُرد ز موج | دیں جہد می کند کہ بگیرد غریق را

جذبۂ قومیت کی حقیقت

مقدمۂ تاریخ ہند قدیم جلد اول میں یہ بات بدلائل بیان کیجا چکی ہے کہ تمام نوعِ انسان ایک آدم کی اولاد ہے۔ جس طرح ایک درخت کی شاخیں شاخ در شاخ ہو کر بڑھتی اور پھیلتی ہیں اسی طرح انسانی نسلیں قوموں قبیلوں اور خاندانوں میں متفرع ہوئی ہیں۔ فطرتِ انسانی کا ایک خاصہ ہے کہ جس قدر قرابت اور رشتہ داری کا تعلق قریبی ہوتا ہے اُسی قدر ہمدردی اور محبت زیادہ ہوتی ہے۔ جوں جوں یہ تعلق بعید ہوتا جاتا ہے محبت و ہمدردی بھی کم ہوتی جاتی ہے۔ دو حقیقی بھائیوں میں جو محبت و ہمدردی ہو سکتی ہے چچا زاد بھائیوں میں ممکن نہیں اور چچا زاد بھائیوں میں جو محبت و ہمدردی ممکن ہے ایک پردادا کے ذریعہ تعلق رکھنے والے دوسرے دُور کے بھائیوں میں اُس قدر ممکن نہیں۔ ایک قبیلے کے افراد میں محبت و اخوت کا جو تعلق ہوتا ہے وہ قوم کے عام افراد میں نہیں ہوتا اور جو ایک قوم کے افراد میں ہوتا ہے دوسری قوم والوں کے ساتھ نہیں ہوتا۔ یہ محبت و شفقت اور صلۂ رحمی جو ایک فطری خاصہ ہے زمانہ کے ساتھ ہی ساتھ قبیلوں اور قوموں کو متشعب و متفرع کر کے اُن کی تعداد اور نسلِ انسانی کے انتشار و تفریق میں اضافے کا موجب بھی ہے۔

اس نسلی تعلق وہمدردی کا سبب مربیت کے سوا اور کچھ نہیں۔ دو حقیقی بھائیوں میں محبت اسی لئے ہے کہ اُن کی پیدائشِ جسمانی کا سببِ ظاہری اور اُن کا مربی ایک باپ ہے۔ ایک دادا کی اولاد میں اسی لئے محبت و اخوت موجود ہے کہ اُنکے مربیوں کا مربی یعنی اُن کے باپوں کا باپ ایک ہے وقس علیٰ ھٰذا۔ ایک اُستاد کے دو شاگردوں میں بھی خصوصی تعلق و محبت کا سبب یہی مربیت ہے اور ایک محلہ یا ایک شہر یا ایک ملک کا باشندہ ہونے کے سبب جو خصوصی تعلق قایم ہوتا ہے اُس کا سبب بھی یہی مربیت ہے۔ انسان اور اُس کے مربیوں میں جس قدر دُوری اور بُعد ہوتا جاتا ہے اُسی قدر محبت کا تعلق کمزور اور ہلکا ہوتا جاتا ہے۔

خدائے تعالےٰ نے انسان کو باہمی تعاون اور تمدن کا محتاج بنا کر تمام نوعِ انسان کے درمیان دوستی و محبت کے پیدا ہونے کا ایک قدرتی سامان پیدا کیا جو اُس بڑھنے والے انتشار وافتراق کی مضرت سے جس کی طرف اوپر اشارہ ہوا ہے نوعِ انسان کو بچائے دوسری طرف اُس نے ہادیانِ برحق اور الٰہی ہدایت ناموں کے ذریعہ انسان کو توجہ دلائی کہ تمہاری جسمانی پیدائش جسمانی پرورش اور پرورشِ جسمانی کے تمام سامانوں کا پیدا اور مہیا کرنے والا تمہارا حقیقی رب خدائے تعالیٰ ہے اور اس کی ربوبیت کے بغیر نہ تمہارا وجود ممکن ہے نہ تم اپنی زندگی کا ایک لمحہ اُس کی ربوبیت کے بغیر گزار سکتے ہو۔ اور اُس کی ربوبیت نہ صرف تمہاری جسمانی پرورش کا باعث ہے بلکہ تمہاری روحانی پرورش اور مقصدِ حیات سے ہمکنار اور حقیقی کامرانی تک فائز ہونے کا موجب بھی وہی ہے۔ لہٰذا مربیت سے بڑھکر ربوبیت کا مرتبہ ہے اور دنیوی مربیوں کے تعلق سے بالاتر تمہارے رب کا تعلق ہے اور چونکہ ہر ایک انسان یکساں طور پر اپنے رب کا مربوب ہے لہٰذا ہر ایک انسان پر دوسرے انسان کا حق ہے کہ ایک خالق کی مخلوق اور ایک رب کا مربوب ہونے کی حیثیت سے شفقت و محبت کا معاملہ کیا جائے اور نوعِ انسان کے

تعلقات آپس میں نہایت خوشگوار ہوں۔

خدائے تعالیٰ نے چونکہ ہر ایک انسان کو یکساں وجود عطا فرمایا۔ یکساں اعضا دیئے۔ یکساں ہوا سانس لینے کو پیدا کی۔ یکساں پانی پینے کو دیا۔ سورج کی روشنی وحرارت سے یکساں طور پر فائدہ پہونچایا۔ جمادات۔ نباتات۔ حیوانات کو سب کا خادم بنایا لہٰذا محسن حقیقی اور مربیٔ حقیقی یعنی خدائے تعالیٰ پر ایمان لانے کا لازمی نتیجہ یہی ہونا چاہیئے کہ سب انسانوں میں یکساں محبت وشفقت ہو اور اس شفقت ومحبت کا معیار خدائے تعالیٰ کا تعلق ہو باقی تمام تعلقات اس تعلق سے نیچے ہوں۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (البقرہ ۲۰) | اور جو لوگ مومن ہیں وہ سب سے زیادہ خدا سے محبت رکھتے ہیں۔

ایک باپ کے دو بیٹوں میں اگر ایک بیٹا باپ کا نافرمان۔ گستاخ اور دشمن بنجائے تو دوسرا سعید بیٹا اُس اپنے شقی بھائی کا ہمدرد و معاون نہیں رہتا مگر ہاں اس بات کی کوشش ضرور کرتا ہے کہ وہ باپ کا نافرمان وشقی بھائی اپنی نافرمانی وشقاوت سے باز آکر باپ کا فرمانبردار بنجائے اور جس طرح ممکن ہو باپ کو رضامند کرلے اسی طرح جو شخص اپنے خالق اور رب کا نافرمان ہے وہ اُن شخصوں کی حمایت کا مستحق نہیں رہتا جو اپنے رب کے فرمانبردار ہیں۔ ہاں! وہ اس بات کے ضرور مستحق ہیں کہ اُن کو اپنے رب کے احکام کی فرمانبرداری واطاعت کی طرف ترغیب اور توجہ دلائی جائے اور اُن کے ساتھ احکام ربانی کے موافق عملدرآمد کیا جائے۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب نسلی تعلقات کے تقاضے بھی فطری اور جذباتی چیزیں ہیں تو پھر قبائلی یا نسلی محبت یا عصبیت کو کیسے مٹایا اور فنا کیا جا سکتا ہے؟۔ اس سوال کا جواب ذرا بھی مشکل نہیں۔ نسلی اور قبائلی خصوصیت و محبت ہرگز فنا نہیں ہونی چاہیئے اُسکا باقی رہنا ضروری ہے اور وہ مٹائی نہیں جا سکتی لیکن وہ اس خصوصیت کے مقابلے میں جو خدائے تعالیٰ کے ساتھ تعلق سے پیدا ہوتی ہے ہرگز نہیں لائی جا سکتی نسلی و قبائلی

تعلق خدائی تعلق کی ضد ہرگز نہیں ہے بلکہ خاندانی و نسلی تعلق خدائی تعلق کو سمجھنے کیلئے وہی مرتبہ رکھتا ہے جو حروف تہجی کو عالم فاضل بننے کے لئے ہے کہ جب تک حروف تہجی اول نہ سیکھے جائیں گے کتاب خوانی کی نوبت نہ آئے گی۔ نسلی و خاندانی یا قبائلی و قومی خصوصیات اُس وقت تک ضرور عامل رہیں گی جب تک کہ خصوصیات و تعلقاتِ ربی پر اثر انداز نہ ہوں مثلاً ہمارا حقیقی بھائی اور ایک غیر قوم کا شخص دونوں توحیدِ باری تعالیٰ پر ایمان رکھتے اور خدائے تعالےٰ کے فرمانبردار و پرستار ہیں تو ہم مجبور ہیں کہ اپنے بھائی کے ساتھ زیادہ محبّت کا برتاؤ کریں لیکن اگر ہمارا حقیقی بھائی خدانخواستہ مشرک یا مُنکرِ خدا ہے اور دوسرا غیر قوم کا شخص موحد اور خداپرست ہے تو اس حالت میں ہمارا تعلق اُسی دوسری قوم کے شخص سے زیادہ ہوگا اور وہی ہمکو زیادہ محبوب ہونا چاہیئے۔

نسلی تعلق امتدادِ زمانہ کے ساتھ انسانوں میں محبت و شفقت کو منتشر اور متفرق کرتا اور خدائی تعلق نسلی تعلق کو علیٰ حالہ باقی رکھتا ہوا تمام انسانوں میں نہایت قوی محبت اور وحدت پیدا کرنا چاہتا ہے۔ عالمِ انسانیت کی فلاح و بہبود اسی میں ہے کہ وہ وحدت اور عام انسانی شفقت کی طرف قدم بڑھائے۔ شرائع آلہیہ نے اُس حد تک نسل اور خون کے تعلق کو ضرور اہمیت دی ہے جو معاشری سہولتوں کے لئے ناگزیر ہے اور جس کے بغیر انسان کا اپنی انسانی شرافت کو پالینا دشوار تھا۔ مثلاً ماں باپ کے حقوق اولاد پر اور اولاد کے حقوق ماں باپ پر۔ یا مثلاً انسانی مملوکات کے ترکہ میں حق وراثت یا خاوند بیوی کے حقوق اور قریبی رشتہ داروں اور جدی و مادری رشتوں کے مدارج وغیرہ۔ مربیانہ اور فطری تعلقات جو دور کے رشتہ داروں میں فطرتاً اس مربیانہ حیثیت سے باقی نہیں رہتے بلکہ ایک خاندان کے اغراض و مقاصد دوسرے ہم قبیلہ خاندان کے مقاصد سے رقابت پیدا کر سکتے ہیں۔ شریعت کے ذریعہ نسل و خاندان کے فطری تقاضے مکمل طور پر تسکین پا لیتے ہیں اور خدائی حقوق یا دینی

حقوق سے قطعاً متصادم نہیں ہو سکتے لیکن چالاک اور خود مطلب انسانوں نے قومی تعلقات اور قومی حقوق کو حد سے زیادہ اہمیت اور خدائی حقوق پر فضیلت دیکر ہمیشہ اپنا اُتو سیدھا کرنے کی کوشش کی اور ظلوم وجہول انسان اس شیطانی چکمے میں مبتلا ہوتا رہا۔

وَقَدْ خَلَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ (الحجر-۱)	اور پہلوں کا یہی طریق چلا آرہا ہے۔

عالم انسانیت کی بیماریوں میں ایک سب سے بڑی بیماری یہ ہے کہ انسان نے نسلی وخاندانی محبت کو ہمیشہ خدائی یعنی دینی محبت پر ترجیح دی۔ جس زمانے میں اقوام وممالک ایک دوسرے سے بے تعلق و بے خبر تھے اُس زمانے میں خدائے تعالیٰ نے قومی انبیاء مبعوث کئے جنھوں نے ممکن ہے کہ خاندانوں اور قبیلوں کی نسلی محبت پر ساری قوم کی محبت کو ترجیح دی ہو اور عالمِ انسانیت کے متعلق کچھ نہ فرمایا ہو کیونکہ اُس زمانے کے لوگوں کے لئے اُن کی ساری قوم ہی عالمِ انسانیت کا حکم رکھتی تھی اور اس طرح افرادِ اقوام میں خدائی تعلق کے سبب مساوات وہمدردی پیدا ہو سکتی تھی۔ لیکن اب تو دنیا میں محبتِ الٰہی اور توحیدِ الٰہی کا عقیدہ اُسی حالت میں کامل اور مثمرِ ثمرات ہو سکتا اور خدائے تعالےٰ سے بندوں کا کامل تعلق اسی طرح پیدا ہو سکتا ہے کہ تمام نوعِ انسان میں مساوات قایم ہو اور نسلی وقومی تعلقات کو انسانی تعلقات کے ماتحت کر دیا جائے۔ اور اسی لئے دُنیا کا آخری اور کامل ہدایت نامہ وہی ہو سکتا ہے جو تمام عالمِ انسانیت کو دعوتِ اتحاد دے اور سب کو ایک خدائے واحد ولاشریک کی طرف متوجہ کرے۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (الاعراف-۲۰)	اے رسول کہدے کہ اے لوگو میں تم تمام کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا ہوں۔

بنی اسرائیل نے ایک زمانے میں دعویٰ کیا کہ ساری دُنیا میں ہم ہی اولادِ اسرائیلؑ ہونے کی وجہ سے برتر و فایق تر اور ہم ہی خدا کے پیارے اور خدا کے بیٹے ہیں۔

نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ط (المائدہ-۳)	ہم خدا کے بیٹے اور چہیتے ہیں۔

ہندوستان میں برہمنوں نے اپنے آپ کو برہما کے مُنھ سے پیدا ہونے والا یعنی نسلی خصوصیات کی بناء پر پاک اور اپنے مقابلے میں دوسروں کو پیدائشی و نسلی طور پر ناپاک قرار دیا۔ ایران میں نسلی طور پر ہر ایک بادشاہ خدائی کے مرتبے تک پہونچا ہوا مانا جاتا تھا۔ مصر میں خاص خاص قومیں اور نسلیں سوائے کاشتکاری کی خدمات انجام دینے اور کسی آقا کی غلامی کرنے کے باختیار خود کوئی دوسرا کام نہیں کرسکتی تھیں۔ فرعون اور اُسکی قوم نے بنی اسرائیل کو غیر قوم ہونیکی وجہ سے جسقدر اذیتیں پہونچائیں سب کو معلوم ہیں۔

وَاِذْ نَجَّیْنٰکُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَکُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَکُمْ وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَکُمْ ط	اور (اے بنی اسرائیل) اُسوقت کو یاد کرو جب ہم نے تمکو فرعون کے لوگوں سے نجات دی جو تمکو بُری بُری تکلیفیں پہونچاتے تھے کہ تمہارے بیٹوں کو حلال کرتے اور تمہاری عورتوں یعنی بیٹیوں کو زندہ رہنے دیتے تھے۔

(البقرۃ - ۶)

یونان کے علاقۂ اسپارٹا کی فرمانروا قوم نے یونان کے قدیم باشندوں یعنی ہیلاٹ قوم کو قومی اعتبار سے اسقدر ذلیل کیا جیسا کہ ہندوستان کے آریوں نے شودروں کو ذلیل کیا تھا۔ اگر یہ عہدِ قدیم ہی کی باتیں ہوتیں اور موجودہ زمانے میں اس نسلی امتیاز کا وجود نہ ہوتا تو اسکی کچھ نہ کچھ توجیہ ممکن بھی تھی لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ آج بھی شودروں کو اُن کے اعمال وعقاید کی وجہ سے نہیں بلکہ نسلی و قومی اعتبار سے نجس اور پلید سمجھا جاتا اور اونچی ذات کے ہندوں کو (چاہے اُنکے اعمال کیسے ہی خراب کیوں نہوں) جو انسانی حقوق حاصل ہیں شودروں کے لئے وہی حقوق تسلیم کرنے سے انکار کیا جاتا ہے۔ اسی طرح امریکہ میں حبشیوں کو محض امتیازِ نسل کے سبب بہت سے انسانی حقوق سے محروم رکھا گیا ہے۔ ہم ہندوستان میں دیکھ رہے ہیں کہ یوریشین۔ یوریشین اور انڈین عیسائی عقیدہ و مذہب کے اعتبار سے ایک ہی سے عیسائی ہیں۔ مگر گرجے اور عبادت خانے تینوں کے جُدا جُدا یعنی مذہب اور خداشناسی کے تعلق پر امتیازِ نسل غالب ہے۔ گورے اور

کالے کا امتیاز بھی نسلی ہی امتیاز کہا جا سکتا ہے جس کی شکایت بار بار ہندوستانی اخباروں کے کالموں میں شایع ہوتی رہی ہے۔ ہمارے اس موجودہ زمانہ میں بھی جسکو روشنی کا زمانہ کہا جاتا ہے جبکہ نسلی امتیاز نے بعض قوموں سے شہروں کی بعض سڑکوں اور بعض گذرگاہوں پر چلنے پھرنے کا حق غصب کر رکھا ہے تو گزشتہ زمانے میں جس کو تاریکی کا زمانہ کہا جاتا ہے اس قومی و نسلی امتیاز نے کیا کیا کچھ غضب نہ ڈھائے ہوں گے۔ یونانیوں اور رومیوں نے غیر اقوام کے افراد سے جو اُن کے مغلوب و محکوم ہوئے چوپایوں کا کام لیا۔ ہندؤں نے غیر اقوام کو اپنی پاک و پَوِتر زبان کے سیکھنے اور ویدوں کی تعلیم سے محروم رکھنے کے لئے اس قدر مبالغے سے کام لیا کہ اگر اپنی ہی بداحتیاطی سے شودر کے کان میں وید کا کوئی بول پڑ جائے تو اُس بیگناہ کے کان میں سیسہ پگھلا کر ڈالا جائے۔

یہ قومی امتیاز جو اپنی مناسب حد کے اندر انسان کے لئے ایک رحمت و نعمت تھا انسان کے بے لگام جذبات اور احکامِ الٰہیہ کی نافرمانی اور خدائے تعالےٰ سے بے تعلقی اختیار کرنے کے سبب انسان کے لئے سب سے بڑی لعنت بن گیا۔ اسی جذبۂ قومیت کی بے لگامی نے لاتعداد بے گناہوں کا خون بہایا اور بہا رہا ہے۔ ہزاروں لاکھوں بستیوں کو خاکِ سیاہ اور تودۂ خاک بنایا اور بنا رہا ہے۔ اسی قوم و نسل کے امتیاز نے انسانوں کو بھیڑیوں اور مردم درندوں سے بدتر خون آشام بنایا اور ابھی تک خون آشامی میں مصروف ہے۔ روئے زمین کی قریباً تمام سلطنتوں کی بُنیاد اسی جذبۂ قومیت پر استوار اور تمام فوجوں اور جنگی سامانوں کی گرمئ بازار اسی لعنت کی بدولت قایم ہے۔ جب تک دُنیا میں یہ قومیت مبدل بہ انسانیت نہ ہوگی یہ دُنیا بازیگاہِ شیطان بنی رہیگی۔

اس زمانے میں جبکہ اقوامِ عالم ایک دوسرے سے واقف و آگاہ اور مصروفِ مسابقت ہیں قومیت کے معنی مغائرت و منافقت کے سوا اور کچھ نہیں۔ اقوامِ انسانی میں جب تک مغائرت اور منافرت رہے گی ہر قوم کا معبود بھی الگ ہی رہیگا۔ توحیدِ باریتعالیٰ

کے کامل ثبوت واقرار کے لئے قومیت کو فنا کرکے عالمِ انسانیت میں اتحاد ومساوات کا قایم کرنا بیحد ضروری ہے۔ لا فضل لعرابی علی عجمی ولا لعجمی علی عرابی کلکم ابناء آدم (عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں اور نہ عجمی کو عربی پر تم سب بنی آدم ہو)

بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ (البقرہ-۱۳)

حقیقت تو یہ ہے کہ جس نے خدا کے آگے سرِ تسلیم خم کردیا اور وہ نیکوکار بھی ہو تو اسکے لئے اُسکا اجر اُسکے پروردگار کے ہاں موجود ہو اور ایسے لوگوں پر نہ کسی قسم کا خوف طاری ہوگا اور نہ وہ کسی طرح آزردہ خاطر ہوں گے۔

سچے اور منجانب اللہ اور کامل مذہب کا ایک یہ بھی میعار ہو سکتا ہے کہ وہ موجودہ زمانے کی قومیت کو مٹانے اور عالمِ انسانیت میں اتحاد ومساوات قایم کرنے والا ہو۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر ایک قوم اپنی ہی قوم کی برتری وفضیلت حاصل کرنے اور دوسری اقوام کو پیچھے چھوڑ کر خود آگے بڑھنے کی تدابیر میں سرشار ہے جس کے معنی سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتے کہ قوموں کے درمیان اُس وقت تک زور آزمائی۔ لڑائی اور قتل وغارت کا سلسلہ جاری رہیگا جب تک کہ دُنیا میں قومیت پرستی موجود ہے۔ اس قومیت پرستی کے ہوتے ہوئے نوعِ انسان اپنے معراج کمال یعنی عام اخوت انسانی کے مقامِ رفیع تک پہونچ ہی نہیں سکتی۔ اس قومیت پرستی ہی کی لعنت کا نتیجہ ہے کہ آج جب ایک قوم کے افراد سُنتے ہیں کہ ہماری فوج نے دوسری قوم کے ہزاروں آدمیوں کو قتل۔ دوسری قوم کی بیسیوں بستیوں کو غارت۔ دوسری قوم کی جائداد واملاک کو تباہ اور دوسری قوم کے ہزاروں آدمیوں کو اسیر ودستگیر کرلیا تو یہ تحقیق کئے بغیر کہ ہماری فوج اور ہمارے سپہ سالاروں کی یہ چیرہ دستیاں عقل۔ عدل اور مذہب کے موافق بھی تھیں یا نہیں خوشیاں منائی جاتی ہیں۔ چراغاں کئے جاتے ہیں اور قوم کا بچہ بچہ دوسری قوم کی ان بربادیوں کا حال سُن سُن کر جامے میں پھولا نہیں سماتا۔ میرا مرنا اُن کے گھر شادی ہوئی ؏ خون کے چھاپے لگے دیوار پر

حقیقتِ وطنیت

انسان دُنیا میں پیدا ہو کر سب سے پہلے غذا کا محتاج تھا اور اس دُنیا میں زندگی بسر کرنیکے لئے اُس کو ہمیشہ ہی بدلِ ما یتحلل یعنی غذا کی ضرورت لاحق رہتی ہے۔ انسان کو یہ ضروری چیز زمین ہی سے حاصل ہوتی ہے اور بجا طور پر کہا جاتا ہے کہ انسان مٹی سے پیدا ہوا ہی۔

فَاِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ تُرَابٍ (الحج - ۱) | پس ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا۔

فِیْهَا تَحْیَوْنَ وَفِیْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ۝ (الاعراف - ۲) | تم زمین ہی میں زندگی بسر کروگے اور زمین ہی میں مروگے اور زمین ہی میں سے نکال کھڑے کئے جاوگے۔

اسیلئے زمین کو ماں بھی کہدیا جاتا ہی۔ نسلِ انسانی ابتداءً زمین کے جنگلوں کو شکار کیلئے استعمال کرتی تھی پھر زمین کے فراخ میدانونکو کاشتکاری کیلئے استعمال کرنے لگی اور تمدنی ضروریات نے بستیوں اور شہروں کی اقامتگاہیں بنا کر زمین کے الگ الگ قطعات کو الگ الگ انسانی جماعتوں کیلئے مخصوص کر دیا اور اسطرح قطعاتِ زمین کیساتھ خصوصی تعلق نے وطنیت کی خصوصیات پیدا کر دیں۔ قومیت اور وطنیت میں فرق زیادہ نہیں ہی دونوں چیزیں انسان کے ایک ہی جذبہ سے تعلق رکھتی ہیں اور آپسمیں بہت کچھ ایکدوسرے کیساتھ لازم و ملزوم ہیں۔ ایک جگہ یا ایک ملک میں رہنے کیوجہ سے اور تمدنی تعلقات کے سبب دو یا زیادہ مخصوص یا قوموں میں جو دوستی یا محبت قایم ہو سکتی ہی وہ مختلف اقوام کے افراد کو ایک قوم کے افراد کی مانند متحد بنا دیتی اور ایک قوم کے دو حصوں کی بیگانگی جو دو مختلف ملکوں میں ایکدوسرے سے جُدا اور بے تعلق ہو کر سکونت اختیار کر لینے کے سبب پیدا ہوتی ہی دو مختلف اجنبی قوموں کی حالت میں تبدیل کر سکتی ہی خلاصۂ کلام یہ کہ وطنیت اپنا اثر قومیت پر اور قومیت اپنا اثر وطنیت پر ڈالتی رہتی ہے انسان کو جس طرح اپنے اہل خاندان ماں باپ اور بہن بھائی وغیرہ سے محبت ہوتی ہے ایسی ہی اپنے گھر اور محلہ اور شہر سے بھی ضرور ہو جاتی ہے اور یہ انسانی فطرت ہے اور اسی لئے جس طرح انسان پر اپنے قریبی رشتہ داروں اور اپنی قوم کے کچھ حقوق ہوتے ہیں

اسیطرح وطن اور اہل وطن کے بھی اُسپر حقوق واجب ہوتے ہیں اور ان حقوق سے انکار کرنا گویا انسانیت کے دائرے سے خارج ہونا ہی حب الوطن من الایمان۔ محبتِ وطن کا بھی سبب وہی پرورش و مربیت ہی جو محبتِ قوم کا موجب تھا اس محبتِ وطن کی بھی ایک حد ہی۔ اس سے بالاتر انسانونکو اپنی جان کی محبت ہوتی ہی جن لوگوں کی جان کے لئے وطن میں خطرات پیدا ہو جاتے ہیں وہ اپنی جان بچانے کے لئے بخوشی ترکِ وطن پر آمادہ ہو جاتے ہیں اور غریبی و غربت کے شدائد و مصائب برداشت کر لیتے ہیں۔ لیکن اپنی جان سے بھی بڑھکر خدائے جان آفریں کی محبت کا درجہ ہے۔ ایمان باللہ یعنی محبتِ باری تعالیٰ کے مقابلے میں انسان اپنی قوم۔ وطن اور اپنی جان سب کو قربان کر سکتا ہے اس لئے کہ یہ دُنیوی زندگی اور اسکے متعلقات چندروزہ اور ختم ہو جانے والی چیزیں ہیں اور اُس دوسری فنا نہ ہونے اور باقی رہنے والی زندگی میں دائمی راحت و مسرت اسی طرح حاصل ہو سکتی ہے کہ انسان کا ایمان خدائے تعالیٰ پر مضبوط ہو اور خدائے تعالےٰ کی محبت اور اُس کی رضامندی ہر چیز پر مقدم رکھی جائے۔ یہی عقل کا بھی تقاضا ہی اور اسی میں انسان کی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَاۗؤُکُمْ وَاَبْنَاۗؤُکُمْ وَاِخْوَانُکُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ وَعَشِیْرَتُکُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَهَا وَمَسٰکِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ط (التوبہ۔ ۳)	کہدو کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے کُنبے والے اور مال جو تمنے کمائے ہیں اور سوداگری جسکے مندا پڑ جانیکا تمکو اندیشہ ہو اور مکانات جن میں رہنے کو تمہارا جی چاہتا ہے یہ سب چیزیں اللہ اور اُسکے رسول سے اور اللہ کے رستے میں جہاد کرنیسے تمکو زیادہ عزیز ہوں تو ذرا صبر کرو یہانتک کہ جو کچھ خدا کو کرنا ہے وہ تمہارے سامنے لاموجود کرے۔

پس جبکہ خدائے تعالےٰ کے ساتھ محبت کا تعلق تمام تعلقات سے بالاتر ہے تو انسان کی سعادت اسی میں ہے کہ وطن کی محبت کو رضائے الٰہی پر فایق اور غالب نہ ہونے دیا جائے

عقلمند اور باخدا انسانوں نے ہمیشہ اس پر عمل کیا اور قدیم سے قدیم زمانے کے جو حالات معلوم ہو سکے ہیں اُنمیں باخدا لوگوں کے اس صحیح طرزِ عمل کی مثالیں موجود ملتی ہیں ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کو محض خدا کے لئے اپنا وطن چھوڑنا پڑا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات میں بھی یہ چیز موجود ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگیوں میں بھی یہ ہجرتِ وطن موجود ہے۔ آں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپؐ کے صحابۂ کرامؓ کو بھی محض لوجہ اللہ ہجرت اختیار کرنی پڑی۔ ہندوستان کی تاریخ بتاتی ہے کہ کرشن جی مہاراج کو برج کے سرسبز و شاداب وطن سے دوارکا میں جاکر سکونت اختیار کرنی پڑی۔ مہاراجہ رامچندر جی نے بھی چودہ سال تک وطن سے جُدائی اختیار کی۔ گوتم بُدھ کو بھی یہی صورت پیش آئی۔ ایران کی تاریخوں سے پتہ چلتا ہے کہ شت وخشور زردشت نے بھی آذربائیجان کے علاقے سے بلخ میں ہجرت اختیار کی تھی۔ عہد آخر کے حالات میں بھی خواجہ معین الدین اجمیریؒ۔ خواجہ علی ہجویریؒ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ۔ خواجہ نصیر الدینؒ وغیرہ ہزارہا مثالیں موجود ہیں کہ محض مصالح اُخروی اور رضائے الٰہی کے لئے لوگوں نے وطن اور محبتِ وطن پر لات ماری اور کوئی چیز زنجیرِ پا نہ ہو سکی۔ مگر اسکے ساتھ ہی ساتھ اس کے خلاف بھی بیجا حُبِ وطن کی مثالیں ہر زمانے میں موجود ملتی ہیں اور وہی بیجا حبِ قوم کی مثالیں بھی کہی جا سکتی ہیں۔ حُبِ وطن کے بیجا جوش وخروش نے اخلاقِ فاضلہ کے برباد کرنے میں کمی نہیں کی۔ تعجب ہی کہ افلاطون جیسے یگانۂ روزگار حکیم نے حبِ وطن کے جوش میں اپنی کتاب نظامِ ریاست میں محض اس لئے کہ وطن پرستوں کی تعداد و قوت میں اضافہ ہو تعلقاتِ زوجیت اور شادی بیاہ کا ایسا شرم انگیز طریقہ تجویز کیا جس کو انسانی شرافت کسی طرح گوارا نہیں کر سکتی۔ ارسطو کی کتاب ریاست بھی یونانی وغیر یونانی کے امتیاز پر مبنی نظر آتی ہے یسمرو کہتا ہے کہ "فضیلتِ اخلاق کا اعلیٰ ترین مرتبہ یہ ہے کہ انسان حب وطن کے جوش میں سب کچھ

کر گزرے حتیٰ کہ اپنی جان بھی دیدے" حالانکہ اس سے بڑھکر بداخلاقی بلکہ حیوانیت اور کیا ہو سکتی ہے کہ انسان حبِ وطن کے جوش میں عدل کو ظلم سے تبدیل کردے اور خدائے تعالیٰ کی محبت وعظمت کو فراموش کردے۔ لیکن اسی سسرو کی زبان سے ایک دوسرے موقع پر یہ سچی بات بھی نکل گئی ہے کہ "ہر انسان کو دوسرے انسان کا اسلئے ہمدرد ہونا چاہئے کہ وہ بھی انسان ہے خواہ وہ کیسا ہی اجنبی کیوں نہو"۔ حکمائے یونان واٹلی نے عموماً علم السیاست کی بُنیاد ہی بیجا وطن پرستی اور خلافِ عدل حبِ وطن پر رکھی تھی۔ منوسمرتی اور چانکیہ کے قانون میں بھی یہی چیز موجود ہے۔ مہ آبادی وزردشتی حکماء بھی اسی وطن پرستی کے مجوز نظر آتے ہیں۔

ہمارے اس موجودہ زمانے میں کہ تجارت کی وسعت۔ ذرائع سفر کی افراط۔ سامانِ رسل ورسائل کی افزونی اور اخبارات کی کثرت کے سبب ساری دُنیا ایک ملک اور ایک وطن کی حیثیت میں تبدیل ہو چکی ہے یا ہو رہی ہے امتیازِ وطنیت کو بہت کچھ برطرف اور کم ہو جانا چاہئے تھا مگر کسقدر حیرت کا مقام ہے کہ لوگوں نے وطنیت کے امتیاز کو حد سے زیادہ اہمیت دیکر حب وطن کو حبِ الٰہی پر فضیلت دے رکھی ہے حالانکہ ساری زمین اور تمام ممالک کا حقیقی مالک خدائے تعالےٰ ہے اور تمام بنی نوع انسان خدائے تعالےٰ ہی کے بندے ہیں۔

قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ (الاعراف - ۱۵)	موسیٰ نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ اللہ سے مدد مانگو اور صبر سے کام لو۔ ملک تو سب اللہ ہی کا ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسکو چاہتا ہے اُسکا وارث بنا دیتا ہے اور انجام بخیر تو پرہیزگاروں کا ہی ہے۔

عالمِ انسانیت پر ضرور ایسا زمانہ گزرا ہے کہ اقوام وممالک ایک دوسرے سے بے تعلق تھے اور وطن کی محبت خدائے تعالےٰ کی محبت کے مخالف نہ تھی۔ اُس زمانے میں حبِ وطن سب سے بہتر اور ضروری عقیدہ اور اپنے وطن کی فوقیت وبرتری میں کوشاں ہونا حُسنِ عمل

ہوگا اور ممکن ہے کہ اُس زمانے میں ایرانی ایران کے رہنے والوں کو پاک اور معزز اور اُن کے مقابلے میں ہندوستان کے رہنے والوں کو چوڑا اور ناپاک خیال کرنے میں اور ہندو آریہ ورت یا دیو بھومی کے رہنے والوں کو پاک اور دکن کے رہنے والوں کو ملیچھ اور دسیو یعنی ناپاک سمجھنے میں یا سمندر کے سفر کو گناہ قرار دینے میں گناہگار نہ ہوتے ہوں اور یہی چیز نوع انسان کی سود و بہبود کا موجب ہو اور اسی میں رضائے الٰہی بھی شامل ہو لیکن اس موجودہ زمانے میں وطنیت کو جو اہمیت دی جارہی ہے اور وطن پرستی و وطن دوستی کے نام پر لوگوں کو جس طرح فریب خوردہ بنایا جارہا ہے یہ تو بِلا خوفِ تردید شیطانی عمل اور دھوکہ باز خود مطلب لوگوں کی کارستانی ہے جس میں للّٰہیت اور خدا پرستی کا کہیں شائبہ تک بھی نہیں پایا جاتا۔ جو لوگ سلطنتوں اور حکومتوں پر فائز اور حقوقِ عوام کے غاصب اور عوام و رعایا کو ہمیشہ اپنا غلام اور خدمتگزار بنائے رکھنے اور آپ حکومت و سرداری کے مزے اُڑانے کے خواہاں ہیں اُنھوں نے اسی حبِ وطن کو سب سے زیادہ چلتا ہوا جادو محسوس کرلیا ہے اور اسی لئے اس سے کام لینے میں انتہائی طاقت و ہمت صرف کیجارہی ہے۔ جو لوگ حبِ وطن کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں اُن کے دل میں عموماً حبِ الٰہی اور خدا ترسی کا نام و نشان تک نہیں ہوتا۔ اس حبِ وطن کے جادو کی ہمہ گیری نے نہ صرف عوام بلکہ علماء و فضلا سب کو مسحور بنا رکھا ہے۔ ہندوستان میں بھی آجکل یہ بیماری بہت ترقی کررہی ہے۔ یورپ کی تقلید میں افغانستان۔ ایران۔ چین۔ جاپان وغیرہ ممالک ایشیا میں جذبۂ وطنیت روز بروز جذبۂ قومیت پر غالب ہوتا جارہا ہے۔ مذہبی پیشوا کہلانے والے بھی اسی سیلاب میں بہے چلے جارہے ہیں اور کم و بیش تمام دُنیا جذباتِ وطنیت کی لعنت سے پُر ہوتی جاتی ہے۔ ہر شخص اپنے وطن اور اپنے وطن میں رہنے والے لوگوں کی صلاح و فلاح کو مقدم رکھنے میں دوسروں کو گھٹانا۔ ہٹانا۔ مٹانا۔ نقصان پہونچانا ثواب اور نیکی کا کام سمجھتا ہے۔ اسی حبِ وطن کے نام پر جنگی ٹیکس

بآسانی وصول ہو جاتے۔ اور اسی حب وطن کے نام پر دوسرے ملکوں اور دوسری قوموں کو برباد کرنے۔ دوسروں کے سامان آسایش پر قابض ہونے اور دوسروں پر ہر قسم کے مظالم روا رکھنے کے جواز کا فتویٰ حاصل ہو جاتا ہے۔ نہ صرف جواز بلکہ ان تمام ظالمانہ حرکات کو قابل تعریف اور موجب فخر بھی سمجھا جاتا ہے۔ مدارس کی کتابو نمیں۔ عام صحبتوں اور مجلسو نمیں۔ تقریروں اور تحریرو نمیں۔ اخباروں اور تصنیفوں میں ہر جگہ حب الٰہی اور شفقت علی خلق اللہ کا تو نام و نشان نہیں مگر حب وطن کی عزت و عظمت اور خوبی موجود ہے اور اُس کی لئے یہانتک بڑھ گئی ہے کہ بچپن سے سُنتے سُنتے حب وطن ایک ایسی مسلمہ اور ثابت شدہ حقیقت بن گئی ہے کہ کسی کو بھول کر بھی اسکا خیال نہیں آتا کہ آخر اس حب وطن اور حب خدا اور شفقت علی خلق اللہ میں کوئی فرق مراتب بھی ہے یا نہیں۔ ہر ایک ظالمانہ سے ظالمانہ فعل۔ ہر ایک بُری سے بُری حرکت اس حب وطن کے دامن میں پناہ لیکر ثواب۔ نیکی اور فخر کا کام بنجاتی ہے۔ اپنے وطن کی عزت اور بھلائی کے لئے دوسرے کے وطن پر حملہ کرنے والی اور دوسرے ملک کو خاک سیاہ بنا دینے والی فوج کا ہر ایک سپاہی مجاہد فی سبیل اللہ سمجھا جاتا ہے اور اس بات کا جواب طلب کرنا کہ دوسروں کو نقصان پہونچانا اور دوسروں کو اس طرح برباد کرنا آیا ضروری بھی تھا یا نہیں؟ اور اس کے ضروری اور جائز ہونے کے کیا دلائل ہیں کوئی بھی ضروری نہیں جانتا۔ اور اگر یہ فوجکشی ظالمانہ اور ناجائز بھی ثابت ہو جائے تو اس گناہ اور ظلم کو وطن پرست لوگ عموماً قابل نفرت اور قابل مواخذہ نہیں سمجھتے ؎

باغباں در پائے گلبن مست خواب افتادہ است
دست گلچیں قتل عام لالہ و گل می کند

وطن پرستی کے اس طوفان نے صاحب حکومت۔ صاحب دولت اور صاحب اقتدار لوگوں کے اختیار و اقتدار کو ہر ملک میں محفوظ کر دیا ہے۔ غاصبوں اور ظالموں کو یہ ایک زبردست امن ملگیا ہے اور وہ بآسانی محافظ وطن اور نگہبان قوم کے خطابات حاصل کر سکتے ہیں

اور اپنے آپ کو اہل وطن کی نگاہوں میں محبوب بنائے ہوئے ہیں۔ عوام کو اس قدر سوچنے سمجھنے کا موقع ہی نہیں ملتا کہ اگر وطن پرستیوں کا یہ تصادم برطرف ہو کر تمام اقوام و ممالک رشتۂ اتحاد میں منسلک ہو جائیں اور ساری زمین نوع انسان کا مشترکہ وطن قرار پا جائے تو کسی قوم اور کسی ملک کو دوسری قوم اور دوسرے ملک کے ہاتھوں برباد اور غارت ہونے کا اندیشہ نہ رہے اور نہ خونخوار جنگوں اور لڑائیوں میں مبتلا ہونے کی نوبت آئے اور اطمینان و سکون کے ساتھ نوعِ انسان اپنے مفید اور راحت رسان مشاغل میں مصروف ہو سکے۔ یہ اتحاد توحید باری تعالیٰ اور محبت الٰہی کے ذریعہ ہی قایم ہو سکتا اور قایم رہ سکتا ہے۔ نوع انسان میں اتحاد اور مساوات کا قایم ہونا ممکن ہے لیکن یہ مساوات برسر اقتدار اور برسر حکومت لوگوں کو اُن کی محبوب فرمانروائیوں اور دوسرے انسانوں کی غصب کی ہوئی چیزوں سے جدا کر کے بلندی سے پستی کی طرف لائے گی اور جو لوگ اپنے جائز مقام سے نیچے پستی میں دھکیل دئے گئے ہیں اُن کو اونچا کر دے گی لہذا صاحب اقتدار طبقہ کو یہ انقلاب کسی طرح گوارا نہیں ہو سکتا اور وہ وطن پرستی کی حمایت میں ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگانے پر آمادہ ہیں لہذا بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ صاحب دولت اور صاحب اقتدار لوگ جو دنیوی زندگی کی دلچسپیوں پر فدا ہو رہے ہیں توحیدِ الٰہی کے حقیقی دشمن، شرک کے حامی اور فساد و بدامنی کو دوست رکھنے والے اور مذہبی سلطنت کے سخت مخالف ہوتے ہیں

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ أَكَابِرَ مُجْرِمِيهَا لِيَمْكُرُوا فِيهَا ط (الانعام - ۱۵)	اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں بڑے بڑے لوگ پیدا کئے کہ وہی اُن بستیوں میں بدکردار بھی تھے تاکہ اُنمیں فتنہ انگیزیاں کریں۔
وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِّن نَّذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا	اور ہمنے کسی بستی میں کوئی رسول عذاب خدا سے ڈرانیوالا نہیں بھیجا مگر وہاں کے آسودہ حال لوگوں نے کہا کہ جو

بِمَا اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ○ (السبا - ۴)
احکام دیکر تمکو بھیجا گیا ہے ہم اُنکا انکار کرتے ہیں۔

وَكَذٰلِكَ مَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَا اِنَّا وَجَدْنَا اٰبَاءَنَا عَلٰى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰى اٰثَارِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ○
(الزخرف - ۲)
اور اسی طرح اے رسول ہمنے تجھسے پہلے جب کبھی کسی بستی میں کوئی رسول ڈرسانیوالا بھیجا وہاں کے آسودہ حال لوگوں نے یہی کہا کہ ہمنے اپنے باپ دادونکو ایک طریقے پر پایا ہے اور اُنھیں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ہم اُن کی پیروی کر رہے ہیں۔

مذکورہ بالا تمام تحریر کا خلاصہ یہ ہے کہ وطن دوستی اُس حدتک کہ تعظیم لامر اللہ اور شفقت علی خلق اللہ اور محبت الٰہی کے مخالف نہ ہو ایک خوبی اور لازمۂ انسانیت ہے لیکن ایمان باللہ کے بغیر ایک لعنت اور محبت الٰہی کی مدمقابل ہو کر اس دنیوی زندگی میں بھی کوئی راحت و آسایش نہیں پہونچا سکتی جس کا ثبوت یہ ہے کہ آج کوئی ملک اور کوئی قوم اپنی حالت پر قانع اور دوسری قوم اور دوسرے ملک کی حملہ آوریوں کے خطرے سے مطمئن نہیں ہے اور نامعقول وطن پرستی کے عام و تام ہونے کی حالت میں ہرگز کسی کو اطمینان میسر نہیں ہو سکتا۔ وطنی اور قومی سلطنتیں جب تک دنیا میں قایم ہیں عالم انسانیت میں عدل و مساوات و آزادی جو انسان کا فطری حق ہے قایم ہی نہیں ہو سکتا۔ اور سلطنت انسان کو اُس کے فطری حقوق نہیں دلا سکتی اسلئے کہ غیر ملک اور غیر قوم کے لوگ جو قومی و ملکی سلطنت کے ماتحت نہیں ہیں اسلئے دشمن ہیں کہ انکو اپنی آزادی عزیز ہے اور وہ غیر ملکی اور غیر قومی لوگ جو محکوم و مغلوب ہو چکے ہیں اسلئے دشمن ہیں کہ وہ اپنی ذلت و محکومی کی حالت کو پسند نہیں کرتے۔ ایسی سلطنت کو فطری سلطنت کسیطرح بھی نہیں کہا جا سکتا۔

ملکیت اور دولت

خدائے تعالےٰ نے اس کرۂ زمین کی سطح کو گرمی و سردی کے اعتبار سے ایک مناسب

حالت پر لاکر اس میں اول نباتات پھر حیوانات اور انسان کو پیدا کیا۔ انسان نے پیدا ہونے کے بعد اپنی ضروریات زندگی کو اپنے اردگرد دُنیا میں موجود پایا۔ خدائے تعالیٰ نے جسطرح آفتاب ہوا۔ پانی وغیرہ ضروریات انسانی میں ہر انسان کو یکساں استعمال کا حق دیا۔ اسی طرح زمین کی پیداوار۔ نباتات۔ حیوانات وغیرہ پر بھی ہر انسان کو یکساں تصرّف و استعمال کا حق عطا فرمایا مگر انسان کے لئے ان چیزوں سے فائدہ اُٹھانے اور اپنی ضروریاتِ زندگی حاصل کرنے کے لئے محنت و کوشش کو لازمی ٹھہرایا جیساکہ کسی گزشتہ فصل میں مفصل بیان ہو چکا ہے۔ اس طرح ضروریاتِ زندگی کی دو قسمیں ہوگئیں ایک ہوا اور روشنی وغیرہ جسمیں انسان کو سعی و کوشش اور محنت کی ضرورت نہیں۔ دوسری وہ چیزیں جن میں سعی و کوشش لازمی ہے سعی و محنت کو چونکہ انسان کے اختیار و ارادے سے تعلق ہے لہذا ہر انسان کی سعی و کوشش میں فرقِ مراتب ہو سکتا ہے۔

اِنَّ سَعْیَکُمْ لَشَتّٰی ۞ (الیل۔ ۱) | بیشک تم لوگوں کی کوشش البتہ مختلف طور کی ہے۔

جو چیزیں سعی و محنت کے ذریعہ حاصل ہو سکتی ہیں وہ ہر انسان کو اُس کی محنت و سعی کے اندازے کی موافق ہی کم و زیادہ ملنی چاہیئں جو چیزیں انسان کی طاقت یعنی اُس کی سعی و کوشش کے اندر آجاتی ہیں وہ ان سے کام لیتا اور نفع اُٹھاتا اور اُن کو اپنے قبضہ میں رکھنا چاہتا ہے انھیں چیزوں پر ملکیت کا لفظ بولا جا سکتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں کہا جا سکتا ہے کہ ضروریات کے لئے جو سعی و محنت کی جاتی ہے اُسکے نتائج کا نام ملکیت ہے۔ تمام انسانوں نے فطرت و وجدان کی رہبری سے ابتدائے آفرینش ہی میں بخوشی اور متفقہ طور پر اس بات کو تسلیم کر لیا تھا کہ ہر انسان قدرت کی پیدا کی ہوئی چیزوں سے بلا روک ٹوک اپنی محنت و کوشش کو کام میں لاکر فائدہ اُٹھانے کا حق رکھتا ہے اور اُس کی محنت کا نتیجہ اُس کی ملکیت ہے اور کوئی دوسرا اُس کی ملکیت کو چھین لینے اور اُس کی رضامندی کے بغیر اُس سے فائدہ اُٹھانے کا حق نہیں رکھتا۔ یہیں سے انسان کی انفرادی

زندگیوں اور انسانوں کی ملکیتوں میں امتیاز نمودار ہوتا ہے جن چیزوں کو اسطرح قبضے میں لایا جا سکتا ہے کہ دوسرے شخص کو اُسپر قبضہ کرنے کا حق نہ ہو وہی ملکیت بن سکتی ہیں اور جن چیزوں سے نفع اٹھانے کا ہر شخص کو حق حاصل رہے وہ ملکیت کے مفہوم میں داخل نہیں ہو سکتیں مثلاً ہوا۔ آفتاب کی حرارت و روشنی۔ دریا۔ سمندر خودرو جنگل۔ چراگاہیں جنگلی جانور۔ جنگلی پیداوار۔ سڑکیں۔ راستے۔ تفرج گاہیں وغیرہ جن چیزوں کو کوئی شخص عام نفع رسانی کے لئے اپنے قبضہ سے نکال کر سب کو اُس سے یکساں فائدہ اٹھانے کا حق دے دیتا ہے وہ بھی کسی کی ملکیت نہیں رہتیں اسی میں اوقاف شامل ہیں پہلے زمانے میں سمندر کسی کی ملکیت نہ تھے اب لوگ اِن کو بھی ملکیت بنا رہے ہیں۔ خودرو جنگل۔ سڑکیں۔ راستے۔ دریا وغیرہ کسی ایک شخص کی ملکیت نہیں ہوتے لیکن سلطنتیں اور قومیں ان کو اپنی ملکیت قرار دیتی ہیں۔ خلاصۂ کلام یہ کہ جن قدرتی چیزوں سے انسان نفع اُٹھاتا اور اپنی محنت و سعی سے اُس کو اپنے لئے خاص کر لیتا ہے وہ اُس کی ملکیت ہو جاتی ہیں۔ جو چیزیں انسانی زندگی کے لئے ناگزیر اور زیادہ لازمی ہیں اُن کو خدائے تعالےٰ نے ملکیت بننے کی صلاحیت سے خارج کر دیا ہے۔ مثلاً ہوا۔ روشنی وغیرہ پانی بھی ایسی ہی چیزوں میں شامل ہو سکتا ہے۔ ہوا۔ روشنی۔ پانی سے نیچے اُتر کر غذا۔ لباس اور مکان کا درجہ ہے۔ اِن ثانوی درجہ کی چیزوں کے حصول میں سعی و کوشش کو لازمی قرار دیا اور یہی ملکیت بننے کی صلاحیت رکھتی ہیں اور انھیں کے ذریعہ نوعِ انسان میں اختلافِ احوال و اختلافِ مدارج نمایاں ہوا۔ انسانی عمل اور انسانی محنت نے انسانوں کی ملکیتوں میں امتیاز پیدا کیا اور تمدنی و معاشرتی ضروریات نے مبادلہ اور تقسیم عمل کو رواج دیا۔ تقسیم عمل اور مبادلے نے مجبور کیا کہ ملکیتوں کی نفع رسانی کو مدنظر رکھتے ہوئے آسانی کے لئے ایک معیارِ قیمت یا میزانِ مبادلہ قایم کی جائے چنانچہ کمیاب دھاتوں کے ٹکڑے۔ نایاب پتھروں کے ریزے اور بالآخر سونے چاندی اور تانبے کے سکے رائج ہوئے۔

غذا کے لئے پھل۔ آناج۔ مچھلی۔ مویشی وغیرہ۔ لباس کے لئے پتے۔ روئی۔ اون جانوروں کی کھالیں وغیرہ۔ مکان کے لئے پتھر۔ مٹی۔ لکڑی وغیرہ اوزاروں اور ہتیاروں کے لئے لوہا۔ لکڑی وغیرہ اشیار کو انسان نے ملکیت بنایا اور یہی چیزیں آجتک انسان کی پرورش جسمانی کا ذریعہ ہیں اور انھیں چیزوں کو قیمتی سمجھا گیا ہے۔ چاندی سونے کے سکے فی نفسہٖ پرورشِ جسمِ انسانی کے لئے کوئی ضروری چیز نہیں ہیں نہ انسان روپیہ اور اشرفی کو بطور غذا کھا سکتا ہے نہ لباس کے طور پر استعمال کر سکتا ہے۔ لیکن روپیہ کے ذریعہ غذا و لباس و مکان حاصل کیا جا سکتا ہے۔ پس روپیہ کو مقصود اصلی نہیں بلکہ ذریعۂ حصولِ مقصد کہنا چاہیئے۔ عام طور پر اس ذریعۂ حصولِ مقاصد پر دولت کا لفظ بولا جاتا ہے۔ چونکہ دولت کے ذریعہ انسان اپنی نفع رساں چیزیں خرید سکتا ہے لہذا دولت کے ساتھ راحت و مسرت کا تصور اس طرح وابستہ ہو گیا کہ انسان نے دولت ہی کو سامانِ راحت تصور کر کے اصل سامانِ راحت کو ثانوی درجہ دیدیا۔ پھر اس دولت کی محبت و خواہش میں یہانتک ترقی کی کہ اصل سامانِ راحت کو بالکل فراموش کر دیا چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے دولت کے عاشق دولت دبائے بیٹھے ہیں مگر نہ اچھا کھاتے ہیں نہ اچھا پہنتے ہیں۔ پھر اس سے بھی بڑھکر زر پرستوں کی نسبت دیکھا سُنا گیا ہے کہ اُنھوں نے اپنی جان تک دیدی مگر روپیہ نہیں دیا۔ ایسا زر پرست اول درجہ کا مشرک ہوتا ہے وہ روپیہ کو اپنا معبود بنا کر خدائے واحد و لاشریک کو جو حقیقی کارساز اور حقیقی رازق و مالک ہے فراموش کر دیتا ہے۔ الٰہی شریعتوں نے ایسی دولت پرستی کو ہمیشہ معیوب و مذموم اور نسل انسانی کے لئے موجبِ ہلاکت قرار دیا ہے۔

وَتَأْكُلُونَ التُّرَاثَ أَكْلًا لَّمًّا وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ۞ (الفجر)	اور تم مُردوں کا ترکہ سمیٹ کر کھاتے ہو مگر تم کو عبرت نہیں ہوتی اور تم مال و دولت کو بہت ہی عزیز رکھتے ہو۔

وَمَا يُغْنِي عَنْهُ مَالُهُ إِذَا تَرَدَّىٰ إِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدَىٰ (اللیل)	اور جب وہ جہنم میں گرے گا تو اُسکا دولت ومال اُسکے کچھ بھی کام نہ آئیگا ہمارا کام تو ہدایت دینا یعنی راستہ دکھا دینا ہی۔
أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ حَتَّىٰ زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝ (التکاثر)	کثرتِ مال کی حرص تمپر ساری عمر پردہ غفلت ڈالے رہتی ہی یہانتک کہ جب تم قبر میں آتے ہو تب تمہاری آنکھیں کھلتی ہیں

اصل چیز تو انسان کی ضروریاتِ زندگی تھیں ان ضروریات کے سامان خدائے تعالےٰ نے سب کے لئے یکساں پیدا کئے۔ انمیں انسان نے جس قدر محنت اور کوشش صرف کی اُسی قدر فائدہ اُٹھانے اور اپنے کام میں لانے کا استحقاق پیدا کیا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ فطری طور پر ایک انسان اپنی محنت اور اپنے عمل کے نتائج سے فائدہ اُٹھانے میں دوسروں کو بھی شریک کرتا ہے۔ باپ کماتا اور بچے اُس کے ساتھ کھاتے ہیں۔ بیٹا محنت کرتا اور بوڑھے ماں باپ اُس کی کمائی سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ یہ محبت وشفقت کا تقاضا اور انسانیت کا لازمہ ہے۔ جبکہ بیٹا باپ کو اور باپ بیٹے کو اپنی محنت کے نتائج میں محبت کے تقاضے سے شریک اور اپنی ملکیت و دولت سے مستفید کرتا ہے تو خدائے تعالےٰ کی محبت کے تقاضے سے بدرجۂ اولیٰ اُس کو اپنی محنت کے نتائج یا یوں کہئے کہ اپنی دولت صرف کرنی چاہئے اس لئے کہ خدائے تعالےٰ انسان کا خالق و مالک ہے اُس کا حق باپ اور بیٹے سے یقیناً فائق و برتر ہے خدائے تعالےٰ نے ہادیانِ برحق کے ذریعہ انسان کو واقف و آگاہ بنا دیا ہے کہ مسکینوں۔ یتیموں۔ ضعیفوں کو جو خود اپنی ضروریات فراہم نہیں کرسکتے اپنی کمائی میں سے کچھ دینا اور اُن کی زندگی کی حفاظت کرنا خدائے تعالےٰ کی خوشنودی کا موجب اور حیاتِ اُخروی کے لئے جو حقیقی و دائمی حیات ہے بیحد نافع اور مفید ہے۔ اسی طرح شرائع الٰہیہ نے نوعِ انسان کے لئے لوازماتِ زندگی سے متمتع ہونے اور اس دارالامتحان میں زندگی بسر کرنے کا انتظام کر دیا جس کی تفصیل اس جگہ ضروری نہیں۔ اپنی ضروریات سے زیادہ منافع اور سامان کا جمع کرلینا اور دوسروں کے

لئے میدانِ عمل کو تنگ کردینا عدل کے خلاف ہے اور اسی کی روک تھام کا انتظام شرائع الٰہیہ نے کیا ہے۔ اگر انسان کے اختیار و ارادہ کو محدود و مقید کر دیا جاتا کہ جو شخص زیادہ محنت کر کے زیادہ منافع فراہم کر سکتا ہے وہ حدِ معین سے زیادہ سعی و محنت پر قادر نہ ہوتا اور جو محنت نہیں کرتا اور اس لئے ضروریاتِ زندگی سے محروم ہے وہ سعی و محنت پر مجبور ہوتا اور اس طرح غیر ارادی و غیر اختیاری طور پر سب کی سعی و کوشش مساوی ہوتی اور سب کو ضروریاتِ زندگی یکساں میسر ہوتیں تو پھر انسان اور حیوان میں کوئی فرق نہ ہوتا۔ سمندر کی مچھلیاں۔ جنگل کے جانور اور ہوا میں اُڑنے والے پرند اور انسان سب اختیار و ارادہ کے اعتبار اور ضروریاتِ زندگی کی حیثیت سے یکساں ہوتے اور تمدن و ترقی کی منازل جو انسان طے کر رہا ہے اسکا کہیں نام و نشان بھی نظر نہ آتا۔ لہذا خدائے تعالےٰ کی طرف سے اس دارالامتحان کے لئے جو انتظام ہوا ہے وہی سب سے بہتر اور ناقابلِ ترمیم ہے۔

انسان اپنی فطری خود غرضی کے غلط استعمال اور اپنی قوت کو بیجا صرف کرنے سے ظالم اور خطاکار بنجاتا ہے چنانچہ اس ظالم و خطاکار انسان نے ہمیشہ دوسروں کی ملکیت اور دوسروں کی مقبوضہ اشیاء پر ناجائز اور ظالمانہ قبضہ کرنا چاہا اور بڑی جماعتوں نے چھوٹی جماعتوں اور طاقتور انسانوں نے کمزور انسانوں کو لوٹا کھسوٹا اور اُن کی محبوب چیزوں کو زبردستی چھین لیا۔ جب تک کہ مبادلہ میں سہولت پیدا کرنے کے لئے سکہ ایجاد نہیں ہوا تھا اُس وقت تک ظالموں کو مظلوموں کی مملوکات پر بہت زیادہ قبضہ کرنے کا موقع نہیں مل سکتا تھا اس لئے کہ غلّہ کے انبار۔ پھلوں اور میووں کے ڈھیر۔ کپڑوں کی گٹھڑیاں۔ لکڑیوں کے سلیپر۔ بانسوں کے گٹھے۔ لوہے کی کلہاڑیاں۔ بیلچے اور درانتیاں۔ اینٹوں کے پژاوے چھین کر ایک جگہ سے دوسری جگہ لیجانا اور ان چیزوں سے اصل مالکوں کو محروم کر کے خود فائدہ اُٹھانا ایک حد تک ہی ممکن تھا اور دستِ تطاول حد سے زیادہ دراز نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن جب اس قسم کی تمام اشیاء کا ذخیرہ ہر شخص کے لئے فراہم رکھنا

ضروری نہ رہا بلکہ ان کی جگہ روپیہ کی تھیلیاں اور اشرفیوں کے بٹوے کافی ہو گئے جو ہر شخص بآسانی رکھ سکتا اور بآسانی ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جا سکتا ہے تو طاقتور ظالموں کو کمزور مظلوموں سے دولت کو چھین کر اپنے قبضہ میں لانا اور اس شکار کے سلسلے کو برابر جاری رکھنا اور ایک کے بعد دوسرے کو لوٹنا بہت آسان ہو گیا۔ کیونکہ اب لوٹی اور زبردستی چھینی ہوئی دولت اُن کے لئے تکلیف کا موجب نہیں ہو سکتی تھی طاقت کے اس ناجائز استعمال کا نتیجہ یہ ہوا کہ کمزوروں نے طاقت ور بننے اور مظلوموں نے آپس میں اتفاق و اتحاد پیدا کر کے بڑی جماعت بن جانیکی کوشش کی اور اپنے اوپر ظلم کرنے والوں سے انتقام لینے میں اُن سے بھی زیادہ مظالم روا رکھے اور چند روز کے بعد پہلے ظالموں کی طرح زیرِ انتقام آئے اس طرح حصولِ دولت کی ظالمانہ کوشش نے بنی نوعِ انسان کو جنگ و پیکار اور لوٹ کھسوٹ کے سلسلے میں گرفتار کیا۔ مسلسل جنگ و پیکار اور بدامنی چونکہ انسان کے لئے خوشگوار چیز نہ تھی لہذا عدل و انصاف اور مساوات قایم رکھنے کے لئے قانون اور نظامِ ریاست بنانا پڑا۔ اس نظامِ عدل کے جاری اور نافذ کرنے کے لئے کسی ایک یا چند اشخاص کو اقتدار اور قوت سپرد کر کے فرمانروائی کا موقع دیا گیا اور لوگوں نے نظامِ حکومت قایم رکھنے کے لئے اپنے اوپر ٹیکس کی ادائیگی کو لازمی تسلیم کیا۔ ان فرمانرواؤں نے طاقت پا کر اوّل اوّل طاقتور گروہوں کی ظالمانہ دست درازیوں سے کمزوروں کی حفاظت کی پھر بتدریج اپنی طاقت کا ناجائز استعمال شروع کیا اور لوگوں کو اپنا محکوم و غلام بنانے اور اُن کی دولت کو اپنے قبضے میں لانے کی کوشش شروع کر دی اور خود بجائے اس کے کہ لوگوں کی خدمت انجام دیتے مخدوم بن گئے اور قزاقانہ لوٹ کھسوٹ کے عوض منظم اور باقاعدہ لوٹ شروع ہوئی اور دولت طاقتور حکمرانوں کے قبضے میں آ آ کر جمع ہونے لگی اور اس طرح اُن کی طاقت اور بھی بڑھنے لگی محکوم رعایا اپنی دولت کے چھپانے۔ جھوٹ بولنے۔ دھوکا دینے۔ خوشامد کرنے پر آمادہ

ہوتی گئی اور ظلم و استبداد کے ہاتھوں انسان میں رذیلانہ خصائل نے جڑ پکڑی۔ دولت کے ذریعہ نسلِ انسانی پر جو جو مصائب وارد ہوتے رہے اُن کا علاج مذہب کی دستگیری کے بغیر نہ آجتک ممکن ہوا اور نہ ہو سکتا ہے۔ مذہب دولت کے ناجائز طور پر حاصل کرنے اور ناجائز طور پر خرچ کرنے اور ناجائز طور پر دولت کو محفوظ رکھنے کی مخالفت کرتا ہے۔

اَلَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ یَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ ۝ (الہمزہ)	اُسکی بھی تباہی ہے جو اس خیال سے مال جمع کرتا اور اُسکو گِن گِن کر رکھتا رہا کہ وہ مال و دولت کی بدولت ہمیشہ زندہ رہیگا۔

دولت کمانے۔ دولت خرچ کرنے۔ دولت خرچ نہ کرنے میں اگر احکامِ مذہب کی پابندی نہ کیجائے تو دولت انسان کے لئے سب سے بڑی لعنت۔ سب سے بڑی مصیبت اور سب سے بڑی مخالفِ انسانیت چیز بن جاتی ہے۔ دولت کے ذریعہ اگر طاقت فراہم ہو سکتی ہے اور دولت ہی کا دوسرا نام اگر طاقت ہے تو دنیا وار دولتمند سب سے زیادہ ظالم اور سب سے زیادہ مستبد اور سب سے زیادہ حریص ہوتا ہے اور اگر دولتمند کے اوپر کوئی دوسرا بڑا ظالم اور بڑا طاقتور موجود ہے تو پھر دولتمند سے زیادہ ڈرپوک۔ دولتمند سے زیادہ بُزدل۔ دولتمند سے زیادہ دروغگو۔ دولتمند سے زیادہ فریبی۔ دولتمند سے زیادہ تنگدل دوسرا نہیں ہوا کرتا۔ دولت کی اس طرح بُرائیاں سُن کر عام طور پر لوگ کہدیا کرتے ہیں کہ دولت کی بدولت تو تمام دُنیا کا کارخانہ چل رہا ہے اور دولت کی خواہش اور ضرورت ہر شخص کو ہے اور کوئی بھی دولت سے بے نیاز نظر نہیں آتا۔ ایسی ضروری اور محبوب چیز کو بُرا بتانا حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔ لیکن وہ غور نہیں کرتے کہ دولت جس چیز سے عبارت ہے وہ دراصل انسان کی اُس سعی و کوشش کا نتیجہ ہے جو معاش حاصل کرنے کے لئے اُسنے کی ہے۔ اس سعی و کوشش میں بھی یہ شرط ضروری ہے کہ کسی دوسرے کی سعی و کوشش کو ناکام و بے نتیجہ بنانے والی نہ ہو بلکہ دوسروں کے لئے کچھ نہ کچھ نفع رساں ہو۔ یہی وہ دولت ہے جو جائز طریقے سے حاصل کی گئی ہے اور اسی کی ہر شخص کو ضرورت ہے

اور اسی کے یہ معنی ہیں کہ ہر شخص سعی و عمل کے لئے مجبور ہے اور اسی کا مذہب حکم دیتا ہے۔ ایسی دولت پر کسی کو اعتراض نہیں ہو سکتا اور اس طرح کسی شخص کو ایسا موقع مل ہی نہیں سکتا کہ وہ دوسروں کے لئے سامان زندگی کو تنگ اور دشوار بنا دے احکام مذہبی کے ماتحت کمائی ہوئی دولت جو احکام مذہبی کے موافق ہی خرچ بھی ہو کبھی ایک مرکز پر جمع ہونے اور محدود افراد کو ہمیشہ زیادہ ہی زیادہ دولت کا مالک بنانے جانے اور دوسرے افراد کو دولت سے محروم کرتے جانے پر مائل نہیں ہو سکتی بلکہ مذہبی ہدایات کے ماتحت دولت متداول چیز ہی رہتی ہے اور ہر شخص کی سعی و محنت اُسکے لئے نتیجہ خیز اور نفع رساں ہوتی رہتی ہے لیکن انسانوں نے جو اپنی خود غرضی سے کبھی جُدا نہیں ہو سکتے جو طریقے بھی دولت کے حاصل کرنے اور خرچ کرنے کے تجویز دایجاد کئے اُن سب میں یہ عیب لازماً موجود ہے کہ یا تو دولت ایک یا متعدد مرکزوں کی طرف مائل ہو جاتی اور اطراف کو دولت سے خالی اور محروم کرنے لگتی ہے جس سے انسانی مساوات درہم برہم اور انسان شرافت انسانی سے محروم ہونے لگتا ہے یا اگر منتشر اور متداول بنتی ہی تو انسان کی سعی و کوشش اور محنت و عمل کے انفرادی امتیاز کو برباد کر کے انسانی محنت و عمل کے لئے کسی محرک کو باقی نہیں چھوڑتی اور انسانوں کو پستی و تنزل کی طرف لیجاتی اور انسان کو غیر فطری راستے پر چلاتی ہے جیسا کہ اشتراکیت و بولشویت کے نظام کا بڑا حصہ غیر فطری ثابت ہو رہا ہے۔

محنت و سرمایہ اور سُود خوری

اور پر جن چوروں۔ ڈاکوؤں اور ظالم فرمانرواؤں کا ذکر ملکیت و دولت کے تذکرے میں آیا ہے اُن سے بھی بڑھکر ایک اور خبیث ترین ظالموں کی جماعت نسلِ انسانی کیلئے سِل اور دق کا مرض بنی ہوئی موجود ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو جسمانی طاقت اور شمشیر و تیر

کو بھی استعمال نہیں کرتے مگر دوسرے انسانوں کا خون ایک ایک قطرہ کر کے سب چوس لیتے اور اُنکا گوشت ریشہ ریشہ کر کے سب کھا جاتے اور ڈکار تک نہیں لیتے۔ رات دن اسی اکل و شرب میں مصروف رہتے اور ایک ایک کر کے تمام انسانوں کو اپنے دوزخ کا ایندھن بنا لینا چاہتے ہیں۔ باستانی حالات اور عہدِ قدیم کی تاریخوں سے پتہ چلتا ہے کہ ابتدائی زمانے میں بعض ملکوں اور بعض قوموں کے اندر مردم خوری کا رواج تھا یعنی دشمن قوم کے لوگوں کو اگر کسی طرح ہاتھ آجاتے یا لڑائی میں گرفتار ہو جاتے تو ذبح کر کے کھا جاتے تھے۔ بعض اوقات اس آخری زمانے میں بھی جبکہ قحط کی شدت اور سامانِ خورش کی نایابی انتہا کو پہونچ گئی ہے تو سُنا گیا ہے کہ بعض لوگوں نے اپنی جان بچانیکے لئے اپنے بچوں اور رشتہ داروں کو ذبح کر کے اُن کا گوشت بھون بھون کر کھا لیا۔ ایک انسان دوسرے انسان کا گوشت کھا جائے یہ تصور ہی بڑا ہیبت ناک اور نفرت انگیز ہے۔ لیکن اسکے وقوع اور وجود سے انکار نہیں کیا جا سکتا اسلئے کہ اس سے بھی زیادہ ہیبت ناک اور اس سے بھی زیادہ ہلاکت آفریں قسم کی ایک مردم خوری و خون آشامی کا وجود عہد قدیم سے چلا آرہا ہے اور عام طور پر آجتک موجود ہے جس کو ہم سب اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ کسی شخص کی محنت و عمل کے نتیجے یعنی محنت سے کمائی ہوئی دولت کو زبردستی چھین لینے والا شخص ڈاکو کہلاتا ہے۔ ڈاکو دوسروں کی دولت پر خود قبضہ کر کے اُن کو اُن کے سامانِ زندگی سے محروم کر دیتا اور مدافعت کیجائے تو قتل بھی کر دیتا اور کبھی خود بھی قتل ہو جاتا ہے۔ جن قوموں میں مردم خوری کا رواج تھا وہ بھی دوسرے انسانوں کی طرف سے ہمیشہ خطرے میں رہتی تھیں۔ قحط کے زمانے میں جن لوگوں نے مردم خوری کی ہو گی اُنکی اضطراری حالت کا ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے۔ لیکن یہ دوسری سخت ہیبت ناک مردم خوری جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور عام طور پر مروج اور جاری ہے عموماً اس قسم کے

خطرات سے محفوظ اور نقصان وزیاں سے مامون رہتی ہے۔ اس مردم خوری کو آجکل تو لازمۂ تہذیب وتمدن قرار دیکر عیب وگناہ کی فہرست سے خارج کردیا گیا ہے۔ ایکو سرمایہ پرستی وسود خوری کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اسی سود خوری وسرمایہ پرستی نے عہدِ قدیم میں ترقی پکڑ کر یونان کے ملک کو ہلاکت وتباہی کے گڑھے تک پہونچادیا تھا کہ یونان کے مشہور مقنن سولن نے اپنے ملک کے بچانے کی ایک قابل تعریف اور کامیاب کوشش کی لیکن آجکل جبکہ دنیا کے بڑے حصے اور بہت سے ملکوں میں یہ وبا پھیلی ہوئی ہے سولن کا قانون بھی قطعاً بیکار اور ناکارہ ہے۔

جیسا کہ اوپر کی فصل میں بیان کیا جاچکا ہے مذہب اور احکام مذہبی کی طرف سے غفلت اختیار کرنے کا نتیجہ ہے کہ دولت بجائے متداول ہونے کے ایک یا متعدد مرکزوں کی طرف مائل ہے جس کے پاس زیادہ دولت جمع ہوگئی ہے وہ اور بھی زیادہ جمع کرنے اور دوسروں کو دولت سے تہیدست بنانے کی طاقت وقدرت حاصل کرلیتا ہے اور جسقدر اُسکے پاس دولت زیادہ ہوتی جاتی ہے اُسی قدر اُسکی یہ مردم کش طاقت وقدرت بھی بڑھتی جاتی ہے۔ جو لوگ محنت کرتے ہیں اُن کو اپنی محنت کے نتائج کم ملتے اور جن کے پاس دولت زیادہ ہے وہ محنت بالکل نہیں کرتے لیکن محنت کرنے والونکی محنت کے نتائج یعنی دولت اُن کے پاس بلا محنت ومعاوضہ اس طرح بہی ہوئی چلی آتی ہے جیسے نشیب کی طرف پانی بہتا ہوا چلا جاتا ہے۔ دولت کا دولت کی طرف کشش کرنا انسان کی سعی وکوشش کا بلا نتیجہ ہوجانا ہے۔ محنت کا بلا نتیجہ ہونا انسان کی ہلاکت اور موت کے مترادف ہی۔ اس ہلاکت آفرین نظم ونظام کی جان سود خوری ہے۔ چوری۔ ڈاکہ زنی اور ظلم واستبداد بھی محنت وعمل کے نتائج سے انسان کو محروم کرتے اور اسلئے سخت مذموم اور خلافِ انسانیت افعال ہیں۔ لیکن ان مردم کش افعالِ شنیعہ کو کسی ملک اور کسی قوم میں کبھی قابلِ ستایش اور موجبِ فخر نہیں کہا گیا اور ہمیشہ مذموم وناستودہ ہی قرار دیا گیا۔ جو لوگ انکے مرتکب ہوئے

وہ بھی ان کو بُرا ضرور سمجھتے رہے لیکن سود خوری کی مردم آزاری و خونخواری کو اکثر اقوام و ممالک میں قانونی جواز حاصل اور جرائم کی فہرست سے خارج کر دیا گیا ہے لہٰذا اس کے مردم کش نتائج بہت دُور رس اور اس کی ہلاکت آفرینی ہمہ گیر ہو چکی ہے۔

ایک مجبور و مسکین شخص جس کو موقعِ عمل۔ آلاتِ عمل۔ اور استطاعتِ عمل میسر نہیں اپنی حالت سُدھارنے اور موقعِ عمل پانے کے لئے ایک مالدار و دولتمند شخص کے پاس جاتا ہے کہ وہ اپنے زاید از ضرورت روپیہ میں سے ایک قلیل مقدار روپیہ کی بطور قرض اُسکو دیدے۔ اخوت و ہمدردئ انسانی کا تقاضا تو یہ تھا کہ یہ مالدار شخص اپنی ضرورت سے زیادہ دولت میں سے ایک قلیل مقدار اس ضرورتمند کو بطور احسان و عطا دے دیتا اور واپس لینے کا خیال بھی دل میں نہ لاتا لیکن یہ ضرورتمند تو ایک محدود مدت تک استعمال کرنیکے لئے لیتا اور واپس دیدینے پر آمادہ ہے۔ اس حالت میں اس دولتمند کی دولت کو کوئی نقصان بھی نہیں پہونچتا یعنی اُس کی دولت میں کوئی کمی نہیں پیدا کرنی چاہتا۔ مگر اس دولت مند کے دل میں اُس کی مجبوری و لاچاری سے بجائے اسکے کہ رحم و ہمدردی پیدا ہو۔ لالچ و قساوت و خونخواری و مسرت پیدا ہوتی ہے۔ یہ اس مجبور کو اپنا شکار سمجھتا اور اُسکے پسینے کی کمائی میں بلا محنت حصہ دار بننا چاہتا ہے۔ چنانچہ سودی دستاویز لکھا کر یا جس طرح مناسب سمجھے اپنا اطمینان کر کے اُس کو اس شرط پر روپیہ دیتا ہی کہ مقررہ مدت کے بعد اصل روپیہ کے ساتھ اس قدر زیادہ روپیہ (سود) اور لونگا۔ اگر کوئی طاقتور شخص یا طاقتور جماعت کسی کمزور اور تنہا آدمی کو کسی جنگل میں پکڑ کر قتل کی دھمکی اور تلوار یا بندوق سے ڈرا کر اُسی کے قلم سے ایسا معاہدہ لکھائے جو اپنی آزاد اور بے خوف حالت میں وہ کبھی نہ لکھتا تو ایسے معاہدہ کی نسبت اگر یہ ثابت ہو جائے کہ مجبوری کے عالم میں لکھا گیا ہے تو اُس کی پابندی کسی قانون میں لازمی نہیں قرار دیجاتی لیکن سود خور قرض لینے والے کی مجبوری سے فائدہ اُٹھا کر جس قدر زیادہ شرح سُود

چاہے لکھالے۔ سود خور قومیں اور سود خور حکومتیں عموماً اس معاہدہ کی پابندی کو لازمی قرار دیتی ہیں۔ قرض لینے والا مجبوراً سودی روپیہ لیتا اور محنت وعمل میں مصروف ہوتا ہے۔ اب یہ سود خور پاؤں پھیلا کر سونے میں۔ عیش وعشرت میں۔ تماشا دیکھنے میں۔ کھانے پینے میں۔ اور بے عملی میں اپنا وقت صرف کر رہا ہے لیکن اسکا قرض دیا ہوا روپیہ خود بخود بڑھ رہا ہے اور اس کی دولت بلا عمل ومحنت ترقی پذیر ہے۔ اُس قرضدار کی حالت اسکے خلاف ہے کہ وہ محنت وعمل میں مصروف ہے لیکن اُسکے نتیجے سے محروم۔ اب غور کرو اور سوچو کہ فطرتِ بشری۔ عدل۔ اور شرافتِ انسانی سے اس حالت کو کس طرح تطبیق دی جا سکتی ہے اور کونسی صورت اسکے جواز کی پیدا کی جا سکتی ہے۔ جہانتک غور کرو گے یہی ثابت ہوگا کہ سود خور سے زیادہ سنگدل۔ سود خور سے زیادہ اخوت وہمدردئی انسانی کا دشمن۔ سود خور سے زیادہ ظالم دوسرا نہیں ہو سکتا۔ سود خور جب اپنی اس سنگدلی اور بے مروتی میں بار بار کے عمل سے زیادہ پختہ ہو جاتا ہے تو اُس کے دل سے رحم ورافت کا مادہ بالکل فنا اور اُس کی جگہ خود غرضی ولالچ کا ایک ہمالیہ پہاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔ چونکہ وہ ضرورتمند کی لاچاری ومجبوری کو اپنے لئے مفید پاتا ہے اسلئے اُس کے دل کی حالت اور اُسکے جذبات واحساسات ایک عجیب سا سانچے میں ڈھل جاتے ہیں صحیح الفطرت انسان دوسرے لوگوں کی تباہی وبربادی کا حال دیکھکر بالطبع رنجیدہ وافسردہ وغمگین ہوتا اور اسکے دل میں سچی ہمدردی موجزن ہوتی ہے لیکن سود خور بنی نوع انسان کی زبوں حالی سے مسرت محسوس کرتا اور اُسکے دل میں بے اختیار شگفتگی پیدا ہوتی ہے مگر وہ اپنی بُزدلی ونامردی کے سبب مگرمچھ کے سے آنسو بہانے اور لوگوں کو دھوکا دینے میں خوب مشاق ہو جاتا ہے۔ ہر ایک ظالم کا بُزدل ہونا اور ہر بُزدل کا ظالم ہونا لازمی ویقینی ہے۔ ہر ایک خود غرض بلاشبہ نامرد ہونے کے ساتھ ہی شرافتِ انسانی سے بے نصیب ہوتا ہے۔ بخلاف اسکے بہادر ہمیشہ رحمدل ہوا کرتا ہی سود خور بھی

چونکہ انتہا درجہ کا ظالم اور اعلیٰ درجہ کا خود غرض اور نفس پرست ہوتا ہے لہذا اُس کی بُزدلی و نامردی حدِ کمال کو پہونچی ہوئی ہوتی ہے۔ سود خور دولت ہی کو اپنا معبود۔ محبوب۔ اور مطلوب سمجھتا اور اسی لئے وہ نوعِ انسان کی محبت و ہمدردی کو روپیہ کے مقابلے میں پرِ کاہ کی حیثیت بھی دینا نہیں چاہتا۔ دولت انسان کی اس دُنیوی زندگی میں نفع پہونچانیکا ایک ظاہری ذریعہ ہے۔ اس حیاتِ دنیوی کی عارضی وفانی راحت کے ذریعۂ ظاہری سی جب اُسکو ایسی شدید محبت ہے تو اپنی حیاتِ دُنیوی اُسکو کیسی کچھ عزیز نہ ہوگی لہذا جو شخص اپنی حیاتِ دُنیوی ہی کو سرمایۂ کامل یقین کرچکا ہو وہ اُس کو خطرے میں ڈالنے اور جذبۂ شجاعت کا اظہار کرنے پر کیسے قادر ہو سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ سود خور قومیں حقیقی شجاعت سے محرُوم ہو جاتی ہیں اور صفحاتِ تاریخ اس پر شاہد ہیں۔

سُود خور جانتا ہے کہ میں لوگوں کی مجبوری سے فائدہ اُٹھاتا اور اُن کی محنت و عمل کے نتائج پر ڈاکہ ڈال کر اُن کا خون چوستا اور ضرورتمندوں پر کوئی احسان نہیں کرتا ہوں لہذا وہ جس طرح خود بلا مبادلہ احسان کی صفت سے محروم ہوتا ہے اسی طرح دوسروں سے احسان کی توقع نہیں رکھتا اور دوسروں کے دلوں کو بھی شرافت و عالی ظرفی سے خالی تصور کرنے لگتا ہے لہذا جب کبھی اُسکو کسی سے اپنا کوئی کام نکالنے کی ضرورت پیش آجاتی ہے تو وہ انسانی خودداری اور غیرت و حمیّت کو خیرباد کہکر فوراً خوشامد۔ چاپلوسی۔ دروغگوئی۔ جھوٹے وعدوں۔ اور دھوکا دہی پر اُتر آتا ہے کبھی اپنی جھوٹی محبت کا یقین دلاتا۔ کبھی پاؤں پر سر رکھدیتا۔ کبھی آنسو بہانے اور کبھی گڑگڑانے لگتا ہے۔ اگر یہ رذیل و ذلیل حرکات کارگر ثابت ہوتی ہیں اور اُس کا کام نکل جاتا ہے تو وہ اپنی اس آبرو فروشی کو دانائی اور عقلمندی قرار دیتا اور آئندہ کیلئے پہلے سے بھی زیادہ چاپلوس۔ دھوکے باز اور چالاک بنجاتا ہے چنانچہ سود خور قومیں اپنی دھوکہ بازی۔ چالاکی۔ اور بے غیرتی میں ہمیشہ بے مثال و بے نظیر رہی ہیں اور اقوامِ عالم کے اخلاقی حالات پر غور و تأمل

کرنے سے اسکا نہایت روشن ثبوت میسر آسکتا ہے۔ سود خور انسانی ہمدردی کے جذبہ سے متاثر ہوکر کبھی کسی پر کوئی احسان نہیں کرسکتا۔ اگر وہ خیرات بھی کرتا، مسکینوں کو کھانا بھی کھلاتا، سرائے۔ کنویں۔ اور پل وغیرہ بھی تعمیر کراتا۔ اور رفاہ عام کے کاموں میں روپیہ خرچ کرتا ہے تو ہر اس قسم کے کام سے اُسکی کوئی نہ کوئی ذاتی غرض وابستہ ہوتی ہے۔ مثلاً اپنی شہرت و عزت و تکریم و گرم بازاری سے اپنے نفس کو لذت پہونچانا اور لوگوں کی نگاہ میں محبوب بنانا وغیرہ۔ اگر اُس کے یہ کام انسانی ہمدردی پر مبنی ہوتے تو وہ سود خور ہی کیوں بنتا اسلئے کہ سود خوری تو ہمدردئی انسانی کی ضد ہے۔ سود خور چونکہ اعلیٰ درجہ کا خود مطلب اور نفس پرست ہوتا ہے لہذا اُس کا ہر ایک رفاہِ عام کا کام ریا اور دکھاوے اور داد طلبی کے بغیر نہیں ہوسکتا اور کوئی نہ کوئی نفسانی غرض ضرور مدنظر رکھتا ہے۔

سود خور عالمِ انسانیت کو اپنے بدترین نمونہ کی تقلید و پیروی پر آمادہ کرتا اور اسلئے نوعِ انسان کے لئے سب سے بڑا خطرہ ہے۔ سود خور چونکہ روپیہ کا پرستار اور دولت کا بندہ بنجاتا ہے لہذا وہ اپنی بُزدلی اور نامردی کے سبب عوام کے خوف سے اپنے آپ کو مذہب کا پابند اور عبادات کے بجالانے میں دکھاوے کی مستعدی ظاہر کرتا اور حقیقتاً مذہب اور خدا کا منکر ہوتا ہے۔ اُس کا معبود روپیہ۔ اُس کا محبوب روپیہ۔ اُس کا مقصود حقیقی روپیہ اور صرف روپیہ ہوتا ہے۔ وہ روپیہ کی پوجا کرتا۔ روپیہ کو خدا سمجھتا۔ روپیہ ہی میں تمام خدائی صفات تجویز کرتا۔ اور جزا و سزا اور ایمان بالیوم الآخر کو ڈھکوسلا قرار دیتا ہے لیکن زیادہ لوگوں کو چونکہ مذہب کا پابند دیکھتا ہے لہذا حتی الامکان اُنکی نفرت سے بچنے کیلئے آپ بھی لوگوں کو دکھانے کے لئے مذہبی عبادات میں شرکت کرتا ہے۔ منافقت کا پلید اور خبیث مرض سود خور میں لازماً پیدا ہوجاتا ہے۔ دُنیا کے تمام الٰہی مذاہب نے سود کو حرام قرار دیا ہی داور مذہب اسلام نے تو سود کو سور کے گوشت سے بھی زیادہ حرام اور پلید بتایا اور سود خوری کو ماں کے ساتھ زنا کرنے سے بدتر ٹھہرایا ہے) لہذا سود خوار و نکی تمامتر ہمت اس کوشش میں

صرف ہوا کرتی ہے کہ کسی طرح اس پلید و خبیث چیز کے جواز کا پہلو نکل آئے چنانچہ کبھی سودی معاملے کو تجارت سے تشبیہ دیتے اور سود کو تجارتی منافع بتاتے ہیں حالانکہ تجارت یا مبادلہ سے کسی قسم کی بھی مناسبت اور مشابہت سود خوری کو نہیں ہو سکتی۔

اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ط ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا م وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ط (البقرۃ - ۳۸)

جو لوگ سود کھاتے ہیں قیامت کے دن کھڑے نہیں ہو سکیں گے مگر اُس شخص کا سا کھڑا ہونا جسکو شیطان نے چھُو کر مخبوط الحواس کر دیا ہو۔ یہ اُن کے اس کہنے کی سزا ہے کہ جیسا تجارت کا معاملہ ہے ویسا ہی سود کا معاملہ۔ حالانکہ تجارت کو اللہ نے حلال کیا ہے اور سود کو حرام۔

کبھی کہتے ہیں کہ ہاں! سود در سود تو بیشک بُرا ہے لیکن سود حرام نہیں۔ حالانکہ سود در سود کے حرام ہونے سے بھی سُود کی حُرمت ثابت ہو جاتی ہے۔ اگر کسی چیز میں فی نفسہ پلیدی کا مادہ نہیں ہے تو دو آتشہ ہونے یا اُس چیز کے زیادہ اور کثیر ہونے کے بعد بھی اُس میں پلیدی نہیں آ سکتی۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ص وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ٥ (آل عمران - ۱۴۰)

مسلمانو! سود نہ کھاؤ کہ دُگنا چوگنا ہوتا چلا جائے اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ فلاح پاؤ۔

سود کی پلیدی تمام پلیدیوں کا مجموعہ ہے۔ سنگدلی۔ آزاد پسندی۔ دھوکہ دہی۔ منافقت۔ خود غرضی۔ خوشامد و چاپلوسی۔ بے غیرتی و بے حمیتی۔ بے عملی۔ آرام طلبی و تن آسانی شرک وغیرہ تمام انسانیت کُش اور مردم خور و خون آشام بیماریاں سود خوری سے پیدا ہو جاتی ہیں۔ ایسے زہر ہلاہل کو دین برحق اور سچا مذہب کیسے جائز قرار دے سکتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ ۚ وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ۝ (البقرہ - ۳۸)	سلمانو! اگر تم ایمان رکھتے ہو تو اللہ سے ڈرو اور جو سود لوگوں کے ذمہ باقی ہے اُسکو چھوڑ بیٹھو اور اگر سود خوری ترک نہیں کرتے تو اللہ اور اُس کے رسول سے لڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ اور اگر توبہ کرتے ہو تو تمہاری اصل رقم تمہارا حق ہے۔ نہ تم کسی کا نقصان کرو نہ کوئی تمہارا نقصان کرے۔

یہی وجہ ہے کہ آجتک سودخوروں کی انتہائی کوششوں کے باوجود اس حرام چیز کے جواز کی کوئی صورت مذہباً ثابت نہیں ہوسکی کیسی قوم کے لئے سود کو جائز قرار دینا گویا اُس قوم کو فضائل و خصائل حسنہ سے محروم کرکے اُس میں رذیلانہ خصائل کا پیدا کرنا اور اُس قوم کو تباہ و برباد کر دینا ہے۔ سودخور کی دولت سودخور کے لئے دوسرے انسانوں کی دولت کا شکار کرنے میں شکاری کُتّے اور شکاری چیتے سے زیادہ تیز رو۔ تیز دست اور ہوشیار ہوتی ہے۔ شکاری کتّے اور شکاری چیتے جنگلی جانوروں کا خون بہاتے ہیں لیکن سودخور کی دولت محنتی اور مصروفِ عمل انسانوں کا خون پیتی اور اُن کو ہلاکت کے گڑھے میں گراتی ہے۔ اس سودخوری کے ساتھ جب طاقت و حکومت بھی شامل ہو جاتی ہے تو اس کی ہلاکت آفرینی انتہا کو پہونچکر بے پناہ مظالم ڈھانے لگتی ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تجارت کی آزادی غائب ہو کر لوگوں کے لئے حصولِ معاش کے دروازے تنگ اور تجارت و سود کے درمیان بآسانی لزوم پیدا ہو جانے سے حصولِ معاش کا سب سے بڑا ذریعہ یعنی تجارت سودخوروں کی جاگیر اور خصوصی ملکیت بن جاتا ہے۔ اس کے بعد دولت کی تمام ندیاں ایک ہی سمت کو بہنے لگتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ سمندروں سے بھاپ کا اُٹھنا اور بادلوں کا بننا موقوف ہو جائے اور خشکی کے تمام دریا بدستور سمندروں کی طرف بہتے رہیں تو چند روز کے بعد ربعِ مسکوں کا بے سبزہ و گیاہ ہو جانا لازمی ہے۔ تجارتی حقوق

اور امتیازات جو اقوام و ممالک نے اپنے لئے مخصوص کر لیئے ہیں ان کی تہ میں سود خوری ہی کارفرما ہے اور طاقت و حکومت نے اسکے قیام و استحکام کی صورتیں پیدا کر کے سرمایہ کو محنت پر غالب اور محنت کو سرمایہ کے مقابلے میں ذلیل و بے توقیر بنا دیا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ حالت کسی طرح بھی فطری نہیں کہی جا سکتی۔ فطری حالت تو وہی ہے کہ انسان کو معاش یعنی ضروریاتِ زندگی محنت و عمل کے ذریعہ میسر ہوں۔

لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ۝ (النجم-۳) | انسان کو اُسی قدر ملیگا جس قدر اُسنے کوشش کی۔

پس ہر صاحبِ فہم و بصیرت کو ماننا پڑیگا کہ سود خوری عالمِ انسانیت کیلئے سب سے بڑی مصیبت ہے اور اس کا علاج اب نہ اشتراکیت سے ہو سکتا ہے نہ بالشویئت سے ممکن ہے اسکے علاج کی صرف ایک ہی صورت ممکن ہے کہ لوگوں کو پابندِ مذہب بنایا جائے۔ سچے اور حقیقی مذہب سے آگاہ کیا جائے۔ توحیدِ باری تعالےٰ۔ جزاو سزا۔ حیات بعد الممات۔ اور انسانی زندگی کے حقیقی مقصد سے واقف بنایا جائے اور عالمِ انسانیت میں وحدت و مساوات قایم ہو اور بجائے انسانی نظامِ سلطنت کے مذہبی یا الٰہی نظامِ سلطنت نافذ ہو۔

سود خوری نے محکوم اقوام میں رواج پا کر اُن سے مردانہ اخلاق ایک ایک کر کے جُدا کر دئے ہیں۔ سود خوری نے جہاں حاکم قوموں کی سنگدلی کو ترقی دی ہے وہاں محکوم قوموں کو غلامی پر رضامند کر کے خدا پرستی کی جگہ زر پرستی کی لعنت میں گرفتار اور انسانی شرافت سے بمراحل دور کر دیا ہے۔

مراسم و آبا پرستی

انسان فطرتاً مقلد و ناقل و متبع بھی واقع ہوا ہے اور موجد و مجتہد و محقق بھی۔ انسان اپنی بے علمی کی حالت میں تقلید سے فائدہ اُٹھاتا ہے چنانچہ جاہل و بے علم بچے کو اپنے ماں باپ اور بزرگ رشتہ داروں کی تقلید ہی سے ترقی کا موقع میسر آتا ہے۔ انسان چونکہ نشو و نمائی اور ترقی کی

قوتیں رکھتا ہی لہذا وہ کسی سانچے میں ڈھل کر مٹی۔ پتھر۔ یا لوہے کی طرح بالکل منجمد اور مقلد بھی
نہیں رہ سکتا بلکہ ایک درخت کی طرح بڑھنے۔ پھیلنے اور شاخیں نکالنے پر آمادہ رہتا ہے۔ اگر
انسان میں جدت اور ترقی کی استعداد نہ ہوتی تو اُسکے تمام اعمال وافعال چوپایوں کی طرح
شروع سے ایک ہی حالت پر چلے آتے اور ہر زمانے میں جو نئی نئی ایجادات۔ نئے نئے علوم
رونما ہوتے رہے ہے اور معاشرت وتمدن واخلاق میں جو ترقیات ہو چکی اور ہو رہی ہیں اُنکا نام ونشان
بھی نہ ہوتا اور خدائے تعالےٰ نے جو اختیار وارادہ انسان کو عطا فرمایا ہے وہ بھی بے معنی ہو جاتا
جن لوگوں نے اپنی کوشش اور اپنے عمل سے نئے نئے انکشافات کئے اور انسان کا قدم
میدانِ ترقی میں آگے بڑھایا وہ عالمِ انسانیت کے مُحسن ہیں۔ اُن کی ایجادات اور اُن کے
معلومات سے فائدہ اُٹھانا اور اُن کی تقلید کرنا کوئی عیب کی بات نہیں کیونکہ اس طرح مقلد کی
بہت سی محنت وکوشش بھی بچ جاتی اور فائدہ بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ یہ بچی ہوئی محنت و
کوشش دوسرے نئے انکشافات اور نئے معلومات کے لئے صرف کیجا سکتی ہے۔

چونکہ ہر موجد ومجتہد سے غلطی بھی ممکن ہے اسلئے ایجاد واجتہاد سے فائدہ اُٹھانے اور
مقلد بننے کیلئے بھی ضرورت ہے کہ مقلد اپنی تحقیق وتفتیش اور اجتہاد کو بالکل معطل وبیکار نہ رہنے
دے ورنہ تقلیدِ جامد موجب نقصان ہو سکتی ہے۔ اسی لئے وہ اندھا جو اپنی لاٹھی کے ذریعہ ٹٹول
ٹٹول کر تنہا بھی راستہ طے کر سکتا اور چل پھر سکتا ہے اُس اندھے سے بہتر سمجھا جاتا ہے جو
بغیر دوسرے شخص کی امداد کے اور بغیر کسی کا دامن پکڑے دو قدم بھی نہیں چل سکتا۔ انسان
کیلئے بہتر اور مفید طریقہ یہی ہے کہ وہ دوسروں کی تحقیقات وانکشافات سے فائدہ اُٹھائے
اور خود مصروفِ تحقیق واجتہاد رہ کر آئندہ آنے والوں کے لئے سہولت بہم پہونچائے اسطرح
تقلید وایجاد دونوں فطری تقاضے پورے ہو کر ترقی کا سلسلہ جاری رہ سکتا ہے۔ جو شخص ایک
چیز کا مقلد ہے وہی دوسری چیز کا موجد ومجتہد بھی۔ ایجاد واجتہاد کے ذریعہ پہلے موجدوں
اور مجتہدوں کی غلطیاں بھی معلوم ومنکشف ہوتی رہتی اور نئے نئے انکشافات بھی انسان کو

آگے بڑھاتے رہتے ہیں۔ انسانی عقل و کوشش اور انسانی اختیار و ارادہ کا صحیح استعمال اور تقلید سے نفع اُسی حالت میں ممکن ہے کہ ذی عقل انسان کبھی بے عقل انسان نہ بنے اور ذی اختیار انسان کبھی بے اختیار انسان بننے پر رضامند نہ ہو دوسرے الفاظ میں یوں کہئے کہ انسان کو اپنے انسانی امتیازات سے جُدا ہو کر کبھی حیوان نہ بننا چاہئے۔ انسان جبتک انسان رہیگا اُس کو اتباع و تقلید اور اجتہاد و تحقیق دونوں سے کام لینا پڑیگا اور یہی اُس کی فطرت کا تقاضا ہے۔ لیکن دُنیا میں ہمیشہ ایسے لوگ بھی موجود رہے ہیں کہ اُنھوں نے گزشتہ بزرگوں کی تقلید ہی کو کافی سمجھکر تحقیق و تجدید و ایجاد کو عیب قرار دیا اور ہر نئے انکشافِ حقیقت پر مخالفت کے لئے تیار ہو گئے یہ لوگ آگے بڑھنے اور ترقی کرنے کو عیب جانتے اور نسلِ انسانی کو ایک حالت پر ساکن اور منجمد کر دینے کے خواہاں ہوتے ہیں۔ تاریخی زمانے کی ایجادوں اور موجدوں کے حالات بتا رہے ہیں کہ ہر موجد و محقق کو انھیں لوگوں کی بدولت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ زمین کے گول اور متحرک ہونے کی حقیقت بعض ملکوں میں جن لوگوں نے ظاہر کی اُن کو جامد مقلدین یعنی زمین کو ساکن اور چپٹی ماننے والوں کے ہاتھوں سے بڑی بڑی اذیتیں برداشت کرنی پڑیں۔ آجتک بھی دُنیا میں ایسے لوگ موجود ہیں کہ ہر مفید سے مفید چیز کو محض اس لئے رد کرنے اور اُس کی مخالفت پر آمادہ ہو جانیکے لئے مستعد ہیں کہ وہ بزرگوں کی تحقیقات کے خلاف اور ایک نئی چیز ہے۔ جامد مقلدین کی اسی حالت پر غور کر کے بعض علماء نے قیاس کیا ہے کہ جس شخص نے سب سے پہلے گاڑی کا پہیہ جیسی مفید اور انقلاب انگیز چیز ایجاد کی ہو گی اُس کو اُس زمانے کے لوگوں نے ضرور قتل کر دیا ہو گا جس شخص نے سب سے پہلے چربی یا تیل سے چراغ جلا کر اندھیری رات میں کام کرنے کیلئے سب سے بہتر اور نفع رساں روشنی کا سامان مہیا کیا ہو گا اُس کو لوگوں نے ضرور سولی چڑھا دیا ہو گا۔ اس معاملے میں ہمکو بہت زیادہ غور و خوض کی ضرورت نہیں اس لئے کہ دُنیا میں سب سے زیادہ مفید اور سب سے زیادہ یقینی علم و حقیقت کا انکشاف

کرنے والے انبیاء علیہم السلام ہوتے ہیں لیکن ہر ایک نبی کی مخالفت ان جامد مقلدین اور اسلاف پرستوں ہی نے کی اور انبیاء کے ہر ایک مخالف کی زبان پہ یہی الفاظ رہے کہ ہم اپنے بزرگوں کے طور طریق اور طرزِ عمل کو ہرگز ترک نہیں کر سکتے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ قَالُوا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا ۚ أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ۝ (المائدہ - ۱۴)

اور جب اِن لوگوں سے کہا جاتا ہی کہ اللہ نے جو ہدایت نامہ نازل کیا ہی اُسکی اور رسولِ خدا کیطرف متوجہ ہو اور جو حکم دیں مانو تو وہ جواب میں کہتے ہیں کہ جس طریقے پر ہمنے اپنے باپ دادوں کو چلتے ہوئے پایا ہی وہی طریقہ ہمارے لئے کافی ہے۔ کیا یہ لوگ اُسی پورانی لکیر کے فقیر رہیں گے اگرچہ ان کے باپ دادا کچھ نہ جانتے اور نہ راہِ راست پر رہے ہوں۔

وَإِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً قَالُوا وَجَدْنَا عَلَيْهَا آبَاءَنَا وَاللَّهُ أَمَرَنَا بِهَا ۗ قُلْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ ۖ أَتَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝ (الاعراف - ۳)

اور جب کسی بیحیائی کے کام کا ارتکاب کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہمنے اپنے بڑوں کو اسی طریقہ پر چلتے ہوئے پایا ہی اور اللہ نے ہمکو اسی کی اجازت دی ہی اے رسول اِن لوگوں سے کہو کہ اللہ بیحیائی کے کام کا حکم نہیں دیتا کیا تم لوگ بے سمجھے سوچے ہوئے خدا پر بھی جھوٹ بولتے ہو۔

قَالَ هَلْ يَسْمَعُونَكُمْ إِذْ تَدْعُونَ ۝ أَوْ يَنفَعُونَكُمْ أَوْ يَضُرُّونَ ۝ قَالُوا بَلْ وَجَدْنَا آبَاءَنَا كَذَٰلِكَ يَفْعَلُونَ ۝ (الشعراء)

(ابراہیم علیہ السلام نے کافروں سے) کہا کہ جب تم اِن بتوں کو پکارتے ہو تو یہ تمہاری پکار کو سنتے ہیں یا تمکو فائدہ یا نقصان پہونچا سکتے ہیں۔ اُنھوں نے جواب میں کہا یہ تو نہیں مگر ہم نے اپنے بڑوں کو ایسا ہی کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

ہر ایک نبی نے لوگوں کو عقل و فراست سے کام لینے کی ترغیب دی اور اپنی لائی ہوئی تعلیم اور صداقت کیلئے دلائل بیان کئے لیکن لوگوں نے دلائل کے سننے اور اُنپر غور کرنے یعنی عقل کو کام میں لانے سے انکار کیا۔ جامد مقلد اور اکابر پرست یہ چاہتا ہی کہ انسان کے اندر

عقل و دانائی کو غیر ضروری چیز ٹھہرایا جائے اور انسان کو حیوانوں کیطرح ایک ہی حالت پر رکھا جائے۔ دُنیوی اعمال و افعال میں تقلید جامد دُنیوی ترقی کو روکتی اور دینی اعمال میں اعمالِ دینی کے اصل مقصد کو برباد کر دیتی ہے۔ الٰہی مذہب انسان کو اُس حقیقتِ اصلیہ اور اُس علم صحیح سے واقف و آگاہ بناتا ہے جو انسان اپنی کوشش اور اپنی عقل کے ذریعہ بھی نہیں معلوم کر سکتا تھا لیکن اُس حقیقت اور اُس علم کے مُنکشف ہونے کے بعد فطرتِ انسانی اُس کو اپنے موافق پاکر تسلیم کرتی اور عقلِ انسانی اُس کی تصدیق و توثیق پر مجبور ہوتی ہے۔ اسی لئے الٰہی مذاہب جو احکام دیتے اور جن باتوں کی تعمیل کراتے ہیں وہ عقل اور فطرتِ انسانی کے عین موافق ہوتے اور اسی لئے اُن احکام کے تسلیم کرانے میں عقل کو کام میں لانے کی ہدایت بھی ضرور کرتے ہیں۔

قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ (الحدید - ۲)	ہمنے اپنی نشانیاں تم سے کھول کھول کر بیان کر دی ہیں تاکہ تم عقل سے کام لو۔
اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ ۝ (یٰسین - ۴)	کیا تم عقل نہیں رکھتے تھے۔
اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ۝ (محمد - ۳)	کیا یہ لوگ قرآن مجید کے مطالب پر غور و تدبر نہیں کرتے یا اِن کے دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں۔
فَمَالِ هٰٓؤُلَاۗءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ۝ (النساء - ۱۱)	ان لوگوں کا بھی کیا بُرا حال ہے کہ بات کی سمجھ یعنی عقل کے پاس ہوکر بھی نہیں پھٹکتے۔

یہی وجہ ہے کہ الٰہی مذہب کے ماننے اور قبول کرنے والے ابتداءً وہی لوگ ہوتے ہیں جو تقلید جامد اور آباء پرستی کی دَلدل میں پھنسے ہوئے نہیں ہوتے اور عقل و بصیرت سے کام لینا جانتے ہیں۔ اسی لئے اُن ابتدائی لوگوں میں اُس الٰہی مذہب کی پوری حقیقت۔ پوری زندگی۔ پورا جوش اور پورا اثر موجود ہوتا ہے لیکن اُن کے بعد اُن کی آئندہ نسلیں جو اس الٰہی مذہب کی پیرو اور پابند تو ہوتی ہیں مگر اُن میں مذہب کی ویسی سچی روح موجود نہیں ہوتی۔

جیسی سابقون الاولون میں تھی بلکہ اُن کا مذہب ایک چھلکا ہوتا ہی جس میں مغز نہیں تلاش کیا جا سکتا یا ایک جسد ہوتا ہے جو زندگی اور حرکت وعمل سے محروم ہوتا ہے۔ اس کا سبب ہوائے اس کے اور کچھ نہیں ہوتا کہ ان لوگوں میں کثرت اُنھیں لوگوں کی ہوتی ہے جو اس سچے اور الٰہی مذہب کو تقلیداً اور باپ دادا کا مذہب سمجھکر قبول کرتے ہیں حالانکہ باپ دادا نے اس کو سوچ سمجھکر اور عقل سے کام لیکر اور صحیح پاکر تسلیم کیا تھا وہ مذہب کے ہر حکم اور ہدایت نامۂ الٰہی کی ہر حکمت پر نظر رکھنے والے تھے اور یہ محض مقلد اور لکیر کے فقیر۔ ان میں جو لوگ عقل۔ فہم۔ اور تدبر سے کام لینے والے ہوتے ہیں وہ اپنی انھیں باپ دادا کا صحیح نمونہ ہوتے ہیں لیکن عام طور پر اصل ہدایت نامۂ الٰہی کی طرف سے اکثر لوگوں کی توجہ ہٹ جاتی اور تقلید و اکابر پرستی کی لعنت اپنا اثر دکھاتی ہے کہ بے سوچے سمجھے باپ دادا کے اعمال و افعال کی صرف نقل اُتارنے ہی کو کافی سمجھ لیا جاتا ہے۔ مذہب میں تقلیدِ آبا، کو ضروری قرار دینے کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اصل ہدایت نامۂ الٰہی کی طرف سے توجہ بالکل ہٹ جاتی ہے اور عقائد و اعمالِ آبا، کو ہدایت نامۂ الٰہی کا قایم مقام قرار دیکر اور مذہب کو آبائی مذہب بنا کر اصل ہدایت نامۂ الٰہی کو بیکار اور غیر ضروری چیز قرار دیدیا جاتا ہے حالانکہ ہدایت نامۂ الٰہی میں ہر ایک زمانہ۔ ہر ایک حالت۔ ہر ایک نسل۔ اور ہر ایک شخص کے لئے سوچنے۔ غور کرنے اور ہدایت و روشنی حاصل کرنے کا سامان ہوتا ہے اور اسی لئے وہ ہر شخص کیلئے رہبر اور ہر شخص کے لئے حجت ہوتا ہے چونکہ وہ منجانب اللہ نازل ہوتا ہے اس لئے اُسی میں یہ اعجاز اور اُسی میں یہ قوت ممکن بھی ہے۔ کسی انسان کی تصنیف میں یہ صفات ہرگز نہیں ہو سکتے۔ ہدایت نامۂ الٰہی کی طرف سے بے التفاتی اور توریت کو چھوڑ کر بزرگانِ بنی اسرائیل کی تقلید کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہودی گمراہ ہوئے اور توریت میں تحریف و تبدیل ممکن ہوئی۔ اسی تقلید اور آبا، پرستی کا نتیجہ تھا کہ عیسائیوں کو قابلِ مضحکہ اعمال و عقاید میں مبتلا ہونا پڑا اور انجیل کو عیسائیوں کی کم التفاتی نے ترمیم و تنسیخ کی چھری سے ذبح ہونے دیا۔ دیدا گر ہندوستان

والوں کے لئے الٰہی ہدایت نامے تھے تو اس آباء پرستی اور بڑ کھا پوجا نے اُن کو بھی علیٰ حالہ نہ چھوڑا۔ گوتم بدھ اگر ہادیٔ برحق تھے اور برہمنوں کے استبداد کا خاتمہ کرنے اور ہندوستان کی مغلوب قوموں کو آزادی دلانے کیلئے خدائے تعالیٰ کی طرف سے مامور ہوئے تھے تو اُن کے متبعین کو بھی اسی تقلیدِ جامد نے گوتم بدھ کی اصل تعلیمات کے بگاڑ دینے پر آمادہ کیا اور توحیدِ الٰہی کو بُت پرستی سے تبدیل کر کے چھوڑا۔ زندواوستا اور دساتیر اگر منزل من اللہ صحائف تھے تو وہ بھی اسی تقلیدِ جامد اور آباء پرستی کے ہاتھوں مجروح و مذبوح ہوئے۔ اس تقلیدِ جامد اور اکابر پرستی ہی نے مسلمانوں کو رسوا اور ذلیل و خوار بنا رکھا ہے۔ چوتھی صدی ہجری سے مسلمان عام طور پر تقلید کی دلدل میں پھنستے چلے گئے۔ یہانتک کہ اب اس اکابر پرستی ہی کی لعنت اور خدا پرستی کا دعویٰ کرنیوالے اکابر پرستوں ہی کی نحوست کا نتیجہ ہے کہ اسلام کے چشمۂ صافی کو گدلا کرنے کیلئے بہت سے ہوا پرستوں کو فتنہ پردازی کے مواقع میسر آگئے لیکن چونکہ کامل و مکمل ہدایت نامۂ الٰہی (قرآن مجید) محفوظ اور تحریف و تبدیل سے پاک و مصئون موجود ہے اور ہمیشہ رہیگا۔ نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْنَ ٥ (الحجر۔۱) لہذا اس ہدایت نامۂ الٰہی یعنی خاتم الکتب کی طرف متوجہ ہونے اور اُسمیں غور و تدبر کرنے کی سہولت ہمہ اوقات میسر ہے۔ پس مسلمانوں کے لئے مایوسی اور پست ہمتی کا کوئی موقع نہیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ تقلید سے انسان اُسی وقت فائدہ اُٹھا سکتا اور جامۂ انسانیت میں رہ سکتا ہے کہ کتاب اللہ، عقل، تحقیق اور قوتِ عمل کو معطل و بیکارِ محض نہ بنا دے اور نقل را عقل باید کی ضرب المثل کو فراموش نہ کرے۔ تقلیدِ جامد کی نسبت مولوی رومی اپنی مثنوی میں فرماتے ہیں کہ

گرچہ عقلت سوئے بالا می پرد مرغ تقلیدت بہ پستی می چرد

تقلیدِ جامد نے دُنیا کے کسی مُلک اور کسی قوم کو نقصان پہونچائے بغیر نہیں چھوڑا۔ سورج پرستی۔ ستارہ پرستی۔ عناصر پرستی۔ بُت پرستی۔ بادشاہ پرستی۔ مشاہیر پرستی۔ سب کی بُنیاد ہادیانِ برحق اور تعلیماتِ الٰہیہ کی طرف سے غفلت و بے پروائی اختیار کرنے پر ہے اسلئے کہ نوعِ انسانی

کوئی ایسا زمانہ نہیں گزرا کہ تعلیماتِ الٰہیہ اُس کی ہدایت کیلئے ہادیانِ برحق کے ذریعہ آ ئی ہوئی موجود نہ ہوں۔ یہ تمام من دون اللہ پرستشیں سلسلۂ نبوت ورسالت سے زیادہ پرانی نہیں ہو سکتیں۔ تعلیماتِ الٰہیہ کی طرف سے غفلت و بے پروائی اختیار کرنے کا سبب تقلید آبا اور مراسم پرستی کے سوا دوسرا نہیں ہو سکتا۔ ہندوستان وایران کے لوگوں میں مراسم پرستی و آباء پرستی اس قدر زیادہ رچی ہوئی اور خمیر میں ملی ہوئی نظر آتی ہے کہ دوسرے ممالک میں اس کی نظیر تلاش نہیں کیجا سکتی یہ بھی دلیل اس بات کی ہے کہ ان مُلکوں میں تقلید اور استبداد کی کارفرمائی تا دیر و متوالی و مسلسل جاری رہی ہے پُرکھا پوجا اور تقلیدِ جامد ہی کا کرشمہ ہے کہ ہندوستان کی آریہ قوم نے مذہب کو بھی قوم و نسل ہی تک محدود رکھ کر غیر نسلوں کے لئے اپنے مذہب کا دروازہ سختی سے بند کیا۔ پیشوں اور صنعتوں کو نسلوں اور خاندانوں کے ساتھ مخصوص کر کے حکومت و سلطنت کو بھی ایک موروثی چیز بنا دیا حالانکہ سلطنت و حکومت مصالح عامہ اور جماعتِ انسانی کی متحدہ اغراض سے تعلق رکھنے والی چیز ہے اُس کو وراثت اور نسل سے کیا تعلق۔ مگر اندھی تقلید اور آباء پرستی نے جس طرح حصولِ معاش کے فطرتاً آزاد و اختیاری افعال تک کو بھی خاندانوں اور نسلوں کے ساتھ محدود و مختص کر کے پیشہ کا مفہوم قوم کے مفہوم سے مبدّل اور پیشے کو خاندانی و نسلی ملکیت بنا دیا اسی طرح حکومت و سلطنت کو بھی خاندانی ملکیت قرار دیدیا۔ اس سے زیادہ غیر فطری۔ اس سے زیادہ خلاف انسانیت۔ اور اس سے زیادہ بیہودہ و نامعقول بات اور کیا ہو سکتی تھی جو پُرکھا پوجا یا اسلاف پرستی نے کرائی اور آباء پرستوں نے اس کو مذہبی جامہ پہنایا۔ کوئی بھی الٰہی مذہب ایسا نہیں ہو سکتا کہ پیشوں۔ حرفتوں اور حکومتوں کو خاندانی اور نسلی چیزیں قرار دے۔ غرض کسی ملک اور کسی قوم کی ترقی جب کبھی رُکی اس اندھی تقلید ہی کی بدولت رُکی اور اس تقلیدِ جامد ہی نے انسان کو ذلیل و رُسوا بنایا۔

تقلیدِ جامد کے تقویت پانے اور انسان کی عقل و بصیرت کے مفلوج ہونے کا ایک

خصوصی سبب یہ بھی ہے کہ جذبۂ محبت کا نہایت غلط استعمال کیا گیا۔ انسان کے دل میں جس کی محبت و عظمت جاگزیں ہوتی ہے وہ اُسکی اطاعت بھی کرتا ہے اور اُس میں عیب و نقص کا امکان بھی تسلیم کرنا نہیں چاہتا۔ یہ ایک فطری تقاضا ہے۔ قوم و ملک کے پہلے گزرے ہوئے لوگوں اور اپنے باپ دادوں اور اُستادوں کی محبت و عظمت انسان کے دل میں ضرور موجود ہوتی ہی۔ جب اِن بزرگوں کے کئے ہوئے کاموں اور انکی بتائی ہوئی باتوں کے خلاف دوسرے نئے کام اور دوسری نئی باتیں زیادہ مفید اور زیادہ اچھی ثابت ہونے لگتی ہیں تو کوتاہ فہم انسان یہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ میرے بزرگوں کی غلطی ثابت ہوجانے سے اُنکی بیعزتی ہوگی لہذا وہ اس نئی حقیقت اور نئی صداقت سے انکار کرتا ہے۔ حالانکہ یہ خیال ہی سراسر حماقت و نادانی پر مبنی ہے کہ کوئی انسان ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ اُس سے غلطی سرزد نہ ہوسکے اور اُس کا علم ایسا وسیع ہوسکتا ہے کہ اُسپر اور اضافہ ممکن نہ ہو۔ انسان چونکہ خدا نہیں ہے لہذا وہ غلطیوں۔ مجبوریوں۔ اور نقائص سے پاک نہیں ہوسکتا جبکہ ہمارے بزرگ نبی بھی نہیں تھے اور خدا بھی نہیں تھے تو پھر اُن کے علم کا محدود ثابت ہوجانا اور انکی کسی غلطی کا افشا ہونا اُنکی اُس بزرگی و عظمت میں جو ہمارے دل میں موجود ہے ہرگز کوئی نقصان پیدا نہیں کرسکتا۔ اپنے بزرگوں کی زندگی میں اُن کی خدمت کرنا۔ اُن کے مرنے کے بعد اُنکو محبت و عزت سے یاد کرنا۔ اُن کیلئے دُعائیں کرنا اور بات ہی اور اُن کی غلطیوں کو غلطی نہ ماننا بالکل دوسری بات ہی جو پہلی بات کے بالکل خلاف اور سراسر متضاد و ناجائز ہے۔

اس تقلید و اسلاف پرستی نے بہت سے نالایق لوگوں کو جو کسی بادشاہ کے گھر پیدا ہوئے تھے تختِ سلطنت پر بٹھایا اور اس مشاہیر و اکابر پرستی ہی نے اُن کی رعایا کو بلا چون وچرا مظالم سہنے پر مجبور کیا اور داد طلب و حق پرست لوگوں کو باغی و طاغی کا خطاب دلوا کر عدل و انصاف کو بدنام و رسوا کیا۔ اس اندھی تقلید کی سب سے زیادہ خطرناک اور سب سے زیادہ ہلاکت آفریں صورت وہ ہی جبکہ کسی قوم میں کسی خاص خاندان یا خاص نسل کو

مذہبی عظمت۔ مذہبی پیشوائی۔ اور مذہبی اقتدار و اختیار محض نسل و خاندان کی بنا پر دیدیا جائے اور اُس خاندان یا نسل کو خاندانی استحقاق اور نطفہ و نسل کے تعلق کی بنا پر خدا اور بندوں کے درمیان وسیلہ اور ذریعہ گردانا جائے جیسا کہ ہندؤں میں برہمنوں کو یہ مرتبہ مذہباً حاصل ہے۔ جس قوم میں ایسا متبرک خاندان اور ایسی پاک قوم موجود ہو جاتی ہے اُس قوم میں سے جفاکشی اور معاش کے لئے محنت و کوشش کے کام میں لانے کی عادت کم اور آرام طلبی زیادہ ہونے لگتی ہے اور اسی متبرک نسل کے ہاتھوں مذہب اور آئینِ مذہب کی خرابی و بربادی وقوع میں آتی ہے اور قوم میں خانہ جنگی اور جہالت کو ترقی حاصل ہو جاتی ہے۔ اس مذہبی ممتاز خاندان کو بے محنت روزی ملنے لگتی ہے اور محنت و مشقت بے عزتی کا نشان بنجاتی ہے۔ یہ مذہبی خاندان اپنے آپ کو قانونِ سلطنت کی پابندی سے بالاتر رکھنے کا خواہاں ہوتا ہے اور اس طرح نظامِ سلطنت میں خرابیاں رونما ہو کر فسادات برپا ہونے لگتے ہیں۔ یہی مذہبی خاندان اپنے آپ کو لوگوں کے محاسبہ اور باز پرس سے آزاد اور اپنے آپ کو مذہب کا مالک دیکھکر اعمال و عباداتِ مذہبی میں سب سے پہلے کوتاہی کرتا ہے۔ یہی مذہبی شہزادوں کا گروہ چونکہ سب سے زیادہ اپنے آپ کو ذی علم اور ذی عقل اور خدائی طاقتوں کا مالک قرار دیتا ہے لہذا اسکو گوارا نہیں ہوتا کہ کوئی دوسرا بھی علم حاصل کر سکے لہذا یہ خود ہی علم کا اجارہ دار بنا رہنا چاہتا اور دوسروں کو علم و عقل سے محروم رکھکر اپنا مقلد اور بے چون و چرا تابع فرمان رکھنا چاہتا ہے۔ غرض مذہبی پیشوائی و امامت و قیادت کیلئے نسلی و خاندانی طور پر کسی خاندان کا متعین و مختص ہو جانا اُس قوم اور اُس مذہب کی بربادی کا سب سے زیادہ قوی سبب بنجاتا ہے۔

سلطنت اور وراثت

ریاست یا سلطنت یا حکومت سے مدعا یہ ہے کہ کسی محدود ملک میں رہنے والے انسان

اپنے رہنے سہنے اور صنعت و دستکاری یا تجارت یا کاشتکاری وغیرہ ذرایع معاش میں مصروف ہونے کی سہولت بہم پہونچانے اور ملک میں امن وامان قایم رکھنے۔ دوسری قوموں اور دوسرے ملکوں کی دستبرد اور اندرونی بدمعاشوں کی زیادتیوں سے محفوظ ہو جانے اور اپنی جانوں اور اپنی ملکیتوں۔ جائدادوں اور عزتوں کی حفاظت کا سامان مہیا کرنے کے لئے متفقہ طور پر رضامندی کے ساتھ کسی ایک یا چند اشخاص کو ایسا اختیار اور ایسا اقتدار عطا کر دیں کہ وہ مذکورہ ضرورتوں کے پورا کرنے کی قابل ہو کر ملک کے تمام افراد کو مطمئن اور بے خوف بنا سکے۔

گزشتہ زمانے میں یہ اختیار و اقتدار کسی ایک ہی شخص کو تفویض ہوتا تھا اور اُس کو پادشاہ یا راجہ یا ملک یا سلطان کہتے تھے (آجکل جمہوری سلطنت میں ایک پادشاہ کی جگہ عوام کے منتخب کردہ متعدد اشخاص کی ایک مختصر جماعت کو یہی اقتدار و اختیار حاصل ہوتا ہے) پادشاہ کو ملک کی حفاظت کے لئے فوج۔ انفصال خصومات کے لئے عدالتوں اور کمزور افراد کو طاقتور افراد کی زیادتیوں سے بچانے کیلئے پولس اور محکمۂ احتساب کے قایم کرنیکی ضرورت پیش آتی ہے اور ان سب کیلئے روپیہ درکار ہوتا ہے۔ روپیہ ٹیکس یا لگان کے ذریعہ دینا عوام منظور کر لیتے ہیں اور اس روپیہ کی فراہمی کیلئے محکمۂ مال بھی قایم کیا جاتا ہے اس طرح ایک نظام قایم ہو کر تمام ادارات کا ذمہ دار افسر اعلیٰ پادشاہ ہوتا ہے۔ مفید و کارآمد قوانینِ عدل بنانا یا بنوانا اور اُن کو نافذ کرنا۔ اہلکاروں اور عاملوں کے فرایض کی نگرانی کرنا اور عوام کیلئے زیادہ سے زیادہ سہولت۔ زیادہ سے زیادہ راحت بہم پہونچانا اور ملک میں زیادہ سے زیادہ امن وامان قایم کرنا پادشاہ کے خصوصی فرائض میں شامل ہے۔ پادشاہ ہی اس تمام انتظام کی روح رواں اور وہی تمام ملک کا مرکزی نقطہ اور وہی سب سے بڑی طاقت سمجھا جاتا اور وہی تمام باشندگانِ ملک کے سامنے ذمہ دار اور جوابدہ ہوتا ہے۔ پادشاہ اور اُسکے تمام شاہی محکموں اور ملک کے اس انتظام کا نام سلطنت سمجھنا چاہئے۔ یہ بہترین دنیوی سلطنت کا تصور ہے۔ لیکن دنیا میں عموماً ایسا ہوا کہ پادشاہوں نے اقتدار و اختیار حاصل ہونے اور خزانہ و فوج کے قبضے میں آجانے کے بعد تمام ملک کو اپنی جائداد

اور تمام لوگوں کو جو رعایا کہلاتے ہیں اپنا مملوک اور ملکیت قرار دیکر اپنے آپکو مالک اور ہر قسم کی جوابدہی سے آزاد قرار دے لیا اور عوام کو قہر و جبر کے ساتھ اپنے ہر ایک جا و بیجا حکم کی تعمیل پر مجبور کیا اور بجائے خادم کے مخدوم بن گیا اور بجائے اسکے کہ عوام بادشاہ کو اپنا پاسبان و نگہبان یا ہمدرد و ہوا خواہ خادم سمجھتے وہ اُس سے اس طرح ڈرنے اور لرزنے لگے جیسے جنگل میں کوئی بے ہتیار آدمی خونخوار شیر سے ڈرتا ہے۔ بادشاہوں نے لوگوں سے اپنے سامنے سجدے کرائے لوگوں سے بیلوں اور گھوڑوں کی طرح اپنی گاڑیاں کھچوائیں۔ ذرا ذرا سی بات پر خفا ہو کر لوگونکی کھالیں کھچوا ڈالیں۔ بعض نے انسانونکی کھال کے تسموں سے اپنی چارپائیاں بُنوائیں۔ غرض وہ وہ درندگیاں اور مردم آزاریاں ان بادشاہوں سے ظہور میں آئیں کہ جن کے سُننے سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پھر لطف یہ کہ کوئی ملک ایسا نہیں بتایا جا سکتا جہاں ان بادشاہوں نے انسانوں کے ساتھ چوپایوں سے بھی بدتر سلوک نہ کیا ہو۔ غرض انسانوں کی یہ بکائی ہوئی کھیر ہمیشہ ویسا ہی بنتی رہی اور انسانوں کی قایم و تجویز کی ہوئی دنیوی سلطنت انسان کیلئے عموماً موجبِ اذیت اور باعثِ شکایت ہی رہی جس کے ثبوت میں دُنیا کے ہر ایک ملک کی تاریخیں پیش کیجا سکتی ہیں لیکن دینی سلطنت اور الٰہی قانون کے ماتحت قایم شدہ حکومت اس عیب سے پاک اور انسان کیلئے ہمیشہ موجبِ راحت اور باعثِ فوز و فلاح رہی اسکا ثبوت بھی تاریخِ مذاہب اور تاریخ عالم سے دستیاب ہو سکتا ہے۔ دینی سلطنت میں بھی امام یا امیر یا خلیفہ کو جسے ملک یا سلطان یا بادشاہ کہا جا سکتا ہے اسی طرح اختیار و اقتدار و قوت حاصل ہوتی ہے جیسے دنیوی سلطنت میں لیکن اصولی قوانین انسانوں کے مجوزہ نہیں ہوتے بلکہ خدائتعالےٰ کے ارشاد فرمودہ ہوتے ہیں اور خلیفہ یا سلطان اُس الٰہی مجموعۂ قوانین کا صرف نافذ فرمانے والا ہوتا ہے۔ اُس الٰہی مجموعۂ قوانین میں خود اُس خلیفہ یا بادشاہ کے لئے بھی پابندیاں اور ہدایات موجود ہوتی ہیں اور وہ اپنے اختیار سے کچھ نہیں کر سکتا۔ نہ وہ کسی پر ظلم کر سکتا ہے نہ اپنے حق سے رتی برابر زیادہ منافع حاصل کر سکتا ہے۔ نہ عام لوگوں سے بڑھکر اپنی توقیر و تعظیم کرا سکتا ہے

اُس کی حالت ایک خادمِ خلق کی ہوتی ہے اور جسمانی راحت و آسایش کے اعتبار سے وہ دوسروں کے مقابلے میں بہت گھاٹے اور نقصان کی حالت میں اور زیادہ مشکلات برداشت کرنیوالا ہوتا ہے۔ دینی سلطنت کا نظام اور قانون رعایا کے حقوق کو غصب ہونے سے محفوظ رکھتا ہے اور جب خلیفہ یا امام قانونِ الٰہی کی خلاف ورزی کرے رعایا اُس کو معزول کر کے فوراً دوسرے مُناسب شخص کو اپنا خلیفہ یا حاکم منتخب کر سکتی ہے۔ خصوصی شرطِ خلافت اور مخصوص شرطِ حکومت یہ ہوتی ہے کہ الٰہی ہدایت نامہ کی پابندی کیجائے۔ اگر کوئی خلیفہ یا امام یا امیر ہدایت نامۂ الٰہی کی خلاف ورزی کرے اور اپنی نفسانیت کے تقاضے سے وہ راہ و روش اختیار کرنے لگے جو دنیوی سلطنت کے سلاطین عموماً اپنی نفسانیت کو کام میں لاکر اختیار کر لیتے ہیں تو عوام کا فرض ہے کہ وہ اُس کے خلاف استادہ ہوکر اُس کے شر کو مٹائیں اور اُس کی طاقت کو جو عوام ہی کی فراہم کردہ ہوتی ہے اُس سے چھین لیں۔ گویا اصل طاقت ہدایت نامۂ الٰہی ہی۔ ہدایت نامۂ الٰہی کے ذریعہ خلیفہ یا امیر فرمانروا رہ سکتا اور عوام بھی ہدایت نامۂ الٰہی کے ذریعہ غلط کار خلیفہ کے خلاف خروج کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ اُسی وقت ممکن ہے کہ ہدایت نامۂ الٰہی کی اصل حیثیت باقی اور مذہب کی پابندی ہمہ گیر ہو۔ اگر عوام مذہب کے پابند نہیں ہیں اور ہدایت نامۂ الٰہی کو اُنھوں نے پسِ پشت ڈالدیا ہے تو وہ اپنے غلط کار امام کو بھی معزول نہیں کر سکیں گے اور اس حالت میں عوام اور امام دونوں گنہگار ہونگے اور اپنی اپنی خطاؤں کے بدنتائج برداشت کریں گے۔ اَیُّھا الناس قد ولیت علیکم ولست بخیرکم فان احسنت فَاَعینونی وان اساءت فقومونی الصدق اَمانة والکذب خیانة والضعیف فیکم قوی عندی حتی اخذ له حقه والقوی ضعیف عندی حتی اخذ منه الحق ان شاء اللہ تعالیٰ .... اطیعونی ما اطعت اللہ ورسوله فاذا عصیت اللہ ورسوله فلا طاعة لی علیکم (اے لوگو! میں تمہارا سرپرست مقرر کیا گیا ہوں اور تم سے بہتر نہیں ہوں اگر میں بھلائی کروں

تو میری مدد کرو اور اگر میں برائی کروں تو مجھے متنبہ کرو۔ صدق امانت ہے اور کذب خیانت ہے تم میں سے جو ضعیف ہے میرے نزدیک قوی ہے جبتک اُس کا حق نہ دلوا دوں اور قوی ضعیف ہے جب تک اُس سے کمزور کا حق نہ لے لوں انشاء اللہ تعالیٰ .... میری اطاعت کرو اُس وقت تک جب تک کہ میں اللہ اور رسول کی اطاعت کرتا ہوں اگر میں اللہ اور رسول کی نافرمانی کروں تو میری اطاعت تم پر واجب نہیں)

(از خطبۂ صدیق اکبرؓ)

اب بآسانی یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ انسانوں کی مجوزہ و مرتب کردہ دنیوی سلطنت ہو یا ہدایت نامۂ الٰہی کے ماتحت قایم شدہ دینی سلطنت ہو ہر دو حالت میں حکومت اور اختیار و اقتدار عوام کی ایک امانت ہوتی ہے جو بادشاہ یا خلیفہ کو سپرد کیجاتی ہے اسکا تو تصور ہی نہیں کیا جا سکتا کہ کوئی شخص خاندان اور رشتہ داری کی بنا، پر بادشاہ یا خلیفہ یا سلطان بننے کا مستحق ہو سکتا ہے اگر ایسا ہو تو ماننا پڑیگا کہ خدائے تعالےٰ نے نوع انسان کو ایک جنس اور ایک آدم سے پیدا نہیں کیا بلکہ انسان کی دو الگ الگ نوعین پیدا کی ہیں ایک نوع کو جو مخصوص قوٰی عطا کئے ہیں دوسری کو وہ قوٰی پیدائشی طور پر عطا نہیں کئے۔ ایک نوع ایسی ہے کہ وہ حکومت و فرمانروائی کے لئے پیدا کی گئی ہے اور دوسری محکومی و فرمانپذیری کیلئے۔ اگر ایسا ہوتا تو ابتدائے آفرینش سے ایک ہی نسل فرمانروا ہوتی چلی آتی اور اُس میں فرمانروائی کے امتیازی نشانات و علامات پیدائشی طور پر موجود ہوتے لیکن مشاہدہ اور تاریخ اس کی تغلیط کرتے اور کوئی شخص ایک منٹ کیلئے بھی اس کو تسلیم نہیں کرتا۔ ہر ایک قوم۔ ہر ایک نسل۔ اور ہر ایک خاندان میں ایسے اشخاص پیدا ہوئے جنھوں نے اچھی اور بری حکومتیں کیں اور ہر ایک خاندان میں پیدا ہو سکتے ہیں۔

حکومت و بادشاہت اکتسابی قابلیتوں سے تعلق رکھتی ہے اور یہ ایک اختیاری و ارادی عمل ہے اضطراری فعل نہیں ہے لہذا قابلیت و اہلیت کے اعتبار سے سلطنت و حکومت کو

کسی نسل اور کسی خاندان سے مخصوص و مختص نہیں کیا جا سکتا اور ایک ہی نسل یا ایک ہی خاندان کے اشخاص کو بادشاہ بننے کا اہل قرار نہیں دیا جا سکتا۔

اب رہا استحقاق اور ملکیت اور وراثت کا معاملہ کہ سلطان یا خلیفہ بننا آیا کوئی قیمتی چیز ہے؟ اور اگر قیمتی چیز ہے تو کسی کی ملکیت بن سکتی ہے یا نہیں؟ اسکا جواب یہ ہے کہ دینی سلطنت ہو یا دُنیوی سلطنت دونوں کی اصل حقیقت سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ انسانوں کے فیمابین تعلقات میں جو مدنیت کی بنا پر پیدا ہوتے ہیں سہولت و آسانی اور تمام انسانوں کے راحت و اطمینان کا سامان پیدا ہو جو سب کا مشترکہ اور اجتماعی مقصد ہے۔ اس مقصد کے حاصل کرنیکے لئے ایک ادارہ و انتظام قایم ہو کر اُس کی نگرانی و ذمہ داری کسی موزوں اور مناسب شخص کو سپرد کیجاتی ہے یہ نگرانی و ذمہ داری نہ کسی شخص کا حق ہو سکتا ہے نہ کسی کی ملکیت۔ ملکیت اگر ہو سکتی ہے تو اُنھیں لوگونکی جو حدودِ سلطنت میں رہتے اور رعایا کہلاتے ہیں۔ جو شخص نگراں اور ذمہ دار (بادشاہ یا خلیفہ) بنایا گیا ہے اُس کو امین ہی کہا جا سکتا ہے۔ امین اگر امانت کو اپنی ملکیت بنالے تو وہ خائن اور چور یا ڈاکو کہا جائے گا کسی بہتر خطاب کا تو وہ ہرگز مستحق نہ ہوگا۔ ظاہر ہے کہ خلیفہ یا سلطان اگر امانت اور اپنی ذمہ داری کو مدنظر رکھتا ہوا دیانت اور احتیاط کے ساتھ کام کرے تو حکومت و سلطنت اُس کی دنیوی اور جسمانی لذت و راحت میں کوئی اضافہ نہیں کر سکتی لہذا وہ اس امانت و ذمہ داری کو اپنی ذات اور اپنے خاندان کیلئے نہ کوئی مفید اور ضروری چیز سمجھ سکتا ہے نہ اس سے اپنی کوئی دنیوی غرض وابستہ کر سکتا ہے اُس سے اگر یہ امانت لے لی جائے اور کسی دوسرے کو سپرد کر دی جائے تو اُس کو کوئی ملال نہیں ہو سکتا بلکہ دُنیوی اعتبار سے تو شاید وہ خوش ہی ہوگا۔ ہاں! اگر وہ خیانت کا مرتکب ہی اور اپنی ذات اور اپنے خاندان کیلئے اس خلافت و حکومت کے ذریعہ ناجائز منافع حاصل کرتا ہے تو

ضرور اس بات کی کوشش کریگا کہ یہ امانت اُسی کے پاس اور اُسی کے خاندان میں رہے جیسا کہ ہم دنیا میں آجکل غاصب متولیان اوقاف اور نابالغوں کی جائداد کے خائن منتظمین کو عموماً دیکھتے ہیں۔ جو شخص خلیفہ یا پادشاہ بننے کو اپنے دنیوی اغراض و مقاصد میں کامیاب ہونا اور راحتِ لذتِ جسمانی کے حصول کا ذریعہ سمجھتا ہے وہ یقیناً امانت میں خیانت کرنا چاہتا اور ہرگز اس قابل نہیں ہے کہ اُس کو خلیفہ یا سلطان بنایا جائے اور جو شخص خلافت یا سلطنت کو اپنی ملکیت سمجھکر اپنی اولاد کو اپنے بعد اس ملکیت کا وارث اور حقدار قرار دیتا ہے اُس کے غاصب و خائن ہونے میں کوئی کلام ہی نہیں ہو سکتا اور اُس کا حقیقتِ سلطنت اور فرائضِ خلافت سے ناآشنا ہونا بھی ثابت اور اُس کو ہرگز اس قابل نہیں سمجھا جا سکتا کہ امانتِ حکومت اُسکے سپرد کیجائے۔ لیکن مذہب کی طرف سے غفلت و بے پروائی اختیار کرنے کا نتیجہ ہے کہ عام طور پر دُنیا میں حقوقِ انسانیت کے غاصبوں اور ڈاکوؤں نے حکومت و سلطنت کو اپنی ملکیت اور مملوکہ چیز بنا کر اپنے خاندانوں کو شاہی خاندان قرار دیا اور نوعِ انسان نے اپنی اس ذلت کو گوارا کیا۔ یہ سچ ہے کہ ایک امین و عادل و فرض شناس پادشاہ کا بیٹا اپنے باپ کے زیادہ قریب رہنے کی وجہ سے امورِ سلطنت اور مہماتِ خلافت کے متعلق زیادہ تجربہ حاصل کر سکتا اور اس قابل ہو سکتا ہے کہ باپ کے بعد اُسی کو خلافت و سلطنت کیلئے منتخب کیا جائے لیکن سلطنت اُس کو وراثتاً اور بطور باپ کی مملوکہ شے ہونے کے ہرگز ہرگز نہیں پہونچ سکتی کیونکہ وہ اُس کی یا اُسکے باپ کی ملکیت بن ہی نہیں سکتی۔ اُس سے بھی زیادہ قابل اور اُس سے بھی زیادہ تجربہ کار اور اُس سے بھی زیادہ امورِ سلطنت کو حُسن و خوبی سے انجام دینے والا کوئی دوسرا شخص ہو سکتا ہے اور اگر ایسا شخص ہے تو اُسی دوسرے شخص کو پادشاہت یا خلافت کے لئے منتخب ہونا چاہیئے نہ سابقہ عادل پادشاہ کے بیٹے کو۔

سلطنت و حکومت کو موروثی اور وراثتی چیز بنا دینے کی ملعون حرکت کا نتیجہ ہے کہ ایسی ایسے نامعقول اور ننگِ انسانیت لوگوں کو پادشاہ اور فرمانروا بننے کا موقع ملگیا جنکو چوپائے بھی

اپنی جماعت میں شریک کرتے ہوئے شرمائیں اور ہرگز اُن کے سامنے گردن نہ جھکائیں لیکن خدا اور روزِ جزا سے غافل انسانوں نے اُنکو تخت پر بٹھایا اور ذلت کے ساتھ اُنکے سامنے اپنا سر جھکایا۔

سلطنت اور حکومت کو موروثی چیز قرار دینا۔ عالمِ انسانیت کو رسوا کرنا۔ ظلم و بے انصافی کو خوبی کہنا۔ عدل و انصاف کو عیب قرار دینا۔ مساوات۔ اخوت۔ اور وحدتِ انسانی کا انکار کرنا۔ عقل و انسانیت کے خلاف بغاوت کا عَلَم بلند کرنا اور نفسانیت و ظالمانہ خود غرضی کو عمل صالح ٹھہرانا ہے۔

مذکورۂ بالا تمام بیان سے یہ شُبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ خلافت و بادشاہت کوئی اچھی چیز نہیں اور کسی انسان کا بادشاہ یا امیر و فرمانروا بنجانا خوبی کی بات نہیں ہی۔ یہ خدشہ سراسر بے معنی اور بے حقیقت ہی۔ خلافت و بادشاہت کی امانت تو ایسے ہی شخص کو سپرد کیجا سکتی ہی جو تمام انسانوں میں سب سے زیادہ اخلاقِ حسنہ کا وارث اور سب سے اعلیٰ قابلیتوں کا مالک اور سب سے بڑھکر امین اور شفیق علیٰ خلق اللہ ہو یعنی کسی شخص کا فرمانروائی کیلئے منتخب ہو جانا دلیل اسبات کی ہی کہ وہ سب سے بہتر انسان اور سب سے زیادہ شریف آدمی ہی۔ پس ظاہر ہے کہ جو شخص سلطان یا خلیفہ منتخب ہو جائے اُسکا اپنے اس انتخاب اور اپنے اندر اس صلاحیت کی موجودگی سے مسرور ہونا اور اسکو خدائے تعالےٰ کی ایک عظیم الشان نعمت سمجھنا اور اس نعمت کا شکریہ ادا کرنا لازمی ہے۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ○ (الانبیا۔ ۷)	ہم زبور میں پند و نصیحت کے بعد یہ بات لکھ چکے ہیں کہ ہمارے نیک اور صلاحیت والے بندے زمین کی سلطنت کے وارث ہونگے۔
وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ص (النور۔ ۷)	تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل بھی کرتے رہے اُن سے خدا کا وعدہ ہے کہ اُن کو ملک کی خلافت ضرور عنایت کریگا جیسے اُن لوگوں کو خلافت عنایت کی تھی جو اُن سے پہلے ہو گزرے ہیں۔

تبصرہ

اوپر کی فصلوں میں جو کچھ بیان ہو چکا ہے وہ ابتدائے آفرینش سے نسلِ انسانی کے اعمال و افعال اور تغیرات و انقلابات کے متعلق غور و خوض اور گزرے ہوئے تاریخی حالات کا صحیح تصور کرنے اور عبرت و نصیحت حاصل کرنے کے لئے کافی سامان اور اپنے مستقبل کو سنوارنے اور سُدھارنے کیلئے انسان کو آمادہ و مستعد بنانے کا وسیلہ ہو سکتا ہے اور ان مذکورہ مطالب کو ذہن میں رکھتے ہوئے ہم کسی ملک کی مکمل تاریخ کا مطالعہ کرنے میں بہت کچھ فوائد حاصل کر سکتے ہیں۔ اوپر کی قریبی چند فصلوں میں بعض اُن باتوں کو واضح طور پر بیان کیا گیا ہے جنھوں نے انسان کو خاص طور پر زیادہ سے زیادہ نفع یا نقصان پہونچایا ہے اور جن کی طرف سے انسان کو بہت چوکس رہنے کی ضرورت ہے۔ جو باتیں ہم سے پہلوں کی ہلاکت کا موجب ہوئیں وہ ہماری ہلاکت کا باعث بھی ہو سکتی ہیں اور جن شاہراہوں پر چل کر ہمارے بزرگوں کو کامیابی و کامرانی حاصل ہوئی اُنھیں شاہراہوں پر گامزن ہو کر ہم بھی ترقی حاصل کر سکتے ہیں۔ ابتک جو کچھ لکھا جا چکا ہے اُس میں یہ خاص بات قارئینِ کرام نے محسوس کی ہو گی کہ جابجا قرآنِ مجید کی آیات درج کی گئی ہیں۔ جس سے کم از کم اس قدر تو ضرور ہی اندازہ ہو گیا ہو گا کہ قرآن مجید ایسی کتاب ہے جو انسان کی صلاح و فلاح کے متعلق اپنے اندر ایسی ہدایات اور ایسی تعلیمات رکھتی ہے جن کی طرف سے کم التفاتی اور بے توجہی اختیار نہیں کی جا سکتی۔ قرآن مجید کی کوئی اصولی تعلیم ایسی نہیں جو زبردستی قبول کرائی جائے بلکہ اس کے ساتھ ایسے دلائل بھی موجود ہیں جو فطرتِ انسانی کے لئے موجبِ تسکین ہیں۔ یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ محدود زمانے اور محدود و مخصوص اقوام کے لئے جو ہدایت نامے دنیا میں خدائے تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئے وہ ہمیشہ اور ہر زمانے کے لئے کار آمد اور موجبِ ہدایت نہیں ہو سکتے تھے۔ چنانچہ ہم نظامِ تمدن۔ نظامِ سلطنت۔ نظامِ اخلاق۔ اور نظامِ معاشرت کے متعلق اقوام و ممالک کے

قوانین جو گزشتہ زمانے میں رائج تھے مطالعہ کر چکے ہیں جن میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جسکو کامل اور بے عیب کہا جا سکے اور کسی میں بھی یہ صلاحیت نہیں کہ وہ اس زمانے یا آئندہ زمانے میں جبکہ انسان برابر موجودات کے رازہائے سربستہ معلوم کرنے اور نئے نئے علوم وفنون کے اختراع وایجاد میں مصروف ومنہمک رہیگا رہبری کر سکے۔ لیکن قرآن مجید کوئی بھی ایسی اصولی بات نہیں بتاتا جو علوم جدیدہ کے مقابل آکر ٹوٹ جائے اور غیر مفید یا غیر ضروری ثابت ہو جائے نہ کوئی ایسی بات تعلیم فرماتا ہے جس کو فطرتِ انسانی قبول کرنے سے انکار کرے۔ جب کبھی علوم جدیدہ اور اصولِ قرآنی میں اختلاف ہوا تو علوم جدیدہ ہی کی غلطی ثابت ہوئی اور قرآنی تعلیم قابلِ ترمیم ثابت نہ ہو سکی۔ مجھکو اس وقت صرف یہ بتانا اور جتانا مقصود ہے کہ قرآن مجید ہی خدائے تعالےٰ کا وہ کامل ومکمل اور ناقابلِ ترمیم وتنسیخ آخری ہدایت نامہ ہے جو نسلِ انسانی کو اُس کے معراجِ کمال تک پہونچا سکتا اور آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ ہادئ برحق اور رہبر کامل ہیں جو تمام عالمِ انسانیت کی ہدایت ورہبری کے لئے مبعوث ہوئے اور خدائے تعالیٰ کا کامل ہدایت نامہ دنیا میں لائے۔ آپ نے کسی ایک قوم یا ایک ملک کو مخاطب نہیں کیا بلکہ تمام عالمِ انسانیت کو مخاطب فرما کر قومیت ووطنیت کے امتیازات کو مٹایا اور تمام اولادِ آدم کو ایک خاندان اور ہر انسان کو دوسرے انسان کا بھائی قرار دیکر اور معبودانِ باطل کی پرستش سے روک کر نوعِ انسان کو ایک خدا کا پرستار بننے کی ہدایت کی۔ ابتدائی فصول میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ تمام عالمِ انسانیت کیلئے جو ایک ہدایت نامہ آئیگا وہ کامل اور ناقابلِ تنسیخ ہدایت نامہ ہوگا۔ اب دعویٰ یہ کیا جاتا ہے کہ وہ کامل ہدایت نامہ آچکا اور اُس کامل ہدایت نامے کا نام قرآن مجید وفرقانِ حمید ہے۔ اس دعوے کے ثبوت میں تمام ہدایت ناموں کا اصلی حالت میں موجود نہ ہونا اور قرآن مجید کا ہر قسم کی ترمیم وتبدیل وتحریف سے محفوظ ہونا اور نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْنَ کا صحیح ثابت ہونا اور آئندہ

کے لئے بھی تحریف کا ممکن نہ ہونا بہت کافی اور زبردست دلیل ہے لیکن تاہم ضرورت اس بات کی بھی ہے کہ جس طرح تمدن واخلاق وریاست کے متعلقہ گزشتہ زمانے کے قوانین ونظامات بطور نمونہ اس کتاب میں پیش کئے جاچکے ہیں اسلام کے اخلاقی وتمدنی وریاستی قوانین کا نمونہ بھی ضرور پیش ہونا چاہیئے تاکہ ایک منصف مزاج۔ صاحبِ عقل۔ اور طالب حق کو اس بات کا موقعہ ملے کہ وہ سابقہ قوانین اور اسلامی قوانین کا مقابلہ کر سکے اور دیکھے کہ اسلامی قوانین میں بھی وہ کمزوریاں اور نقائص پائے جاتے ہیں یا نہیں جو ان قوانین کے مجموعے کو ناقابلِ استعمال قرار دے سکیں۔ اگر اس طرف سے اطمینان حاصل ہوجائے اور اسلامی قوانین ناقابلِ اعتراض ثابت ہوجائیں تو پھر کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ انسان ان قوانین اور ان تعلیمات کا تبع ہوکر سعادتِ انسانی کے حاصل کرنے سے انکار کرے۔ لہٰذا اُس اثر کو جو گزشتہ فصول میں آیاتِ قرآنی کے جگہ جگہ مطالعہ کرنے سے پیدا ہوچکا ہے ذہن میں محفوظ رکھکر اب ایک مختصر خاکہ تعلیماتِ قرآنی کا ملاحظہ فرمایئے۔

نظامِ اسلام اور قرآن مجید کے اصُولی قوانین

قرآن مجید میں سب سے زیادہ خدائے تعالےٰ کی صفاتِ حسنہ کاملہ کو مدلل و پُراثر و دلنشین طریقوں اور یقین آور پیرایوں سے بار بار بیان کیا گیا ہے۔ دُنیا میں کوئی بھی ہدایت نامہ اور کوئی بھی کتاب ایسی پیش نہیں کی جاسکتی جس میں صفاتِ باری تعالیٰ اور توحیدِ باری تعالیٰ کو اس شان اور اس اہتمام سے بیان کیا گیا ہو۔ ایک جاہل اور ایک عالم۔ ایک دیہاتی اور ایک شہری۔ ایک نوجوان اور ایک بوڑھا۔ ایک مرد اور ایک عورت۔ غرض ہر طبقہ اور ہر حیثیت کا آدمی قرآن مجید کے اسلوبِ بیان سے یکساں متاثر و مستفید و مستفیض ہوسکتا ہے۔ قرآن مجید خدائے تعالےٰ اور بندے کے درمیان تعلق پیدا کرتا اور انسان کو ترقیات اور سعادتِ انسانی سے فائز المرام ہونے کے لئے مستعد و آمادہ بناتا ہے۔

قرآن مجید اس دنیوی زندگی کے سامانوں اور دُنیوی ترقیات کو متاعِ قلیل قرار دیکر انسان کی اصل کامیابی اور حقیقی مقصدوری کا مقام و میدان یہ دُنیا اور دُنیوی زندگی نہیں بلکہ دارِ آخرت اور اُخروی زندگی بتاتا ہے۔ یہی اصل الاصول انسان کی اس دنیوی زندگی کو بھی زیادہ خوشگوار اور زیادہ راحت رساں بنا سکتا ہے اور یہی عقیدہ انسان کے لئے وسیع راہِ عمل پیش کرتا اور انسان کے تمام اخلاقِ فاضلہ کا مورث و موجد اور انسان کی اصل اور صحیح فطرت کے عین موافق و مطابق ہے۔ دوسری الہامی و آسمانی کتابوں اور سابقہ الٰہی شریعتوں میں بھی یہ تعلیم کم و بیش موجود ہے لیکن اُن میں محض ہدایت اور حکم اور اشارہ کی حیثیت سے اور نہایت مجمل طور پر مذکور ہے لیکن قرآن مجید نے اس کے متعلق دلائل و براہین بڑی کثرت کے ساتھ بیان فرما کر حجت کو کامل طور پر پورا کیا اور عقیدہ کو علم و احساس و یقین کا مرتبہ دیکر پیش کیا ہے

جو مفید اور صحیح تعلیمات و ہدایات پہلے ہدایت ناموں میں جا بجا نظر آتی ہیں قرآن مجید نے اُن سب کے لئے مسکت اور انسانی فطرت کیلئے تسکین بخش دلائل مہیا فرما کر کسی حکم کو زبردستی منوانا نہیں چاہا اور ایک ایسے کامل ہدایت نامے کو جو عالمِ انسانیت کے لئے قیامت تک دستور العمل بننے والا ہو ایسا ہی ہونا بھی چاہئے تھا۔ اسجگہ پورا قرآن مجید تو نقل نہیں کیا جا سکتا۔ اور اوپر بھی جا بجا آیاتِ قرآنیہ نقل ہو چکی ہیں لہٰذا انتہائی اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے تعلیماتِ قرآنی کا ایک ناقص و ناتمام خاکہ بطور اشارات اور بطریق انموذج پیش کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید پر جس قدر غور و تدبر کیا جاتا ہے اُسی قدر اُس میں سے حقایق و معارف کے چشمے اُبلتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ میں نے اس وقت نہایت عجلت اور محض سرسری نظر سے اپنی ناچیز استعداد کی موافق چند آیات ذیل میں درج کرنیکے لئے انتخاب کر لی ہیں ؎

ساغر کشانِ بزمش یارب چہ مست باشند
کز نیم قطرہ جامش از خویشتن ربودم

قرآن مجید خود اپنی نسبت کیا کہتا ہے

قرآن مجید نہ صرف آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم پر نزولِ وحی اور اپنے کتاب اللہ ہونے کا مدعی بلکہ دوسرے انبیاء سابقین کی

وحی کا مصدق بھی ہے اور محافظ بھی۔

إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا
إِلَىٰ نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِن بَعْدِهِ ۚ وَأَوْ
حَيْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ
وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَعِيسَىٰ وَ
أَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهَارُونَ وَسُلَيْمَانَ ۚ
وَآتَيْنَا دَاوُودَ زَبُورًا ۝ وَرُسُلًا قَدْ
قَصَصْنَاهُمْ عَلَيْكَ مِن قَبْلُ وَرُسُلًا
لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۚ وَكَلَّمَ اللَّهُ
مُوسَىٰ تَكْلِيمًا ۝ رُّسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَ
مُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ
حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ
عَزِيزًا حَكِيمًا ۝ (النساء-۲۳)

اے رسول! ہم نے تجھ پر اسی طرح وحی بھیجی جس طرح
نوحؑ پر اور اُن انبیاء پر جو نوحؑ کے بعد ہوئے اور جس طرح
ہم نے ابراہیم اور اسمعیلؑ اور اسحقؑ اور یعقوبؑ اور اولادِ
یعقوبؑ اور عیسٰیؑ اور ایوبؑ اور یونسؑ اور ہارونؑ اور سلیمانؑ کیطرف
بھیجی تھی اور ہمنے داؤد کو زبور دی تھی اور ہم کتنے پیغمبر
بھیج چکے ہیں جنکا حال ہم تم سے بیان کر چکے ہیں اور کتنے
ہی پیغمبر اور ہیں جن کا حال ہمنے تمسے بیان نہیں کیا اور
اللہ نے موسٰی سے کلام کیا۔ یہ سب پیغمبر نیکو نکو جنت کی
خوشخبری دینیوالے اور بدونکو عذاب الٰہی سے ڈرانے والے
تھے تاکہ پیغمبروں کے آنے کے بعد لوگوں کو خدا کی
جناب میں کسی عذر کا موقع باقی نہ رہے اور اللہ سب پر
غالب اور حکمت والا ہے۔

وَهَٰذَا كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ مُّصَدِّقُ
الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ (الانعام-۱۱)

اور یہ کتاب (قرآن مجید) جس کو ہمنے نازل کیا ہے برکت
والی ہے اور اگلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے۔

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا
لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ (المائدہ)

اور ہم نے تجھ پر حق کے ساتھ کتاب اُتاری ہے جو
پہلی کتابوں کی مصدق ہے اور اُن کی محافظ بھی ہے۔

مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَٰكِن تَصْدِيقَ
الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ
وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝

(یوسف-۱۲)

یہ قرآن کوئی بناوٹی بات نہیں ہے بلکہ اس میں پہلی
کتابوں کی تصدیق اور ہر شے کی تفصیل ہے اور اُن
لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں ہدایت اور
رحمت ہے۔

قَدْ جَاءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتَابٌ مُّبِيْنٌ يَهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّوْرِ بِإِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ (المائدہ۔ ۳)

تمہارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی اور واضح کتاب آگئی اس قرآن کے ذریعہ اللہ اُن لوگوں کو سلامتی کے راستے دکھاتا ہے جو اُس کی رضا کی پیروی کرتے ہیں اور اپنے حکم سے اُنکو تاریکیوں سے روشنی میں نکالتا ہے اور اُن کو سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔

جو شخص قرآن مجید کی تعلیمات پر پورا پورا عامل اور ایمان میں کامل و مستقیم ہو جائے اُس کو اس دنیوی زندگی میں ہی اپنی نجات کی خوشخبری مل جاتی ہے۔ مسلمانوں میں ایسے اشخاص ہمیشہ پیدا ہوتے رہے ہیں کہ خدائے تعالیٰ کے فرشتوں نے اُن کے پاس آکر اُن سے کلام کیا اور خوش خبری سُنائی اور اس طرح قرآن مجید کے دعاوی کی ہمیشہ تصدیق اور دین اسلام کی صداقت ثابت ہوتی رہی ہے۔

إِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَأَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝ نَحْنُ أَوْلِيَاؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ج (حٰمٓ السجدہ۔ ۴)

بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر اسی عقیدہ پر جمے رہے اُن کے پاس فرشتے آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم نہ خوف کھاؤ نہ غم کرو بلکہ بہشت کی خوشی مناؤ جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے (کہ وہ تمکو ضرور ملیگا) ہم اس دُنیا کی زندگی میں بھی تمہارے حامی و مددگار ہیں اور اسی طرح آخرت میں بھی۔

قرآن مجید اور ہستی باری تعالیٰ

قرآن مجید نے ہستیٔ باری تعالیٰ اور اُس کی وحدانیت کے ثبوت میں نہایت ہی کثرت سے دلائل بیان فرمائے ہیں اور علمی و عقلی و فطری و منطقی و بدیہی غرض ہر قسم کے دلائل ایسے سادہ و بیساختہ طریق پر بیان فرمائے ہیں کہ فطرتِ انسانی کو بیدار و متاثر کرنے کے لئے اُس سے بہتر طریقِ استدلال اور اندازِ بیان کا (جس کو سہلِ ممتنع کہنا چاہئے) تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اگر تمام اس قسم کی آیات کو جمع کیا جائے اور اُن کی

شرح و تفسیر بھی مختصر طور پر بیان کیجائے تو بجائے خود ایک ضخیم کتاب بن جائے۔ اس جگہ اس مضمون پر مفصل کلام کرنے کی ضرورت بھی نہیں۔ چند الفاظ نقل کئے جاتے ہیں۔

أَفِي اللَّهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ ط (ابراہیم-۲)	کیا اُس خدا کے بارے میں شک ہے جو آسمانوں کا اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔
وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ وَفِي أَنفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ۝ (الذاریات-۱)	اور یقین لانے والوں کے لئے تو زمین میں اور خود تمہاری ذات میں بھی قدرتِ خدا کی بہت سی نشانیاں ہیں کیا تم دیکھتے نہیں۔
كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝ (البقر-۳)	تم کس طرح خدائے تعالیٰ کا انکار کر سکتے ہو حالانکہ تم بیجان تھے خدا نے تمکو زندہ کیا پھر تمکو مارے گا پھر جلائے گا تم اُسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔
أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ ۝ أَمْ خَلَقُوا السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ بَل لَّا يُوقِنُونَ ۝ (الطور-۲)	کیا یہ کسی کے پیدا کئے اور بلا کسی شے کے یہ خود ہی پیدا ہو گئے ہیں یا یہی چیزونکو پیدا کیا کرتے ہیں یا انھوں نے ہی آسمانونکو اور زمین کو پیدا کیا ہے۔ بات یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ پر یقین ہی نہیں رکھتے۔

صفاتِ باری تعالیٰ قرآن مجید خدائے تعالیٰ کے علم و ارادہ و قدرت و مشیت کو محصور و مجبور و محدود و مقید نہیں بتاتا۔ ظاہر ہے کہ جو مجبور و محدود و مقید ہوگا وہ خدا نہیں ہو سکتا۔

إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيدُ ۝ (المائدہ-۱)	بیشک اللہ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔
إِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ ۝ (ہود-۹)	حقیقت یہ ہے کہ تیرا رب جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے۔
وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ (القصص-۷)	اور تیرا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جسکو چاہتا ہے چُن لیتا ہے۔
يَمْحُو اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ وَعِندَهُ أُمُّ الْكِتَابِ ۝ (الرعد-۶)	اللہ جو چاہتا ہے مٹاتا ہے جو چاہتا ہے ثبت فرماتا ہے اُسی کے پاس ام الکتاب ہے۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ۝ (الانعام۔ ۱۲)	مخلوقات کی نظریں اُسکو معلوم نہیں کر سکتیں اور وہ اُن کی نظروں کو خوب جانتا ہے اور وہ بڑا باریک بین باخبر ہے۔

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کو رحم کرنے والا اور مہربان بتاتا ہے اگر خدا خونخوار ۔غضبناک ۔اور غصہ ور ہوتا تو انسان کا پھر کہاں ٹھکانا تھا۔ خدائے تعالےٰ صرف رحیم ہی نہیں بلکہ رحمٰن بھی ہی یعنی بے مانگے دینے والا اور بہت ہی رحم کرنے والا۔

رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا (المومن۔ ۱)	اے ہمارے پروردگار تیری رحمت اور تیرا علم تمام چیزوں پر حاوی ہے۔
نَبِّئْ عِبَادِيْ اَنِّيْ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (الحجر۔ ۴)	میرے بندوں کو آگاہ کردو کہ میں بخشنے والا اور رحمت کرنے والا ہوں۔
مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ۝ (النساء۔ ۲۱)	اللہ تعالےٰ تمکو کیوں عذاب دینے لگا ہے اگر تم شکر گزار رہو اور ایمان لاؤ بلکہ اللہ تو شکر گزاروں کا قدردان اور ان تمام باتوں سے واقف ہے۔

قرآن مجید انسانوں اور تمام جانداروں کا رازق خدائے تعالےٰ ہی کو بتاتا ہے۔ صفتِ رزاقیت میں کوئی دوسرا اُس کا شریک نہیں۔ یہ عقیدہ انسان کو بہت سی ذلتوں۔ رذالتوں اور پست خیالوں سے نکال کر نہایت اعلیٰ مقام پر پہونچا دیتا ہے۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا (ہود۔ ۱)	زمین کے ہر ایک جاندار کی روزی خدائے تعالےٰ ہی کے ذمہ ہے۔
وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ (العنکبوت۔ ۶)	اور کتنے ہی جاندار ہیں کہ اپنی روزی اپنے ساتھ باندھے ہوئے نہیں پھرتے اللہ ہی اُن کو بھی روزی پہونچاتا ہے اور تمکو بھی اور اللہ سب کی سُنتا اور سب کچھ جانتا ہے۔

اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَاءُ مِنْ عِبَادِہٖ وَیَقْدِرُ لَہٗ ط (السبا-۵)	میرا رب اپنی بندوں میں سے جسکی روزی چاہتا ہے فراخ کر دیتا ہے اور جسکی چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔
یَا اَیُّہَا النَّاسُ اذْکُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰہِ ہَلْ مِنْ خَالِقٍ غَیْرُ اللّٰہِ یَرْزُقُکُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ (فاطر-۱)	لوگو! اللہ تعالےٰ کے احسانات کو یاد کرو۔ کیا اللہ کے سوا کوئی اور بھی پیدا کرنے والا ہے جو آسمان و زمین سے تمکو روزی دے۔

قرآن مجید خدائے تعالےٰ کی صفتِ خالقیت ہی کا ذکر نہیں فرماتا بلکہ صفتِ خلق کیساتھ تقدیر کا بھی مفصل ذکر فرماتا ہے یعنی خدائے تعالےٰ نے پیدا کرنے کے بعد ہر چیز کا ایک اندازہ بھی مقرر فرمایا اُس اندازے اور اُس پیمانے سے باہر کوئی چیز نہیں جا سکتی اور جس کام کے لئے جو چیز پیدا کی گئی ہے وہی کام کرتی ہے۔

وَکُلُّ شَیْءٍ عِنْدَہٗ بِمِقْدَارٍ (الرعد-۲)	ہر شے کا اُس کی جناب میں ایک اندازہ مقرر ہے۔
وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّہَا ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ۝ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰہُ مَنَازِلَ حَتّٰی عَادَ کَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِ۝ لَا الشَّمْسُ یَنْبَغِیْ لَہَا اَنْ تُدْرِکَ الْقَمَرَ وَلَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّہَارِ ط (یٰسین-۲)	سورج اپنے ٹھکانے کی طرف چلا جا رہا ہے یہ زبردست علم والے کا اندازہ لگایا ہوا ہے اور چاند کے لئے ہمنے منزلیں مقرر کر دی ہیں یہانتک کہ وہ کھجور کی پرانی ٹہنی کی طرح ہو جاتا ہے نہ تو آفتاب ہی سے یہ ممکن ہے کہ وہ چاند کو چھولے اور نہ رات ہی دن سے پہلے آ سکتی ہے۔
اِنَّا کُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰہُ بِقَدَرٍ ۝ (القمر-۳)	ہر چیز کو ہمنے ایک اندازے پر پیدا کیا ہے۔
قَدْ جَعَلَ اللّٰہُ لِکُلِّ شَیْءٍ قَدْرًا ۝ (الطلاق-۱)	اللہ نے ہر چیز کے لئے ایک اندازہ بنایا ہے۔

قرآن مجید ہی نے نہایت شرح و بسط کے ساتھ سمجھایا اور نہایت بلند آہنگی سے اعلان کیا کہ اللہ ہی ہر چیز کا حاکم اور مالک ہے۔ ہر جگہ۔ ہر وقت۔ ہر چیز۔ اور ہر شخص پر اُسی کی حکومت اور اُسی کی ملکیت مسلّم ہے۔ اُس کی حکومت میں کوئی اُس کا شریک نہیں اور اسی لئے وہی حقیقی قانونساز بھی ہے لہذا خدا کے حکم کو ہر ایک کے حکم پر مقدم رکھو۔

لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ۝ (البقرۃ - ۱۴)

اُسی کا ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے سب اُسکے محکوم و فرمانبردار ہیں۔

اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا (البقرۃ - ۲۰)

ہر طرح کی قوت اللہ ہی کے لئے ہی۔

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ یَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَیْرُ الْفٰصِلِیْنَ ۝ (الانعام - ۷)

اللہ کے سوا کسی کا حکم نہیں وہ حق حق بیان کرتا اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

وَاللّٰهُ یَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ؕ (الرعد ۶)

اللہ حکم دیتا ہی اُسکے حکم پر گرفت کرنیوالا کوئی نہیں۔

لَا یُشْرِكُ فِیْ حُكْمِهٖۤ اَحَدًا ۝ (الکہف ۴)

اللہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔

فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ وَّاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ (یٰسین - ۵)

پاک و بے عیب ہے وہ خدا جسکے ہاتھ میں ہر چیز کا کامل اختیار ہے اور مرنے کے بعد تم سب اُسی کی طرف لوٹا کر لائے جاؤ گے۔

وَمَنْ یَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ؕ (الطلاق - ۱)

اور جو شخص اللہ پر بھروسہ رکھے گا تو خدا اُسکے لئے کافی ہی بیشک جو خدا کو منظور ہوتا ہی وہ اُسکو پورا کرکے رہتا ہی

قرآن مجید خدائے تعالےٰ کو ماضی و مستقبل اور ہر ظاہر و پوشیدہ اور ہر حاضر و غائب کا جاننے والا بتاتا اور سوائے خدائے تعالےٰ کے کسی دوسرے کو عالم الغیب نہیں مانتا۔ ہاں! خدا جس کو چاہے اور جس قدر چاہے غیب کی اطلاع دیدے۔ جیسا کہ وہ اپنے رسولوں کو غیب کی باتیں جو اُس نے مناسب سمجھیں بذریعہ وحی بتاتا رہا ہی۔ باختیار خود کوئی غیب کے حال سے واقف نہیں ہو سکتا۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِیْنَا السَّاعَةُ ؕ قُلْ بَلٰى وَرَبِّیْ لَتَاْتِیَنَّكُمْ ۙ عٰلِمِ الْغَیْبِ ۚ لَا یَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ

اور جو لوگ کافر ہوئے وہ کہتے ہیں کہ ہمکو تو وہ گھڑی یعنے قیامت آنی نہیں۔ اے رسول اُنسے کہدو کہ ہاں مجکو اپنے رب کی قسم ہی جو عالم الغیب ہے کہ وہ گھڑی تمکو ضرور آکر رہیگی اور ذرہ بھر چیز آسمانوں اور زمین میں اُس سے چھپی ہوئی

وَلَآ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ○ (السباء - ۱)	نہیں اور ذرہ سے چھوٹی اور ذرہ سے بڑی غرض جتنی چیزیں ہیں سب کتاب مُبین یعنی علم الٰہی میں ہیں۔
عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ (الجن - ۲)	خدا ہی غیب کا جاننے والا ہے وہ اپنی غیب کی باتیں کسی پر ظاہر نہیں کیا کرتا مگر ہاں اپنے برگزیدہ رسولوں پر کوئی بات ظاہر کرنی چاہتا ہے تو کر دیتا ہی۔
اصل حاکم خدا اور اصل قانون قرآن مجید ہے	اصل حکومت صرف خدائے تعالےٰ کی ہی اور

اصولی قانون صرف قرآن مجید ہے احکامِ قرآنی کی پابندی خود رسُول خدا صلعم پر بھی جن پر قرآن مجید نازل ہوا ضروری ولازمی تھی۔

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ (یوسف ۵۰)	اللہ کے سوا حکومت اَور کسی کی نہیں اللہ نے حکم دیا ہی کہ اُسکے سوا کسی دوسرے کے بندے نہ بنو۔ یہی دین کا سیدھا راستہ ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔
اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ؕ (الاعراف ۱)	یہ قرآن جو تمہارے رب کی طرف سی تمپر اُتارا گیا ہی اسکی اتباع کرو اور اسکے سوا اور کارسازوں کی پیروی نہ کرو۔
ہادیانِ برحق بھی انسان ہی ہوتے ہیں	دُنیا میں ہمیشہ رسولوں۔ ہادیوں۔ اور اوتاروں کے

متعلق لوگوں نے بشریت سے بالاتر صفات کا تصور کیا اور ہر ایک ہادیٔ برحق کو اُسکی زندگی میں تمام بشری صفات سی مُتصف دیکھکر جھٹلایا مگر اُس کے مرنے کے بعد اُسمیں فوق البشریت صفات تجویز کئے۔ دُنیا کی کوئی قوم اس غلطی سے نہیں بچی۔ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا بنایا۔ یہودیوں نے حضرت عزیرؑ اور دوسرے انبیاء کو خدائی صفات سے متصف ٹھہرایا۔ مجوسیوں نے زردشت میں اور ہندوؤں نے رام و کرشن میں خدائی صفات تجویز کئے اور خود نام کے مسلمانوں نے قرآن مجید پر تدبّر نہ کرنے اور تعلیماتِ قرآنیہ کی طرف سے غفلت اختیار کر لینے کے سبب اپنے

بزرگوں۔ پیروں اور ولیوں کو خدائی صفات سے موصوف و متصف قرار دیکر اسلام کو بدنام کیا حالانکہ قرآن مجید نے اپنے متبعین کے لئے اس خطرہ کے انسداد کا ایسا معقول بندوبست کر دیا ہے جو مذاہب کی دوسری کتابوں میں نظر نہیں آسکتا۔

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ (الانعام۔ ۵)	اے رسولؐ ان لوگوں سے کہدو کہ میں تمسے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور یہ بھی کہدو کہ نہ میں غیب سے واقف ہوں نہ تمسے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو بس اُسی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھپر وحی کیجاتی ہے۔
وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ (الفرقان)	اور اے رسولؐ ہم نے تجھ سے پہلے جتنے رسول بھیجے وہ کھانا بھی کھاتے تھے اور بازاروں میں بھی چلتے پھرتے تھے۔
قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ (فصلت۔ ۱)	اے رسول ان لوگونسے کہدو کہ میں تمہاری ہی مانند ایک بشر ہوں مجھپر وحی نازل ہوئی ہی کہ تمہارا معبود وہی اکیلا معبود ہی پس تم اُسکی طرف متوجہ رہو اور اُسی سے مغفرت طلب کرو۔
قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ (الاعراف۔ ۲۳)	اے رسول ان لوگوں سے کہدو کہ میں اپنی ذات کیلئے بھی نفع و نقصان کا کوئی اختیار نہیں رکھتا مگر وہی جو اللہ چاہے اور اگر میں غیب سے واقف ہوتا تو بہت سی منافع حاصل کر لیتا اور مجھکو کوئی تکلیف نہ پہونچتی۔ میں تو ایمان لانے والوں کے لئے صرف نذیر اور بشیر ہوں۔
قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ (یونس۔ ۵)	اے رسولؐ! ان لوگونسے کہدو کہ میں اپنی جان کیلئے بھی کسی نقصان اور نفع کا اختیار نہیں رکھتا مگر جو خدا چاہی وہی ہوتا ہی۔

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ ۖ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ وَمَا أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ○ (الاحقاف - ۱)	اے رسولؐ! ان لوگوں سے کہدو کہ میں رسولوں میں کوئی نئی قسم کا رسول نہیں ہوں اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائیگا نہ یہ معلوم کہ تمہارے ساتھ کیا ہوگا میں تو اُسیکی پیروی کرتا ہوں جو مجھپر وحی کیا جاتا ہے اور میں تو نافرمانوں کو عذاب الٰہی سے کھُلے طور پر ڈرانے والا ہوں۔

رسولؐ کی اطاعت بھی خدا ہی کی اطاعت ہے

خدائے تعالےٰ کے پیغمبر یعنی ہادیانِ برحق چونکہ خدائے تعالیٰ ہی کے احکام کی تبلیغ کرتے اور اپنی بشریت اور خواہشِ نفسانی کو دین کے معاملے میں کوئی دخل نہیں دیتے اور اسی لئے وہ امین اور صادق کہلانیکے حقیقی مستحق ہوتے ہیں اور چونکہ وہ وحی الٰہی کے مہبط اور خدائے تعالیٰ کے مخاطب اور احکام الٰہیہ کے سب سے پہلے تعمیل کنندہ اور سب سے زیادہ خدائے تعالےٰ کی رضامندی کے خواہاں اور سب سے بڑھکر خدائے تعالیٰ کے فرمانبردار ہوتے ہیں اور خدائے تعالےٰ اُن کو لوگوں کے لئے نمونہ بناکر ہی مبعوث فرماتا ہے لہذا وہی سب سے بہتر وحی الٰہی کے منشاء و مطلب کے سمجھنے والے ہوتے ہیں اور اسی لئے اُن کی اطاعت عین خدا کی اطاعت ہوتی ہے اور اُنھیں کے نمونے کی پیروی سے دینِ حق دنیا میں قایم ہوتا ہے۔ اُن کا ہر ایک حکم دین کے معاملے میں ایسا ہی واجب التعمیل اور ضروری ہوتا ہے جیسا کہ خدائے تعالیٰ کا حکم اور ظاہر ہے کہ اُنکا ہر ایک حکم خدائے تعالیٰ ہی کے منشاء کے ماتحت ہوتا ہے حکمِ خدا کے خلاف وہ کوئی حکم کسی کو نہیں دیتے۔ نبی یا رسول کے ایسے احکام کو وحیِ خفی کہتے ہیں۔ وحیِ خفی وحیِ جلی کی تفسیر و تشریح اور اُسکی متمم ہوتی ہے اُسکی مخالف ہرگز نہیں ہو سکتی۔ ان مطالب کو قرآن مجید نے خوب وضاحت کے ساتھ بیان فرما دیا ہے۔

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ ○ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ	اور اگر یہ رسول کوئی غلط بات ہماری طرف منسوب کرتا تو ہم اس کا داہنا ہاتھ پکڑ کر اس کی گردن کی شہ رگ

الْوَتِيْنَ ○ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِيْنَ ○ (الحاقہ-۲)	کاٹ دیتے اور تم میں سے کوئی بھی ہمکو اس سے نہ روک سکتا۔
وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ط (النساء-۷)	اور اگر اے رسول تجھپر اللہ کا فضل اور اُسکی مہربانی نہ ہوتی تو اُنمیں سے ایک جماعت ارادہ کرچکی تھی کہ تجھکو بہکادے۔
يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ط وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ط وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ط (المائدہ-۱۰)	اے رسول جو احکام تجھپر تیرے رب کیطرف سے نازل ہوئے ہیں تمام وکمال لوگوں کو پہونچادے۔ اگر تونے ایسا نہ کیا تو حق رسالت ہی ادا نہ کیا اور اللہ تجھکو لوگونکی ہر ایک شرارت سے محفوظ رکھیگا۔
اِنَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَاۤ اَرٰىكَ اللّٰهُ ط (النساء-۱۶)	ہمنے اے رسول تجھپر حق کے ساتھ کتاب اُتاری ہی کہ جو کچھ خدا تعالی تجھکو سمجھائے اُسکے موافق لوگونمیں فیصلہ کیا کر۔
وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○ (المائدہ-۷)	اور جس نے اللہ کے اُتارے ہوئے قانون کی موافق فیصلہ نہ کیا وہ نافرمان ہے۔
وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ط (النساء-۹)	اور ہمنے ہر ایک رسول اسی لئے بھیجا ہے کہ بحکم خدا اُس کی اطاعت کیجائے۔
مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ج (النساء)	جس نے رسول کا حکم مانا اُس نے اللہ ہی کا حکم مانا۔
قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران-۴)	اے رسول ان لوگونسے کہدے کہ اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو کہ اللہ بھی تمکو دوست رکھے۔
وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ط وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ○ (النساء-۱۷)	اور جو شخص راہ راست کے ظاہر ہوئے پیچھے رسولؐ سے کنارہ کش رہے اور مسلمانوں کے رستے کے سوا دوسرے رستے پر گامزن ہوجائے تو جو رستہ اُس نے اختیار کرلیا ہی ہم اُسکو اُسی رستے چلائے جائیں گے اور اُس کو جہنم میں داخل کریں گے اور جہنم بہت ہی بُری جگہ ہے۔

وَیَوْمَ یَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰی یَدَیْهِ یَقُوْلُ یٰلَیْتَنِی اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِیْلًا ○ (الفرقان-۳)	اور جس دن نافرمان آدمی مارے افسوس کے اپنے ہاتھ کاٹے گا اور کہے گا کہ کاش میں رسول کے ساتھ دین کا راستہ قبول کر لیتا۔
وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِیْنًا ○ (الاحزاب-۵)	اور جو شخص اللہ اور اُس کے رسول کی نافرمانی کرے وہ صریح گمراہی میں پڑ چکا۔
وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ج (الحشر-۱)	اور جو کچھ رسول تمکو دے اُسے قبول کرو۔ اور جس سے منع کرے اُس سے پرہیز کرو۔
لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب-۳)	مسلمانو! تمہارے واسطے رسول اللہ کا طرزِ عمل پیروی کے لئے بہترین نمونہ ہے۔
یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ○ (الانفال-۳)	مسلمانو! اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت یعنی کتاب اللہ اور سُنتِ رسول اللہ کی پیروی کرو اور جبکہ ہمارا حکم تم سُن رہے ہو اُس کی تعمیل سے منھ نہ موڑو۔

خلیفہ یا امیر یا اولی الامر کی اطاعت

دینی سلطنت کا فرمانروا یا خلیفہ یا اولی الامر جو قانونِ الٰہی کے ذریعہ عدل اور امن کو قایم رکھنے کی خدمت انجام دیتا اور کسی طاقتور کو کسی کمزور پر ظلم زیادتی کرنے کا موقع نہیں دیتا اور لوگوں کی جانوں اور اُن کے مالوں کی حفاظت کرتا اور ایک دوسرے کے حقوق غصب کرنے سے باز رکھتا ہے اپنے فرائض کی ادائیگی اور عوام کی نفع رسانی کے لئے حسب ضرورت۔ حسب موقع۔ اور حسب مصلحت قانون بھی بنا سکتا اور احکام نافذ کر سکتا ہے ان قوانین اور احکام کی پیروی کرنا ہر شخص کا فرض ہے لیکن ان قوانین کے بنانے میں اولی الامر کا فرض ہے کہ وہ مشورے کے ساتھ بنائے اور تنہا اپنی رائے پر اعتماد نہ کرے تاہم اِن قوانین کی حیثیت عارضی اور ہنگامی ہی رہیگی اصولی اور مستقل قانونِ الٰہی کا درجہ انکو ہرگز حاصل نہ ہوگا اس قسم کے قوانین پر

ہر شخص کو اعتراض کرنے اور منسوخ کرانے کا حق بھی ہمیشہ حاصل رہتا ہی اور جبکہ ایسے قانون اور ایسے احکام کا ہدایت نامۂ برحق اور قانون الٰہی کے خلاف ہونا ثابت ہو جائے تو وہ فوراً ناقابلِ عمل قرار دیا جائیگا اگر ایسے احکام کتاب اللہ اور سُنت رسول کے خلاف نہ ہوں تو پھر اُن کی تعمیل نہایت ضروری اور لازمی ہے اور اسی طرح نظامِ سلطنت قایم رہ سکتا اور انسان اپنی سعادت کو پہونچ سکتا ہے۔ انتظامی اور دُنیوی معاملات میں خود رسول اللہ کو بھی مشاورت کا حکم خدائے تعالیٰ نے دیا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں جو دینی سلطنت ملکِ عرب میں قایم ہوئی اُس کی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے اسی قسم کے ہنگامی احکام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی نافذ فرمائے اور وہ بڑی آسانی سے الگ پہچانے جاتے ہیں۔

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ (آل عمران - ۱۷)	اور (اے رسول) ان لوگوں کو بھی ملکی معاملے (کی انجام دہی) میں شریکِ مشورہ کر لیا کرو۔
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ (النساء - ۸)	مسلمانو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور حکام کی بھی جو تم ہی سے ہوں اطاعت کرو۔ اگر تمہارے اور حکام کے درمیان کسی معاملے میں تنازع ہو جائے تو فیصلے کیلئے خدا و رسول کیطرف لوٹاؤ یعنی کتاب و سُنت کی موافق فیصلہ ہونا چاہئے۔
وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ (الشوریٰ - ۲)	اور جس کسی معاملے میں تم آپس میں اختلاف کرو تو اُس کا فیصلہ خدا ہی کی طرف ہے۔
وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا ۝ (الکہف - ۴)	اور ایسے شخص کا کہنا ہرگز نہ ماننا جس کے دل کو ہمنے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے پڑا ہے اور اُس کی غفلت و ہوا پرستی حد سے بڑھ گئی ہے۔

پیدایشِ انسانی کی اصل غرض قرآن مجید نے انسان کی پیدایش کا اصل مقصد یہ بتایا ہے کہ

وہ خدائے تعالےٰ کی عبادت کرے یعنی معرفت الٰہی حاصل کر کے احکام الٰہیہ کی تعمیل کرے۔ خدا کی پیدا کی ہوئی زمین کو آباد کرے اور حاکم و خلیفہ بن کر زمین میں عدل قایم کرے۔ ہدایت نامۂ الٰہیہ کی تعمیل سے گریز کرنا انسان کے لئے موجب خسران وزیاں بتایا۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝ (الذاریات - ۳)	ہم نے جن وانس کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ ہماری عبادت بجالائیں۔
هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا (ہود - ۶)	اُس خدا نے تمکو زمین سے بنا کھڑا کیا اور تم سے آبادیٔ زمین کی خدمت لینی چاہی۔
اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ۚ (البقرہ ۴)	بیشک میں زمین میں ایک خلیفہ مقرر کرنے والا ہوں۔
يَا اَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ الَّذِیْ خَلَقَكَ فَسَوّٰكَ فَعَدَلَكَ ۝ (الانفطار)۔	اے انسان تجھکو اپنے رب کریم کے حضور کس چیز نے گستاخ بنایا اُس نے تو تجھے پیدا کیا۔ پھر تجھکو درست کیا پھر تیرے جوڑ بند مناسب طور پر بنائے۔
اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِیْ اَنْفُسِهِمْ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ۗ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ۝ (الروم - ۱)	لوگوں نے اپنے نفوس کی ماہیت میں کیوں غور نہیں کیا۔ خدا نے آسمان و زمین کو اور انکے اندر جو چیزیں ہیں انکو صرف راستی اور مقررہ میعاد تک کے لئے بنایا ہے اور اس میں شک نہیں کہ بہت سے آدمی دیدار الٰہی سے انکار کرنیوالے ہیں یعنی وہ مخلوقات میں خالق کا جلوہ نہیں دیکھتے۔
اَكَفَرْتَ بِالَّذِیْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰكَ رَجُلًا ۝ (الکہف - ۵)	کیا تو نے اُس ذاتِ پاک کی نافرمانی کی جس نے تجھکو مٹی سے پھر نطفے سے پیدا کیا پھر تجھکو پورا مرد بنایا۔
اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ۝ (المومنون - ۶)	کیا تم سمجھتے ہو کہ ہم نے تمہیں یوں ہی بے فائدہ پیدا کیا اور تم ہمارے پاس لوٹ کر پھر نہ آؤگے۔

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ ط إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا ۝ (الاحزاب ۹)

ہمنے ذمہ داری کو آسمانوں پر اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا تو اُنھوں نے بزبان حال اُسکے اُٹھانے سے انکار کیا اور ڈر گئے اور انسان نے اُسکو اُٹھا لیا اس میں شک نہیں کہ انسان اپنے حق میں ظلوم وجہول ہے۔

دین سے غفلت اور دُنیا طلبی

قرآن مجید انسان کو دُنیا کی راحتوں۔ آسایشوں۔ اور دُنیا کے سامانوں سے ہرگز روکنا نہیں چاہتا بلکہ دنیا میں عزت و آسایش کے ساتھ زندگی بسر کرنیکے صحیح اصول تعلیم فرماتا اور بقدرِ ضرورت اس دنیوی زندگی کے سامانوں کی فراہمی کیلئے ترغیب دیتا ہے لیکن وہ دنیا اور دنیا کی راحتوں کے حصول کو انسان کی زندگی کا اصل مقصد ٹھہرانے سے سخت انکار کرتا ہے۔ قرآن مجید انسان کی اس دنیوی زندگی کا اصل مقصد دارِ آخرت میں راحت و آسایش حاصل کرنا اور وہاں کے رنج و اذیت سے بچنے کی کوشش کرنا قرار دیتا ہے یعنی مقاصدِ اُخروی کو مقاصدِ دنیوی پر مقدم رکھنا سکھاتا ہے۔ قرآن مجید کہتا ہے کہ جو شخص اس دنیا اور دنیوی زندگی کے سامانوں کی طلب میں دارِ آخرت اور یادِ خدا کو فراموش کر دیتا ہے وہ گناہوں میں ترقی کرتا جاتا ہے اور اُس کا راہ راست کی طرف متوجہ ہونا دشوار ہے۔

رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ (البقرہ-۲۵)

اے ہمارے رب ہم کو دنیا میں بھی خیر و خوبی عطا کر اور آخرت میں بھی خیر و خوبی عطا فرما اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللّٰهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ ط قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ ط

ان لوگوں سے دریافت کرو کہ اللہ کی پیدا کردہ زیب و زینت کی چیزوں کو اور کھانے پینے کی پاکیزہ چیزوں کو جو اللہ نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہیں کس نے حرام کیا ہے؟ کہدو کہ یہ چیزیں انسانوں ہی کیلئے ہیں

كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ○ (الاعراف۔ ۴)	مگر خاصکر قیامت کے دن اُنھیں لوگوں کیلئے ہونگی جو اس دنیا کی زندگی میں ایمان لائے ہیں۔ اسیطرح جاننے والوں کے لئے ہم اپنی آیات مفصل بیان کرتے ہیں۔
وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى (الضحیٰ)	اور اے رسول تجھکو تیرے رب نے مفلس پایا تو پھر غنی کر دیا۔
وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِى الْاَرْضِ (القصص۔ ۸)	خدا نے جو کچھ تجھکو دے رکھا ہے اُسمیں آخرت کے گھر کا بھی فکر کر اور دُنیا میں سے اپنے حصّے کو فراموش نہ کر اور جس طرح اللہ نے تجھپر احسان کیا ہے تو دوسروں کے ساتھ احسان کر۔ اور ملک میں فساد کا خواہاں نہ ہو۔
مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِىْ حَرْثِهٖ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ (الشوریٰ ۳)	جو آخرت کی کھیتی چاہتا ہے ہم اُسکی کھیتی میں برکت دیتے ہیں اور جو دنیا کی کھیتی چاہتا ہے ہم اُسکو دُنیا کی کھیتی میں سے دیتے ہیں مگر آخرت میں اُس کا کوئی حصّہ نہیں۔
فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِى الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ○ (التوبہ۔ ۶)	دُنیا کی زندگی کا سامان آخرت کے مقابلے میں بہت ہی بے حقیقت ہے۔
وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ِۨالَّذِىْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ ○ (الہمزہ)	تباہی ہے ہر ایک عیب چین چغلخور کے لئے جس نے مال جمع کیا اور اُس کو گِن گِن کر رکھا اور یہ سمجھا کہ یہ مال اُس کے لئے ہمیشہ رہیگا۔
وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۭ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۭ (الانعام ۴)	اور اس دنیا کی زندگی کھیل اور تماشے کے سوا کچھ بھی نہیں اور یقیناً متقیوں کے لئے آخرت کا گھر بہت اچھا ہے۔
وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ○ وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ	اور جو شخص خدائے رحمٰن کی یاد سے بے پروائی اختیار کرتا ہے تو ہم اُس پر ایک شیطان متعین کر دیتے ہیں جو اُس کا ساتھی ہو جاتا ہے اور شیاطین ایسے شخصوں کو

وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ○ (الزخرف - ۴)

راہِ راست سے روکتے رہتے ہیں اور وہ گنہگار لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم راہِ ہدایت پر ہیں۔

مومن کو غلبہ حاصل ہوتا ہے۔

مومن لوگ یعنی پیروانِ دینِ حق دنیا میں غالب ہو کر رہتے ہیں اور مغلوبیت کی حالت میں ہمیشہ نہیں رہا کرتے مگر شرط یہی ہے کہ مومنِ صادق ہوں منافق اور ضعیف الایمان نہ ہوں اس لئے کہ منافق کو کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ (آل عمران - ۱۴)

ہمت نہ ہارو اور غمگین نہ ہو اگر تم مومن ہو تو تمہیں سرافراز وغالب رہوگے۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ○ (الانعام - ۹)

جو لوگ ایمان لائے اور اُنھوں نے اپنے ایمان میں گناہ اور شرک کی آمیزش نہیں کی تو اُن کے لئے امن ہے اور وہ ہدایت یافتہ ہیں۔

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ (المنافقون)

اور عزت تو اللہ کے لئے ہے اور اُسکے رسول کے لئے اور مومنوں کے لئے مگر منافق اس بات سے واقف نہیں۔

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ○ (المؤمن)

ہم اپنے رسولوں اور مومنوں کی دنیوی زندگی میں بھی مدد کریں گے اور قیامت کے دن بھی۔

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ○ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ○ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ○ (والصافات - ۵)

ہم اپنے رسولوں کے متعلق پہلے ہی سے فیصلہ کر چکے ہیں کہ ان کی ضرور مدد کی جائے گی اور ہماری فوج غالب رہیگی۔

دین ومذہب کے معاملے میں زبردستی ہرگز نہیں

دینِ حق کی تبلیغ نہایت محبت وانسانیت کے ساتھ قرآن مجید سُنا کر کرو۔ دین کے معاملے میں ہرگز کسی پر کوئی جبر وتشدد نہیں ہونا چاہئے کیونکہ عقیدہ ومذہب کا معاملہ اختیاری ہے۔ تمکو ہمدردی کے ساتھ نیک صلاح دینے اور بھلائی کی طرف بلانے کا حق تو ہے لیکن کسی کے اختیار کو سلب کرنے اور

مجبور کرنے کا ہرگز کوئی حق نہیں ہے۔

فَذَکِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ یَّخَافُ وَعِیْدِ ○ (ق۔ ۳)	جو کوئی ہمارے عذاب سے ڈرتا ہے اُس کو قرآن کے ذریعہ نصیحت کر۔
وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّکُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْیَکْفُرْ (الکہف۔ ۴)	اور لوگوں سے کہدو کہ حق (قرآن مجید) تمہارے رب کی طرف سے آچکا پس اب جو چاہے مانے اور جو چاہے انکار کرے
لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ (البقرہ۔ ۳۴)	دین کے معاملے میں زبردستی کا کچھ کام نہیں۔
فَذَکِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَکِّرٌ ○ لَسْتَ عَلَیْھِمْ بِمُصَیْطِرٍ ○ (الغاشیہ۔)	تو لوگوں کو نصیحت کر تو صرف نصیحت کرنیوالا ہے تو اُن پر کوتوال کی طرح دباؤ ڈالنے والا مقرر نہیں کیا گیا۔
اِنَّا ھَدَیْنٰہُ السَّبِیْلَ اِمَّا شَاکِرًا وَّاِمَّا کَفُوْرًا ○ (الدھر۔ ۱)	ہم نے اُسے راہ دکھادی ہے (جس پر چلکر) چاہے وہ شکر گذار بنے اور چاہے فرمانبردار۔
اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ (النحل۔ ۱۶)	لوگوں کو دانائی اور ہمدردی کے ساتھ اپنے رب کے راستے کیطرف بُلا اور اُن کے ساتھ پسندیدہ طریقہ سے بحث کر۔

تبلیغ دین کے لئے خوش اخلاقی ضروری چیز ہے

افہام تفہیم۔ تبادلۂ خیالات۔ احقاق حق۔ اور ابطال باطل سے اپنی زندگی میں انسان کو ضرور کام لینا پڑتا ہے اور یہ لازمۂ تمدن ہے اسی میں عقاید و مذہب کے متعلق اظہارِ خیالات اور مباحثات و مناظرات بھی شامل ہیں بسا اوقات اپنی بات کی تائید اور دوسرے کی بات کو غلط ثابت کرنے میں عدل و انصاف کا سررشتہ انسان کے ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے اور مخاطب کو بھی اس کے جواب میں عقل و عدل سے گزر کر ظلم و زیادتی کا راستہ اختیار کر لینے کا موقع ملتا ہے اور اس طرح فسادات اور فتن برپا ہوتے رہتے ہیں۔ تبلیغ دین چونکہ ایک ضروری فریضہ ہے جس پر فلاحِ انسانی کا مدار ہے لہذا قرآن مجید نے اسطرف بھی توجہ فرمائی ہے۔

وَقُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ط (بنی اسرائیل - ۶)

اے رسول میرے بندوں کو سمجھا دے کہ وہ مخالفین سے جو بات بھی کہیں ایسی کہیں جو اخلاق کے اعتبار سے بہت بہتر ہو۔

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ السَّیِّئَةَ ط نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَصِفُوْنَ ○ (المؤمنون - ۶)

اگر کوئی تیرے ساتھ بدی کرے تو بدی کا دفعیہ ایسے طرزِ عمل سے کر جو بہت ہی اچھا ہو۔

وَلَا تُجَادِلُوْۤا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ز (العنکبوت - ۵)

اور مسلمانو! اہل کتاب کے ساتھ جھگڑا نہ کیا کرو مگر ایسی طرح کہ وہ نہایت ہی عمدہ اور شائستہ ہو۔

وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّیِّئَةُ ط اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ○ وَمَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَمَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ○ (حم السجدہ - ۵)

اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہو سکتی بُرائی کا دفعیہ ایسے برتاؤ سے کرو جو بہت ہی اچھا ہو اگر ایسا کرو گے تو تم دیکھو گے کہ اگر تم میں اور کسی شخص میں عداوت بھی تھی تو اب یکایک وہ تمہارا دلسوز دوست بنگیا اور ایسے حُسنِ عمل کی توفیق اُنہی لوگوں کو دی جاتی ہے جو صبر سے کام لیتے ہیں اور یہ توفیق اُن ہی لوگوں کو ملتی ہے جن کے بڑے نصیب ہیں۔

نسبی امتیاز آخرت میں کچھ کام نہیں آسکتا

قرآن مجید فرماتا ہے کہ تمام انسان ایک ہی جنس۔ ایک ہی نوع۔ اور ایک ہی برادری ہیں خاندانوں کا اختلاف محض تعارف کے لئے ہے اور شرافت و بزرگی تقوے پر منحصر ہے خاندان اور نسل پر نہیں۔ یہ خاندانی و نسبی رشتے قیامت کے دن کام نہیں آسکتے اور انسان کی نجات اور کامیابی اُسکے اعمال سے متعلق ہے نسب اور نسل سے اُسے کوئی تعلق نہیں لہٰذا اختلافِ قوم و نسل کو زیادہ اہمیت نہیں دینی چاہیئے۔

وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ط وَكَانَ رَبُّكَ قَدِیْرًا ○ (الفرقان - ۵)

خدا وہ ہے جس نے پانی (نطفہ) سے بشر کو پیدا کیا اور اسی تعلق کو نسب اور رشتہ بنا دیا۔ اور تیرا رب ہر چیز پر قادر ہے۔

يَآ اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝ (الحجرات-۲)	لوگو ہم نے تم کو ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہاری برادریاں اور کُنبے بنادئے کہ آپس میں شناخت رکھو تم میں سے سب سے زیادہ بزرگ اللہ کے نزدیک وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہی بیشک اللہ تعالےٰ سب کچھ جاننے والا باخبر ہے۔
لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۝ (الممتحنہ-۱)	تمہارے رشتے اور تمہاری اولاد قیامت کے دن ہرگز تم کو نفع نہ پہونچا سکیں گے۔
فَاِذَا نُفِخَ فِى الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ ۝ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (المومنون-۶)	جب صُور پھونکا جائیگا یعنی قیامت برپا ہوگی تو انکے درمیان کوئی رشتہ نہ رہیگا اور نہ وہ ایک دوسرے کی بات پوچھیں گے جن کا نیکی کا پلہ بھاری ہوگا وہی کامیاب ہوں گے۔
اختلافِ احوال اور امیری غریبی کا فرق نہیں مٹ سکتا	قرآن مجید فرماتا ہے کہ دُنیا میں

اختلافِ احوال اور امیری غریبی کا فرق ارادۂ الٰہی کے ماتحت ہی ساتھ ہی اس فرق امتیاز کو ضروری اور اسکی غرض کو بھی بیان فرماتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ فرق مٹ نہیں سکتا۔ ہر انسان کو اُس کی محنت اور عمل کے موافق اجر ملنا چاہئے اپنے اعمال اور اپنی سعی میں انسان مختلف و متفاوت ہیں لہذا دولت سب میں برابر تقسیم نہیں ہو سکتی۔ ہر شخص اپنی کمائی کا مالک ہے خواہ عورت ہو یا مرد۔

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِى الرِّزْقِ ج (النحل-۱۰)	اور اللہ نے تم میں سے ایک کو دوسرے پر روزی میں فضیلت دی ہے۔
وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا	اور تم میں سے ایک کو دوسرے پر جو اللہ نے فضیلت و برتری دے رکھی ہے اس کا کچھ ارمان نہ کرو مردوں نے

اكْتَسَبْنَ ۚ وَسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ (النساء - ۵)	جو کچھ کمایا اُس میں اُن کا حصہ ہے اور عورتوں نے جو کچھ کمایا اُنمیں انکا حصہ ہے اللہ سے ہروقت اس کا فضل مانگتے رہو۔
نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ۚ (الزخرف ۳)	ہمنے دُنیوی زندگی میں اُنکی روزی تقسیم کی ہی اور ہمنے درجونکے اعتبار سے اُنمیں ایک کو دوسرے پر فوقیت دی ہے تاکہ ایک دوسرے کو کام میں لگائے۔
وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ۝ (نوح - ۱)	اور تمکو خدائے تعالیٰ نے طرح طرح کا پیدا کیا ہے۔
اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى ۝ (اللیل)	بیشک تم لوگونکی کوشش مختلف طور کی ہے۔
وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ۝ (النجم - ۳)	اور یہ کہ انسان کو اُسیقدر ملیگا جتنی اُس نے کوشش کی۔

انسان کی نفسانی اور فطری کمزوریان فطرتِ انسانی میں جس طرح نیکی اور بھلائی کے جذبات ہیں اسی طرح برائی اور بدی کی قوتیں بھی موجود ہیں اس کے متعلق ابتدائی فصلوں میں مفصل بحث ہو چکی ہے قرآن مجید نے فطرتِ انسانی کے عیوب کا تذکرہ اس لئے فرمایا ہے کہ انسان اپنی کمزوریوں سے چوکس رہ سکے اور غلطیوں میں مبتلا ہونے سے بچ سکے۔

خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ۚ سَاُورِيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ ۝ (الانبیاء - ۳)	انسان جلدباز پیدا کیا گیا ہے۔ ہم عنقریب اپنی قدرت کی نشانیاں تمکو دکھائیں گے پس جلدی نہ کرو۔
وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ۚ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝ (النساء - ۱۹)	اور تھوڑا بہت بُخل تو سب ہی کی طبیعت میں ہوتا ہی اور اگر تم ایک دوسرے کے ساتھ سلوک کرو اور کنجوسی سے بچتے رہو تو اللہ تمہارے نیک کاموں سے باخبر ہے وہ تمکو اس نیکی کا اجر دیگا۔
اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ۝ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ۝ وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ۝ (المعارج - ۱)	انسان جلد اُکتا جانے والا تھڑدلا پیدا کیا گیا ہے اگر اُسے کوئی تکلیف پہونچتی ہے تو گھبرا جاتا ہے اور جب کوئی فائدہ پہونچتا ہے تو بُخل کرنے لگتا ہے۔
وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ۝ (بنی اسرائیل ۷)	اور انسان بڑا ہی ناشکرا ہے۔

وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ○ (بنی اسرائیل - ۱۱)	اور انسان بڑا ہی تنگدل ہے۔
وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَیْءٍ جَدَلًا ○ (الکہف - ۸)	اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے سمجھانے کیلئے ہر قسم کی مثالیں طرح طرح سے بیان کیں مگر انسان تمام مخلوقات سے زیادہ جھگڑالو ہے۔
اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ ؕ (یوسف - ۷)	بیشک نفس انسانی تو آدمی کو بدی اور برائیوں کے لئے ابھارتا ہی رہتا ہے مگر یہ اور بات ہے کہ میرا خدا رحم فرمائے۔
وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَئُوْسًا ○ (بنی اسرائیل - ۹)	اور جب ہم انسان کو کوئی نعمت عطا فرماتے ہیں تو منھ پھیرتا اور پہلوتہی کرتا ہے اور جب اسکو کوئی تکلیف پہونچتی ہی تو بالکل ناامید ہو جاتا ہے۔
اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰۤى اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ○ (العلق)	انسان کا تو یہ حال ہے کہ وہ اپنے آپ کو بے نیاز دیکھکر سرکشی اختیار کرتا ہے۔

حقوقِ زوجین جس طرح شوہر کے کچھ حقوق بیوی پر ہیں اسی طرح بیوی کے حقوق شوہر پر ہیں اور دونوں کا فرض ہے کہ اپنے اپنے زنگی حقوق ادا کریں مگر ہاں مرد کا درجہ عورت سے بڑا ہے۔ قرآن مجید نے اس مطلب کو نہایت تفصیل اور خوبی کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ تمام آیات اس جگہ درج نہیں ہو سکتیں اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے صرف دو حوالے درج کئے جاتے ہیں۔

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۪ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○ (البقرہ - ۲۸)	اور جیسے مردوں کا حق عورتوں پر ویسے دستور کے موافق عورتوں کا حق مردوں پر۔ ہاں مردوں کو عورتوں پر فوقیت ہے۔ اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔
اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا	مرد عورتوں کے ذمہ دار اور سر دھرے ہیں اس لئے کہ خدائے تعالیٰ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہی اور

مِنْ اَمْوَالِهِمْ ط (النساء۔۶)	اور اس لئے بھی کہ مردوں نے اپنا مال خرچ کیا ہے۔

ترکہ اور اُس کی تقسیم اور حقوق

والدین اور قریبی رشتہ داروں کے ترکے میں عورتوں اور مردوں دونوں کے حصّے ہیں یہ نہیں کہ صرف مرد یا بیٹے ہی سارے ترکہ کے مالک ہو جائیں اور عورتوں یا بیٹیوں کو کچھ نہ ملے۔ قرآن مجید نے اس معاملے میں نہایت واضح اور منصفانہ اصول تجویز فرمائے ہیں اور تمام پس ماندگان کے حقوق کی تعین وتفصیل بیان کردی ہے جو اس جگہ مکمل طور پر بخوفِ طوالت نقل نہیں ہو سکتی۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ○ (النساء۔۱)	ماں باپ اور رشتہ داروں کے ترکے میں تھوڑا ہو یا بہت مردوں کا حصّہ ہے اور ایسا ہی ماں باپ اور رشتہ داروں کے ترکے میں عورتوں کا بھی حصّہ ہے اور یہ حصّہ ہمارا ٹھہرایا ہوا ہے۔

سود خوری حرام ہے

سود خوری چونکہ ایک خلاف انسانیت فعل ہے اور سود خور نوع انسان کے لئے چونکہ ایک مُفت خور۔ نہایت موذی۔ اور خون چوسنے والے جانور سے بدتر موذی ہوتا ہے لہذا قرآن مجید نے سود خوری کو حرام قرار دیا ہے۔

اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ط (البقرہ۔۳۸)	اللہ نے تجارت کو حلال اور سود خوری کو حرام قرار دیا ہے۔
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبٰوا أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً ط (آلِ عمران۔۱۴۰)	مسلمانو! سود مت کھاؤ کہ اصل میں بل کر دُگنا چوگنا ہوتا چلا جاتا ہے۔
وَأَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ وَأَكْلِهِمْ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ط (النساء۔۲۲)	یہودیوں کو بہت سی پاکیزہ چیزوں سے محروم کر دیا گیا اور اُنکے لئے عذاب الیم تیار کیا گیا اسلئے کہ اُنکو سود کی ممانعت کر دی گئی تھی مگر پھر بھی وہ سُود لیتے اور لوگوں کے مال ناحق کھاتے تھے۔
وَمَا آتَيْتُم مِّن رِّبًا لِّيَرْبُوَا فِي أَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُو عِندَ اللّٰهِ ج (الروم۔۴۰)	اور جو رقم تم سُود پر دیتے ہو کہ لوگوں کے مال میں بڑھے تو اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتی ہے۔

عدل و انصاف اور احسان اور دیانت کے لئے تاکیدی احکام | قرآن مجید نے عدل کے قایم کرنے دوسروں پر احسان کرنے۔ دیانت و امانت کو ملحوظ رکھنے سچی گواہی دینے اور اس معاملے میں کسی کی رُو رعایت نہ کرنے کے متعلق جس قدر تاکید فرمائی ہے دُنیا کی کسی مذہبی کتاب اور کسی قانون میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ حتیٰ کہ قرآن مجید نے حکم دیا ہے کہ اپنی ذات اور اپنے ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں کو بھی سچی گواہی دینے اور صحیح فیصلہ صادر کرنے سے نقصان پہونچتا ہو تو تم سچی گواہی دینے اور صحیح فیصلہ صادر کرنے سے ہرگز نہ چوکو۔

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيْتَاءِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۞ (النحل-۱۳)

اللہ تعالےٰ انصاف کرنے کا حکم دیتا اور لوگوں کیساتھ احسان کرنیکا اور قرابت والونکو مالی امداد دینے کا اور بیحیائی کے کاموں اور ناشایستہ حرکتوں اور ایک دوسرے پر زیادتی کرنے سے منع فرماتا ہی تم لوگونکو یہ نصیحت کرتا ہی تاکہ تم اسکا خیال رکھو۔

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلٰى أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ إِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ۞ (النساء-۸)

اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہی کہ امانت رکھنے والونکی امانتیں جب مانگیں اُن کے حوالے کر دیا کرو اور جب لوگوں کے باہمی جھگڑے فیصل کرنے لگو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو اللہ تمکو یہ بہت اچھی نصیحت کرتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اللہ سب کی سُنتا اور سب کچھ دیکھتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُوْنُوْا قَوَّامِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰى أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِيْنَ إِنْ يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ أَوْلٰى بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰى أَنْ تَعْدِلُوْا وَإِنْ تَلْوُوْا أَوْ تُعْرِضُوْا فَإِنَّ اللّٰهَ

مسلمانو! مضبوطی کے ساتھ انصاف پر قایم رہو اور خدا لگتی گواہی دو اگرچہ یہ گواہی تمہارے اپنے یا ماں باپ اور رشتہ دارونکے خلاف ہی کیوں نہ ہو اگر اُن میں کوئی مالدار یا محتاج ہی تو اللہ سب سے بڑھکر اُن کی برداشت کرنیوالا ہی تم اُن کی خاطر اپنی خواہش کی پیروی نہ کرو کہ لگو حق سی انحراف کرنے اور اگر دبی زبان سے گواہی دوگے یا سرے

كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝ (النساء - ۲۰)	سے گواہی دینے میں پہلوتہی کروگے تو جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اُس سے باخبر ہے۔
يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوَّامِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰى اَلَّا تَعْدِلُوْا ط اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ (المائدہ - ۲)	مسلمانو! خدا واسطے انصاف کے ساتھ گواہی دینے پر آمادہ رہو اور لوگوں کی عداوت تم کو اس جرم کے ارتکاب کا باعث نہ ہو کہ معاملات میں انصاف نہ کرو تم کو چاہئے کہ ہر حال میں انصاف کرو کہ شیوۂ انصاف پرہیزگاری سے قریب تر ہے اور اللہ کی نافرمانی سے ڈرتے رہو کیونکہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اُس سے باخبر ہے۔
وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ط ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝ (بنی اسرائیل - ۴)	اور جب ناپ کر دو تو پیمانے کو پورا بھر کر دیا کرو اور تول کر دینا ہو تو ڈنڈی سیدھی رکھکر تولا کرو یہی بہتر طریقہ ہے اور اس کا انجام بھی اچھا ہے۔
وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا ۝ (النساء - ۱۶)	اور دغابازوں کے طرفدار نہ بنو۔
وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ط (البقرہ - ۳۹)	اور گواہی کو مت چھپاؤ اور جو گواہی کو چھپائیگا وہ دل کا کھوٹا ہے۔

عہد اور اقرار و قسم کا پورا کرنا ضروری ہے

تمدنی نظام اور دُنیا کے امن وامان کی بہت کچھ ذمہ داری انسان کے ایفائے وعدہ۔ پاس عہد۔ اور قول و قرار کے پورا کرنے پر مُنحصر ہے۔ خودغرض اور پست فطرت انسان اپنے عہد و اقرار اور قول قسم کو توڑ دینے میں تامل نہیں کرتا۔ اسی سے عداوتیں پیدا ہوتی ہیں اور عہد و اقرار پر قایم نہ رہنے سے ہی اکثر جنگ و پیکار کے ہنگامے برپا ہوتے ہیں۔ قرآن مجید نے سب سے زیادہ دنیا میں معاہدہ اور قول و قسم کی عزت کو قایم اور استوار کیا ہے۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ (المائدہ ۱)	مسلمانو! اپنے معاہدوں کو پورا کرو۔

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ۝ (بنی اسرائیل-۴۰)	اور عہد و اقرار کو پورا کیا کرو اس لئے کہ قیامت کے دن عہد کی باز پرس ہوگی۔
وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ط (البقرة-۲۸)	اور مسلمانو! اپنی بیہودہ قسموں کے حیلے سے خدا کو یعنی اُس کے نام کو لوگوں کے ساتھ سلوک کرنے اور تقویٰ اختیار کرنے اور لوگوں میں ملاپ کرانیکا مانع و مزاحم نہ بناؤ۔
وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عَاهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ط (النحل-۱۳)	اور جب تم آپس میں قول و قرار کر لو تو اللہ کی قسم کو پورا کرو اور قسموں کو اُن کے پختہ کرنے کے بعد نہ توڑو حالانکہ تم اللہ کو اپنا ضامن ٹھہرا چکے ہو۔

مختلف اخلاقی ہدایات قرآن مجید نے انسانی زندگی کے ہر شعبے اور ہر ایک ضروری پہلو کو مدنظر رکھکر اُس کے متعلق نہایت پختہ اور اصولی احکام و ہدایات نہایت تفصیل اور خوبی کے ساتھ بیان فرمائے ہیں لیکن چونکہ یہ فصل زیادہ طویل ہوتی جاتی ہے لہذا جُدا جُدا عُنوانات کے ماتحت تمام ضروری مطالب کی ایک ایک آیت بھی لکھی جائے تو کئی جزو میں بمشکل سما سکے لہذا اس جگہ مختلف مضامین کی آیات نقل کرکے اس فصل کو ختم کرتا ہوں جن حضرات کو اسلام اور تعلیماتِ قرآنیہ سے وسیع واقفیت حاصل کرنی ہو اُن کیلئے حجۃ الاسلام اور قولِ حق میری دونوں کتابوں کا مُطالعہ انشاء اللہ تعالیٰ بہت مفید ہوگا۔ حجۃ الاسلام غالباً سنہ ۲۴ء میں اور قولِ حق سنہ ۳۰ء میں شایع ہو چکی ہے۔ اسلام کے متعلق غلط فہمی پھیلانے والوں نے جہاد اور احکامِ جنگ کو نہایت ہی بد دیانتی اور شرارت کو کام میں لاکر غلط طریقے سے بیان کیا ہے اور ناواقف لوگوں کو یکطرفہ خیانت آمیز باتوں سے سخت ٹھوکر لگی ہے حالانکہ اسلام سے بڑھکر کوئی دوسرا مذہب سلامتی و رواداری کا مذہب نہیں اس مضمونِ خاص کے متعلق میں اپنی کتاب آئینۂ حقیقت نما جلد اوّل کے مقدمہ میں ایک فصل لکھ چکا ہوں اور اس کتاب کے ابتک دو ایڈیشن شایع ہو چکے ہیں۔ اسجگہ اعادہ کی ضرورت نہیں۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۝ (النساء - ٦)	اور اللہ ہی کی عبادت کرو اور اُس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ اور رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور قرابت والے پڑوسیوں اور اجنبی پڑوسیوں اور پاس کے بیٹھنے والوں اور مسافروں اور جو لوگ تمہارے قبضہ میں ہیں اِن سب کے ساتھ سلوک کرتے رہو۔ اللہ اُن لوگوں کو دوست نہیں رکھتا جو اِترائیں اور بڑائی مارتے پھریں۔
هَلْ جَزَاۗءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ (الرحمٰن ۳)	نیکی کا بدلہ تو نیکی ہی ہونا چاہیئے۔
وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا (البقرۃ - ۱۰)	اور لوگوں کو اچھی باتیں بتاؤ اور نرمی کے ساتھ گفتگو کرو۔
وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (آل عمران - ۱۴)	اور نیک لوگ غصّے کو روکتے اور لوگوں کے قصوروں سے درگزر کرتے ہیں اور لوگوں کے ساتھ نیکی کرنے والوں کو اللہ دوست رکھتا ہے۔
مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ ۭ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ (النساء - ۱۷)	جو شخص خیرات یا کسی اور نیک کام یا لوگوں میں میل ملاپ کی صلاح دے تو یہ نیکی کا کام ہے اور جو شخص خدا کی خوشنودی حاصل کرنیکے لئے ایسے نیک کام کریگا تو ہم قیامت کے دن اُس کو بڑا ثواب عطا فرمائیں گے۔
وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَي الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ۝ (الفرقان)	اور خدائے رحمٰن کے خاص بندے تو وہ ہیں جو زمین پر فروتنی کے ساتھ چلیں اور جب جاہل اُن سے جہالت کی باتیں کرنے لگیں تو اُن کو سلام کرکے الگ ہو جائیں۔
وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ۭ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ	اور اپنی رفتار میں میانہ روی اختیار کر اور کسی سے بات کرے تو ہولے سے بول کیونکہ آوازوں میں بری سے بری

لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ○ (لقمان-۲)	آواز گدھوں کی آواز ہے۔
وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ○ (الشوریٰ-۴)	اور جب اُن کو غصہ آتا ہے تو لوگوں کی خطاؤں سے درگزر کرتے ہیں۔
وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ○ (الشوریٰ-۴)	اور جو شخص صبر کرے اور دوسرے کی خطا بخش دے تو بیشک یہ بڑی ہمت کے کام ہیں۔
وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط (المائدہ-۱)	اور نیکی و پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کے مددگار ہوجایا کرو اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے کے مددگار نہ بنو۔ اور اللہ کے غضب سے ڈرو۔
خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ ○ (الاعراف-۲۴)	درگزر کا شیوہ اختیار کرو اور لوگوں سے نیک کام کرنے کو کہو اور جاہلوں سے کنارہ کش رہو۔
وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (آل عمران-۱۱)	اور سب مل کر مضبوطی سے اللہ کے دین کی رسّی کو پکڑے رہو اور آپس میں تفرقہ نہ ڈالو۔
وَاٰتُوا الْيَتَامٰى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ وَلَا تَاْكُلُوْا اَمْوَالَهُمْ اِلٰى اَمْوَالِكُمْ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ○ (النساء-۱)	اور یتیموں کے مال اُنکے حوالے کرو اور مال طیب کے بدلے مال حرام نہ لو اور اُن کے مال اپنے مالوں میں ملا کر خورد برد نہ کرو کیونکہ یہ بہت ہی بڑا گناہ ہے۔
اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتَامٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ط وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ○ (النساء-۱)	جو لوگ ناحق ظالمانہ طور پر یتیموں کے مال کو خورد برد کرتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں انگارے بھرتے ہیں اور عنقریب مرنے کے بعد دوزخ میں پڑیں گے۔
وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ط قُلْ فِيْهِمَا اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَا اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ط (البقرہ-۲۷۰)	اے رسول تم سی شراب اور جوئے کے بارے میں دریافت کرتے ہیں۔ انسے کہدو کہ ان دونوں چیزوں میں بڑا گناہ ہی اور لوگونکو کچھ فائدے بھی ہیں مگر انکے فائدے سی انکا گناہ بہت بڑھکر ہی۔

وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ۭ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ (البقرة - ۳۸)	اگر کوئی تمہارا مقروض تنگدست ہو تو اُسے فراخی تک کی مہلت دو اور اگر سمجھو تو تمہارے حق میں یہ زیادہ بہتر ہے کہ اُس کو اپنا قرضہ بخش دو۔
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ○ (الاحزاب - ۹)	مسلمانو! اللہ سے ڈرتے رہو اور بات ہمیشہ صاف سچی کہو۔
قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ (الاعراف - ۴)	اے رسول لوگوں سے کہدو کہ میرے ربّ نے بیحیائی کے کاموں کو منع فرمایا ہے خواہ وہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ ہوں اور گناہ اور ناحق کسی پر زیادتی کرنے کو بھی۔
وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا ○ (بنی اسرائیل - ۴)	اور زنا کے پاس ہو کر بھی نہ پھٹکو کیونکہ وہ بے حیائی ہے اور بہت ہی بُرا چلن ہے۔
وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْۗـــــَٔةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْۗـــــًٔـا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ○ (النساء - ۱۶)	اور جو شخص کسی خطا یا گناہ کا مرتکب ہو پھر وہ اپنے قصور کو کسی بے گناہ پر تھوپ دے تو اُس نے بُہتان اور گناہِ صریح کا بوجھ اپنی گردن پر لادا۔
وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰۗىِٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْــُٔوْلًا ○ (بنی اسرائیل - ۴)	جس بات کا تجھکو علم یقینی نہیں اٹکل پچو اُس کے پیچھے نہ ہو لیا کر کیونکہ کان اور آنکھ اور دل اِن سب سے قیامت کے دن پوچھ گچھ ہونی ہے اور جھوٹ بولنے سے پرہیز کرو۔
وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ○ (بنی اسرائیل - ۴)	اور زمین پر اکڑ کر نہ چلا کر کیونکہ تو زمین کو تو پھاڑ نہیں سکے گا اور نہ تن کر چلنے سے پہاڑوں کی لمبائی کو پہونچ سکے گا۔
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۡ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا	مسلمانو! لوگوں کی نسبت بہت بدگمانی نہ کیا کرو کیونکہ بعض بدگمانیاں داخلِ گناہ ہیں اور ایک دوسرے کی جاسوسی میں

وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا (الحجرات-۲)	نہ رہا کرو اور نہ تم میں سے ایک کو ایک پیٹھ پیچھے بُرا کہے۔
وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ○ (الانعام-۱۷)	اور فضول خرچی نہ کرو اس لئے کہ فضول خرچ لوگوں کو خدائے تعالےٰ پسند نہیں کرتا۔
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى كَالَّذِىْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (البقرہ-۳۶)	مسلمانو! اپنی خیرات کو احسان جتانے اور سائل کو ایذا دینے سے اس طرح اکارت نہ کرو جس طرح وہ شخص جو اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کے لئے خرچ کر کے اکارت کرتا ہے اور اللہ اور روزِ آخرت کا یقین نہیں رکھتا۔
فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ○ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ط (الزمر-۱)	پس خدائے تعالیٰ ہی کی فرمانبرداری مدنظر رکھکر اُسکی عبادت کئے جاؤ اور یاد رکھو کہ خالص فرمانبرداری تو خدا ہی کیلئے ہے۔

قرآن مجید کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت قرآن مجید کی ایک سب سے بڑی خصوصیت یہ بھی ہی کہ جس طرح وہ محفوظ ہونے میں یکتا و بے نظیر ہے اسی طرح وہ اسلام کو تقلیدی مذہب بننے سے محفوظ رکھنے کا تنہا ذمہ دار ہے۔ تمام مذاہب اور تمام ہدایت نامے اپنے ابتدائی ماننے والوں کے لئے تو تحقیقی مذہب اور با اثر ہدایت نامے رہی لیکن آئندہ نسلوں کے لئے وہ تمام مذاہب تقلیدی مذہب بننے اور اپنی اصل غرض سے محروم اور پیروانِ مذہب میں مذہب کی حقیقی روح پیدا کرنے سے عاجز ثابت ہوتے رہے۔ لیکن قران مجید وہ ہدایت نامہ ہے کہ اس کو جتنی مرتبہ چاہو غور و تدبر سے مطالعہ کرو ہر مرتبہ اس میں عقل و فکر و غور و تدبر کے لئے نیا سامان نظر آئیگا اور کبھی بھی یہ دعویٰ کرنیکے قابل نہ ہو سکوگے کہ ہم قرآن مجید پر غور و تدبر کرنے کے کام سے فارغ ہو چکے اور اب ہمارے لئے اس میں غور و تدبر کا کوئی سامان باقی نہیں۔ قرآن مجید ہر شخص کو دعوتِ تدبر دیتا اور جو شخص بھی مطالب و تعلیماتِ قرآنیہ سے واقف و آگاہ ہونا چاہے غور و تدبر اور عقل و دانائی کو کام میں لانے کے لئے لازماً آمادہ ہو جاتا ہے اور کسی زمانے میں بھی قرآن مجید کی یہ خصوصیت اُس سے جُدا نہیں ہوئی نہ ہو سکتی ہے۔ ہٰذا

جن نام کے مسلمانوں نے قرآن مجید کی طرف توجہ نہیں کی اُن کا اسلام ایک تقلیدی اور بے روح مذہب بن کر رہ گیا اور وہ اسلام کی شاندار خصوصیات سے محروم ہو گئے۔ قرآن مجید جس توجہ کا مستحق ہے اگر ویسی ہی توجہ قرآن مجید کی طرف کیجائے تو آج بھی وہی جوشِ ایمانی اور وہی مبہوت کُن کارنامے دُنیا کو مسلمان دکھا سکتے ہیں جو صحابۂ کرامؓ نے دکھائے تھے۔ قرآن مجید ہی کے ذریعہ دُنیا میں کامل اتحاد۔ کامل عدل۔ اور کامل امن و امان قایم ہو سکتا ہے۔ ایسی کوئی کتاب نہیں بتائی جا سکتی جو مذہب کو تقلیدی مذہب بننے کے خطرہ سے محفوظ رکھنے کا سامان اپنے اندر رکھتی ہو۔

شرابِ خوشگوارم ہست و یارِ مہرباں ساقی ندارد ہیچکس یارے چنیں یارے کہ من دارم

بعض تعلیماتِ نبوی صلعم

آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہادیٔ برحق۔ رہبرِ کامل۔ اور خاتم النبیین ہونیکے متعلق میں اپنی کتاب حجۃ الاسلام میں بحمد اللہ تعالیٰ ایک مفصل باب سپردِ قلم کر چکا ہوں۔ طالبِ حق کو اُسطرف رجوع کرنا چاہیئے۔ آپؐ کا اُسوۂ حسنہ اور آپؐ کی سُنتِ ثابتہ اسلام کا لازمی جزو۔ اور بغیر سُنتِ رسول اللہ کی رہبری کے ہم احکامِ الٰہیہ کے سمجھنے اور اُن پر عمل کرنیکی پوری توفیق نہیں پا سکتے اور جیسا کہ اُوپر بیان ہو چکا ہے قرآن مجید ہی نے سُنتِ رسول اللہ کی اتباع کو ہمارے لئے لازمی ٹھہرا دیا ہے لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ محض بطور نمونہ احادیثِ نبوی صلعم سے بعض فقرات نقل کر دیئے جائیں۔ احادیثِ نبویؐ کا مرتبہ صحت کے اعتبار سے (کہ ضرور بالضرور یہ الفاظ رسول اللہ صلعم ہی کی زبانِ مبارک سے نکلے ہوئے ہیں یا راوی نے صحیح صحیح مفہوم اپنے الفاظ میں بیان کر دیا ہے) اُس یقین کے درجہ تک پہونچا ہوا نہیں ہے جو قرآن مجید کے کلامِ الٰہی ہونے کے متعلق حاصل ہے اور اس فرق کا ہونا ضروری بھی تھا کہ کلامِ خدا اور کلامِ رسولِ خدا میں کچھ فرق و امتیاز ہونا چاہیئے۔ تاہم میں نے کوشش

کی ہے کہ کوئی ضعیف روایت نقل نہ کیجائے۔

(۱) إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ۔	اعمال کا مدار تو نیتوں پر ہے۔
(۲) إِنَّ أُمَّتِي يُدْعَوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ غُرًّا مُحَجَّلِينَ مِنْ آثَارِ الْوُضُوءِ فَمَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ يُطِيلَ غُرَّتَهُ فَلْيَفْعَلْ۔	بیشک قیامت کے دن میری اُمت کے لوگ اس حالت میں پکارے جائینگے کہ اُن کے مُنھ اور ہاتھ پاؤں وضو کے نشانوں سے سفید اور روشن ہونگے پس جو شخص تم میں سے اس بات کی طاقت رکھے کہ اپنی روشنی کو بڑھائے تو ضرور ایسا کرے۔
(۳) اَلْفِطْرَةُ خَمْسٌ اَلْخِتَانُ وَالْاِسْتِحْدَادُ وَقَصُّ الشَّارِبِ وَقَلْمُ الْأَظْفَارِ وَنَتْفُ الْآبَاطِ۔	پانچ باتیں انسان کی فطری و جبلی باتیں ہونے کے سبب لازمی و ضروری ہیں۔ ختنہ کرنا۔ اُسترا لینا۔ مونچھیں کاٹنا۔ ناخن تراشنا اور موئے زیر بغل صاف کرنا۔
(۴) سَوُّوا صُفُوفَكُمْ فَإِنَّ تَسْوِيَةَ الصُّفُوفِ مِنْ تَمَامِ الصَّلٰوةِ۔	اپنی صفوں کو درست کیا کرو اسلئے کہ صفوں کی درستی نماز کے کامل اور پورا ہونے کا موجب ہے۔
(۵) إِذَا صَلّٰى أَحَدُكُمْ لِلنَّاسِ فَلْيُخَفِّفْ فَإِنَّ مِنْهُمُ الضَّعِيفَ وَالسَّقِيمَ وَذَا الْحَاجَةِ وَإِذَا صَلّٰى أَحَدُكُمْ لِنَفْسِهِ فَلْيُطَوِّلْ مَا شَاءَ۔	جب تم میں سے کوئی شخص لوگوں کو نماز پڑھائے تو ہلکی نماز پڑھائے کیونکہ اُنمیں ضعیف بھی ہوتے ہیں۔ بیمار بھی۔ کام والے بھی۔ اور جب تنہا اپنی نماز پڑھے تو جتنی چاہے لمبی کرلے۔
(۶) وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ فَإِنَّهُ لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ۔	اور مظلوم کی بد دعا سے ڈر کیونکہ مظلوم کی بد دُعا اور خدائے تعالیٰ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہوتا۔
(۷) لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُسَافِرَ إِلَّا وَمَعَهَا ذُو مَحْرَمٍ۔	اُس عورت کیلئے جو خدائے تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتی ہو جائز نہیں ہے کہ بغیر کسی محرم کی ہمراہی کے سفر کرے۔
(۸) اَلْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا فَإِنْ صَدَقَا وَبَيَّنَا بُورِكَ لَهُمَا فِي	خرید و فروخت کرنیوالے دونوں جبتک کہ جدا نہ ہوں بیع کے معاملے میں مختار ہیں پس اگر وہ سچ بولیں اور عیب کو صاف صاف بیان کردیں

بَيْعِهِمَا وَاِنْ كَتَمَا وَكَذَبَا مُحِقَتْ بَرَكَةُ بَيْعِهِمَا۔	تو اُنکی بیع میں دونوں کے لئے برکت ہوتی ہی اور اگر عیب کو چھپائیں اور جھوٹ بولیں تو اُنکی بیع سی برکت مٹا دی جاتی ہے۔
(۹) لَا تَنَاجَشُوْا وَلَا يَبِعُ الرَّجُلُ عَلٰى بَيْعِ اَخِيْهِ وَلَا يَخْطُبُ عَلٰى خِطْبَةِ اَخِيْهِ وَلَا تَسْاَلُ الْمِرْاَةُ طَلَاقَ اُخْتِهَا۔	خریداری کے ارادے بغیر چیز کی قیمت نہ بڑھاؤ اور نہ کوئی شخص دوسرے کے سودے پر سودا کرے اور نہ دوسرے کی منگنی پر منگنی کرے اور نہ کوئی عورت دوسری عورت (اپنی اسلامی بہن) کی طلاق چاہے۔
(۱۰) اِنَّ الْعَائِدَ فِيْ هِبَتِهٖ كَالْعَائِدِ فِيْ قَيْئِهٖ۔	اپنی دی ہوئی چیز کو واپس لینے والا اُس کی مانند ہی جو اپنی کی ہوئی قے کو کھلانے والا ہے۔
(۱۱) مَا حَقُّ امْرِءٍ مُسْلِمٍ لَهٗ شَيْءٌ يُوْصِيْ فِيْهِ يَبِيْتُ لَيْلَتَيْنِ اِلَّا وَوَصِيَّتُهٗ مَكْتُوْبَةٌ عِنْدَهٗ۔	کسی مسلمان کو جسکے پاس ایسی چیز ہو جس میں وصیت کرنا چاہتا ہے مناسب نہیں کہ دو راتیں بھی اس حالت میں گزارے کہ اُس کے پاس اُس کی وصیت لکھی ہوئی نہ ہو۔
(۱۲) يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَاِنَّهٗ اَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَاَحْصَنُ لِلْفَرْجِ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ۔	اے جوانو! جو شخص تم میں سے نکاح کی استطاعت رکھتا ہی وہ ضرور نکاح کرے کیونکہ نکاح نظر کو نیچی رکھنے کا باعث اور شرمگاہ کو زنا سے بچاتا ہے اور جو نکاح کی استطاعت نہین رکھتا اُس کو چاہیئے کہ روزے رکھا کرے۔
(۱۳) فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ۔	جو شخص میری سنت سی بے رغبتی اختیار کرے وہ میری اُمت سے نہین
(۱۴) لَا يَقْضِيَنَّ حَكَمٌ بَيْنَ اثْنَيْنِ وَهُوَ غَضْبَانُ۔	کوئی حاکم دو شخصوں کے درمیان غصے کی حالت میں فیصلہ نہ کرے۔
(۱۵) اَلَا وَاِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ اَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ۔	یاد رکھو جسم میں ایک ٹکڑا ہے جب وہ سنور جائے تو سارا جسم سنور جاتا ہے اور جب وہ بگڑ جائے تو سارا بدن بگڑ جاتا ہے اور خبردار رہو کہ وہ ٹکڑا قلب ہے۔
(۱۶) يَا اَيُّهَا النَّاسُ لَا تَتَمَنَّوْا لِقَاءَ الْعَدُوِّ	لوگو! دشمن سے لڑائی کرنے کی خواہش نہ کرو اور خدا تعالیٰ

وَاسْأَلُوا اللّٰہَ الْعَافِیَۃَ فَاِذَا لَقِیْتُمُوْھُمْ فَاصْبِرُوْا۔	سے عافیت مانگو اور جب دشمن سے مقابلہ ہو جائے تو پھر صبر و استقامت سے کام لو۔
(۱۷) اَلْحَیَاءُ شُعْبَۃٌ مِّنَ الْاِیْمَانِ۔	حیا ایمان کی ایک شاخ ہے۔
(۱۸) اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِہٖ وَیَدِہٖ وَالْمُؤْمِنُ مَنْ اٰمَنَہُ النَّاسُ عَلٰی دِمَائِھِمْ وَاَمْوَالِھِمْ۔	مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسروں کو رنج نہ پہونچے اور مومن وہ ہے کہ جس سے لوگوں کی جانیں اور اُن کے مال امن میں رہیں۔
(۱۹) لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَّا اَمَانَۃَ لَہٗ وَلَا دِیْنَ لِمَنْ لَّا عَھْدَ لَہٗ۔	جو امانت دار نہیں ایماندار نہیں اور جو اپنی بات پر قایم نہیں وہ بھی ایمان دار نہیں۔
(۲۰) اَرْبَعٌ مَنْ کُنَّ فِیْہِ کَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا وَمَنْ کَانَتْ فِیْہِ خَصْلَۃٌ مِّنْھُنَّ کَانَتْ فِیْہِ خَصْلَۃٌ مِّنَ النِّفَاقِ حَتّٰی یَدَعَھَا اِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ وَاِذَا حَدَّثَ کَذَبَ وَاِذَا عَاھَدَ غَدَرَ وَاِذَا خَاصَمَ فَجَرَ۔	چار چیزیں جس شخص میں ہوتی ہیں وہ پورا منافق ہوتا ہی اور جسمیں ایک ہی چیز ہو وہ بھی نفاق کی علامت ہی جبتک کہ اُس ایک کو بھی ترک نہ کرے وہ چار باتیں یہ ہیں جب اُسکے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے اور جب کوئی بات کہے جھوٹ بولے اور جب اقرار کرے تو پورا نہ کرے اور جب تکرار کرے تو گالیاں بکے۔
(۲۱) کَفٰی بِالْمَرْءِ کِذْبًا اَنْ یُّحَدِّثَ بِکُلِّ مَا سَمِعَ۔	انسان کے جھوٹا ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ ہر ایک سُنی ہوئی بات کو اُسکے جھوٹ سچ کی تحقیق کئے بغیر کہتا پھرے۔
(۲۲) اِذَا مَاتَ الْاِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْہُ عَمَلُہٗ اِلَّا مِنْ ثَلٰثَۃٍ اِلَّا مِنْ صَدَقَۃٍ جَارِیَۃٍ اَوْ عِلْمٍ یُّنْتَفَعُ بِہٖ اَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ یَّدْعُوْ لَہٗ۔	موت تین چیزوں کے سوا تمام کاموں سے انسان کا تعلق قطع کردیتی ہی ایک وہ خیرات جسکا اثر ہمیشہ جاری رہی۔ دوسرے علم جس سے فائدہ پہونچتا رہی۔ تیسرے نیک اولاد جو دعائے مغفرت کرتی رہے۔
(۲۳) مَنْ دَلَّ عَلٰی خَیْرٍ فَلَہٗ مِثْلُ اَجْرِ فَاعِلِہٖ۔	جو شخص کسی کو نیک راستہ بتائے اُسے اُس نیک راستے پر چلنے والے کی برابر اجر ملتا ہے۔

(۲۴) إِنَّ شَرَّ الشَّرِّ شِرَارُ الْعُلَمَاءِ وَإِنَّ خَيْرَ الْخَيْرِ خِيَارُ الْعُلَمَاءِ۔	انتہا درجے کی برائیاں برے علماء سے اور اعلیٰ درجے کی بھلائیاں نیک علماء سے پھیلتی ہیں۔
(۲۵) اِتَّقُوا الْمَلَاعِنَ الثَّلَاثَةَ الْبَرَازَ فِي الْمَوَارِدِ وَقَارِعَةِ الطَّرِيقِ وَالظِّلِّ۔	جس جگہ آدمی پانی دیکھکر ٹھہرتے ہوں اُس جگہ اور راستے میں اور سایہ کی جگہ میں رفع حاجت کرنا قابلِ لعنت ہے ان تینوں لعنت کی باتوں سے بچو۔
(۲۶) إِذَا حَزَنَهُ أَمْرٌ صَلَّى۔	جب کوئی رنج وغم کی بات پیش آئے تو آدمی خدا کی عبادت کرے۔
(۲۷) أَطْعِمُوا الْجَائِعَ وَعُودُوا الْمَرِيضَ وَفُكُّوا الْعَانِيَ۔	بھوکے کو کھلاؤ اور بیمار کی غمخواری وخدمت کرو اور قیدی کو چھڑاؤ جبکہ وہ بے قصور ہو۔
(۲۸) إِذَا أَمْسَيْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الصَّبَاحَ وَإِذَا أَصْبَحْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الْمَسَاءَ وَخُذْ مِنْ صِحَّتِكَ لِمَرَضِكَ وَمِنْ حَيَاتِكَ لِمَوْتِكَ۔	زندگی ایسی بے اعتبار چیز ہے کہ جب شام ہو تو صبح کی امید اور جب صبح ہو تو شام کی توقع نہ رکھ اور اپنی تندرستی میں بیماری کے لئے اور زندگی میں موت کے لئے نیک کام کر۔
(۲۹) مَنْ عَزَّى مُصَابًا فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِهِ۔	مصیبت زدہ کو تسکین وتسلی دینے والا صبر کرنیوالے کی مانند اجر پاتا ہے
(۳۰) اَلْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلَى وَالْيَدُ الْعُلْيَا هِيَ الْمُنْفِقَةُ وَالسُّفْلَى هِيَ السَّائِلَةُ۔	اونچا ہاتھ نیچے ہاتھ سے زیادہ اچھا ہے اور اونچا ہاتھ وہ ہے جو بخشش کرنے والا ہے اور نیچا وہ جو مانگتا ہے۔
(۳۱) خَصْلَتَانِ لَا يَجْتَمِعَانِ فِي مُؤْمِنٍ اَلْبُخْلُ وَسُوْءُ الْخُلُقِ۔	ایمان دار آدمی میں دو باتیں جمع نہ ہوں گی۔ کنجوسی اور بدخوئی۔
(۳۲) مَنْ سَأَلَ النَّاسَ أَمْوَالَهُمْ تَكَثُّرًا فَإِنَّمَا يَسْأَلُ جَمْرًا۔	جو بھیک مانگ کر مالدار بنے وہ بھیک نہیں مانگتا بلکہ اپنے لئے آگ جمع کرتا ہے۔
(۳۳) مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَغْرِسُ غَرْسًا أَوْ يَزْرَعُ زَرْعًا فَيَأْكُلُ مِنْهُ إِنْسَانٌ أَوْ طَيْرٌ	جو کوئی شخص کوئی درخت لگائے یا کوئی کھیت بوئے پھر اُس درخت یا کھیت میں سے کوئی آدمی یا پرندہ یا چوپایہ کھائے

اَوْ بَهِيمَةٌ اِلَّا كَانَتْ لَهُ صَدَقَةٌ -	تو یہ اُس شخص کے لئے خیرات ہی -
(۳۴) اِرْشَادُكَ الرَّجُلَ فِي اَرْضِ الضَّلَالِ لَكَ صَدَقَةٌ وَنَصْرُكَ الرَّجُلَ الرَّدِيَّ الْبَصَرِ لَكَ صَدَقَةٌ وَاِمَاطَتُكَ الْحَجَرَ وَالشَّوْكَ وَالْعَظْمَ عَنِ الطَّرِيْقِ لَكَ صَدَقَةٌ	راہ بھولے ہوئے کو راستہ بتانا اور جس کی بینائی میں خلل ہو اُس کو سہارا دینا اور راستے سے رفع اذیت کے لئے پتھر اور کانٹے اور ہڈی ہٹا دینا ہر ایک کام صدقہ ہے -
(۳۵) اِنِ امْرُؤٌ شَتَمَكَ وَعَيَّرَكَ بِمَا يَعْلَمُ فَلَا تُعَيِّرْهُ بِمَا تَعْلَمُ فِيهِ -	اگر کوئی شخص تجھے گالی دے یا تیرا عیب جانتا ہو وہ ظاہر کرے تو تجھکو لازم ہی کہ اگر تو اُسکا عیب جانتا ہو تو بھی خاموش رہے اور اُس کا عیب ظاہر نہ کرے -
(۳۶) ثَلَاثَةٌ الَّذِيْنَ يُبْغِضُهُمُ اللّٰهُ اَلشَّيْخُ الزَّانِي وَالْفَقِيْرُ الْمُخْتَالُ وَالْغَنِيُّ الظَّلُوْمُ -	تین شخص ہیں جن پر خدائے تعالیٰ کا غضب ہے ایک بوڑھا زانی - دوسرا درویش متکبر تیسرا مالدار ظالم جو حقیقتاً اپنے لئے بھی ظالم ہوتا ہی -
(۳۷) اَلْبِرُّ مَا اطْمَاَنَّتْ اِلَيْهِ النَّفْسُ وَاطْمَاَنَّ اِلَيْهِ الْقَلْبُ وَالْاِثْمُ مَا حَاكَ فِي النَّفْسِ وَتَرَدَّدَ فِي الصَّدْرِ	نیکی وہ ہی جس سے دلکو اطمینان ہو اور طبیعت کو قرار ہو اور گناہ وہ ہی جس سے دل میں شک وشبہ اور خدشہ پیدا ہو -
(۳۸) رَحِمَ اللّٰهُ رَجُلًا سَمْحًا اِذَا بَاعَ وَاِذَا اشْتَرٰى وَاِذَا اقْتَضٰى -	خدائے تعالیٰ اُس شخص پر رحم کرتا ہے جو خریدنے اور بیچنے اور تقاضا کرنے میں نرمی کرتا ہے -
(۳۹) مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يُنْجِيَهُ اللّٰهُ مِنْ كَرْبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلْيُنَفِّسْ عَنْ مُعْسِرٍ اَوْ يَضَعْ عَنْهُ -	جس کو آخرت میں نجات پانے کی خواہش ہو اُسکو چاہیئے کہ مفلس سے اپنا قرض مانگنے میں سختی نہ کرے بلکہ قرض معاف کردے -
(۴۰) اِنَّ اللّٰهَ لَا يَمْحُو السَّيِّءَ بِالسَّيِّءِ وَلٰكِنْ يَمْحُو السَّيِّءَ بِالْحَسَنِ -	یقیناً بُرائی سے بُرائی نہیں مٹتی بلکہ بھلائی سے بُرائی مٹ جاتی ہے -
(۴۱) اَعْطُوا الْاَجِيْرَ اَجْرَهٗ قَبْلَ اَنْ يَّجِفَّ عَرَقُهٗ -	مزدور کو مزدوری پسینہ سوکھنے سے پہلے دیدو -
(۴۲) اِتَّقُوا اللّٰهَ فِي هٰذِهِ الْبَهَائِمِ الْمُعْجَمَةِ فَارْكَبُوْهَا صَالِحَةً	بے زبان چارپایوں سے کام لینے میں خدا سے ڈرنا چاہیئے جب وہ مضبوط اور سواری کے قابل ہوں تب سوار ہو اور جب

وَاتْرُكُوهَا صَالِحَةً ۔	تھکنے لگیں تو اُن کو چھوڑ دو اور اُن سے کام نہ لو۔
(۴۳) كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ ۔	تم سب نگہبان ہو اور تم میں سے ہر ایک اپنی اپنی رعیت کی نگہداشت کے متعلق پوچھا جائیگا۔
(۴۴) عُدِلَتْ شَهَادَةُ الزُّوْرِ بِالْإِشْرَاكِ بِاللّٰهِ	جھوٹی گواہی شرک کرنے کی برابر ہے۔
(۴۵) كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَتَصَدَّقُوْا وَالْبَسُوْا مَا لَمْ يُخَالِطْهُ إِسْرَافًا وَمَخِيْلَةً ۔	کھاؤ اور پیؤ اور خیرات دو اور لباس پہنو یہانتک کہ فضول خرچ نہ ہو اور غرور نہ آئے۔
(۴۶) لَا عَدْوٰی وَلَا طِيَرَةَ ۔	چھوت اور بدشگونی کی کوئی حقیقت نہیں۔
(۴۷) اَلْعِيَافَةُ وَالطَّرْقُ وَالطِّيَرَةُ مِنَ الْجِبْتِ ۔	جانوروں کی بولی اور کنکریوں سے فال لینا اور شگون لینا شرکوں اور دھوکہ بازوں کی بات ہے۔
(۴۸) تَقْرَءُ السَّلَامَ عَلٰى مَنْ عَرَفْتَ وَعَلٰى مَنْ لَمْ تَعْرِفْ ۔	ہر ایک کو سلام علیک کرو خواہ اُسے پہچانتے ہو یا نہ پہچانتے ہو۔
(۴۹) مَنْ لَا يَرْحَمُ لَا يُرْحَمُ ۔	جو کسی پر مہربانی نہیں کرتا خدائیتعالیٰ بھی اُسپر مہربانی نہیں کرتا۔
(۵۰) تَصَافَحُوْا يُذْهِبُ الْغِلَّ وَتَهَادَوْا تَحَابُّوْا وَتَذْهَبُ الشَّحْنَاءُ ۔	آپس میں ملنے کے وقت ہاتھ ملاؤ اس سے کینہ نہیں رہتا اور آپسمیں ہدیہ دو اس سے محبت پیدا ہوتی ہے اور دشمنی جاتی رہتی ہے۔
(۵۱) إِنَّ الصِّدْقَ بِرٌّ وَالْبِرُّ يَهْدِيْ إِلَى الْجَنَّةِ وَإِنَّ الْكَذِبَ فُجُوْرٌ وَإِنَّ الْفُجُوْرَ يَهْدِيْ إِلَى النَّارِ ۔	سچائی نیکی ہے جو بہشت میں لیجاتی ہے اور یقیناً جھوٹ نافرمانی اور بدی ہے جو دوزخ کی طرف لیجاتی ہے۔
(۵۲) إِنَّ شَرَّ النَّاسِ عِنْدَ اللّٰهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَنْ تَرَكَهُ النَّاسُ اتِّقَاءَ شَرِّهٖ ۔	آخرت میں خدائے تعالیٰ کے نزدیک بہت بُرا آدمی وہ ہے جس سے لوگ اُس کی بُرائی کے سبب بچیں۔
(۵۳) وَيْلٌ لِمَنْ يُحَدِّثُ فَيَكْذِبُ لِيُضْحِكَ بِهِ الْقَوْمَ	خرابی اور ہلاکت ہے اُس کے لیئے جو لوگوں کے ہنسانے کو جھوٹ بولے۔

(۵۴) إِنَّ الْعَبْدَ لَيَزِلُّ عَنْ لِسَانِهٖ أَشَدَّ مِمَّا يَزِلُّ عَنْ قَدَمِهٖ۔	آدمی اپنے پاؤں کے پھسلنے سے ایسی بُری طرح نہیں گرتا جیسا زبان کے پھسلنے سے بُری طرح گرتا ہے۔
(۵۵) اَلْوَحْدَةُ خَيْرٌ مِّنْ جَلِيْسِ السُّوْءِ وَالْجَلِيْسُ الصَّالِحُ خَيْرٌ مِّنَ الْوَحْدَةِ وَإِمْلَاءُ الْخَيْرِ خَيْرٌ مِّنَ السُّكُوْتِ وَالسُّكُوْتُ خَيْرٌ مِّنْ إِمْلَاءِ الشَّرِّ۔	بدآدمی کی صحبت سے تنہائی بہتر ہے اور نیک آدمی کی صحبت تنہائی سے بہتر ہے اور نیکی کا سکھانا چُپ رہنے سے بہتر ہے اور بُرائی سکھانے سے چُپ رہنا بہتر ہے۔
(۵۶) كَبُرَتْ خِيَانَةً أَنْ تُحَدِّثَ أَخَاكَ حَدِيْثًا هُوَ لَكَ بِهٖ مُصَدِّقٌ وَّأَنْتَ بِهٖ كَاذِبٌ	یہ بات بڑی دغابازی کی ہے کہ تو اپنے بھائی سے ایسی بات کہے کہ وہ سچ جانے اور تو اُسے جھوٹ جانتا ہو۔
(۵۷) لَا تُظْهِرِ الشَّمَاتَةَ لِأَخِيْكَ فَيَرْحَمَهُ اللّٰهُ وَيَبْتَلِيْكَ۔	کسی اپنے بھائی کو مبتلائے مصیبت دیکھکر خوشی نہ کرو ورنہ خدا اُس پر رحم کرے گا اور تجھکو مبتلا کردے گا۔
(۵۸) إِذَا مُدِحَ الْفَاسِقُ غَضِبَ الرَّبُّ تَعَالٰى۔	جب بدکار کی مدح کی جاتی ہے تو مدح کرنے والے پر خدا تعالیٰ غضبناک ہوتا ہے۔
(۵۹) قُلِ الْحَقَّ وَإِنْ كَانَ مُرًّا۔	سچی بات کہنی چاہیئے خواہ کسیکو کیسی ہی کڑوی معلوم ہو۔
(۶۰) إِنَّ الرَّجُلَ لَيُحْرَمُ الرِّزْقَ بِالذَّنْبِ	آدمی گناہ کرنے کے سبب رزق سے محروم ہوتا ہے۔

اسلامی فقہ اور نظامِ حکومت

قرآن مجید اور احادیثِ نبویؐ کی اخلاقی و اصولی تعلیمات کے نمونے اوپر کی فصلوں میں بیان ہو چکے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ انسانی ضروریات اور انسانی ماحول ایک حالت پر قایم رہنے والی چیز نہیں اور تمدنی ترقیات کے ساتھ ہی ساتھ انسانی ضروریات کا تبدیل ہوتے رہنا ضروری ہے لہٰذا آپ نے بہت سی فروعی باتوں کے متعلق خود احکام صادر فرمانے مناسب نہیں سمجھے اور اُن لوگوں کے فہم و فراست پر فیصلہ چھوڑ دیا

جو قرآن مجید کو خدا کی کتاب اور آپؐ کو خدائے تعالیٰ کا رسول مانتے اور کتاب وسُنت کے اصولی احکام کو واجب التعمیل جانتے تھے اور ایک ایسے ہادیٔ برحق اور خاتم النبیین کیلئے جو تمام اقوامِ عالم اور قیامت تک کیلئے رہبرِ کامل بن کر مبعوث ہوا ہو اور جس کی شریعت منسوخ ہونے والی نہ ہو یہی مناسب بھی تھا اگر ہر جزوی معاملے میں حدود و قیود عاید کر دی جاتیں اور تمام انسانی زندگی کو ایک بے لچک سانچے میں ڈھال دیا جاتا تو انسانی زندگی پھر انسانی زندگی نہ رہتی اور چوپایوں کی سی محدود و مقید و مجبور زندگی بن جاتی جس میں انسانی ارادے اور انسانی اختیار کے لئے بھی کوئی گوشہ خالی نہ ملتا اور وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ کی بھی کہیں گنجایش نظر نہ آتی۔ کتاب وسُنت کے اصولی قوانین کو لازمی اور قابلِ عمل قرار دیکر ہر ایسی ضرورتِ پیش آمدہ کے متعلق جس کی تفصیل وتشریح یا تذکرہ کتاب وسنت میں نہ ہو کتاب وسُنت کے جاننے والوں کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنے اجتہاد سے کام لیں اور کتاب وسُنت کی روشنی میں ضروری اور ہنگامی قانون بنالیں اسی کو تفقہ۔ فقہ اور دین کی سمجھ کہتے ہیں۔ حضرت معاذؓ بن جبل کے عامل یمن بنائے جانے کے متعلق ایک حدیث ہے جسکو صحیح ابوداؤد۔ صحیح ترمذی اور دارمی میں قریباً ایک ہی سے الفاظ کے ساتھ روایت کیا گیا ہے اس حدیث کے الفاظ جو صحیح ترمذی سے نقل کئے جاتے ہیں یہ ہیں۔

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ مَعَاذًا اِلَى الْيَمَنِ فَقَالَ كَيْفَ تَقْضِيْ فَقَالَ اَقْضِيْ بِمَا فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ قَالَ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ قَالَ فَبِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ فِيْ سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ	کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذؓ کو یمن کی طرف قاضی بناکر بھیجا پس فرمایا کہ کسطرح فیصلہ کیا کریگا؟ حضرت معاذؓ نے عرض کیا کہ میں اللہ کی کتاب (قرآن مجید) کے موافق فیصلہ کیا کروں گا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اگر اللہ کی کتاب میں وہ بات نہ ہو۔ عرض کیا کہ پھر سنت رسول اللہ کی موافق کروں گا۔ آپؐ نے فرمایا اگر سنت رسول میں بھی نہ ہو۔ حضرت معاذؓ نے عرض کیا کہ

اَجْتَہِدُ رَائِیْ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ وَفَّقَ رَسُوْلَ رَسُوْلِ اللّٰہِ۔	میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ یہ سُنکر آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ الحمد للہ اللہ کے رسول کے فرستادہ کو اللہ نے توفیقِ خیر عطا فرمائی۔

اس حدیث میں آنحضرت صلعم نے حضرت معاذ کے اس جواب پر کہ اَجْتَہِدُ رَائِیْ (میں اپنی رائے قایم کرنے کی کوشش کروں گا) خدائے تعالیٰ کا شکر ادا فرمایا اور اظہارِ مسرت کیا جس سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم نے قوانینِ اخلاق اور قوانینِ سلطنت کو ایک منجمد اور ٹھوس چیز بنانا نہیں چاہا بلکہ ان قوانین کو استقرائی رکھنا چاہا ہے تاکہ انسان کے قوائے دماغیہ کی نشو و نما اور انسانی ترقیات میں کوئی رُکاوٹ پیدا نہ ہو سکے۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُّفَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ (اللہ جس کی بہتری چاہتا ہے اُسے دین کی سمجھ دیتا ہے۔) جن احادیث میں آپؐ نے امیر کی اطاعت کا حکم دیا ہے اُن سب حدیثوں سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ امور سلطنت میں امیر یا خلیفہ یا سلطان کو حسبِ ضرورت قوانین بنانے احکام نافذ کرنے اور اپنے اجتہاد سے کام لینے کا حق حاصل ہے آنحضرت صلعم نے امراء و قضاۃ و ملوک و سلاطین کے لئے تاکیدی حکم فرمایا کہ وہ عدل کو قایم کریں اور بے انصافی و ظلم سے مجتنب رہیں لیکن خود عدل و انصاف کے مفہوم کا متعین کرنا اُنھیں پر چھوڑ دیا کہ ہر قضیۂ پیش آمدہ میں خود ہی اپنے اجتہاد سے معلوم کر لیں گے کہ عدل کیا ہے۔ اسی طرح یہ فرمایا کہ امیر و حاکم کے جس حکم کی تعمیل میں خدائے تعالیٰ کے کسی حکم کی نافرمانی نہ ہوتی ہو اُس کی تعمیل ضروری ہے امیر کے ایسے احکام کی تعمیل کا ضروری قرار دینا بھی قیامِ امن و امان اور قیامِ سلطنت کے لئے جبکہ ضروری ہوا اور خود آنحضرت صلعم کے عہدِ مبارک میں قضاۃ و عمال کو اجتہاد کا اختیار دیا گیا تو کس کی مجال ہے کہ اس اختیار کو دین و مذہب کے خلاف اور گناہ قرار دے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ:-

"ہر شخص جو آنحضرت صلعم کے اصولِ احکام اور آپؐ کے فتووں کی تحقیق و تلاش کریگا تو ایک

کلیہ قاعدہ اُس کے ہاتھ آجائے گا وہ کلیہ قاعدہ یہ ہی کہ آپؐ نے نیکی کے تمام انواع مثلاً وضو غسل۔ نماز۔ زکوٰۃ۔ روزہ اور حج وغیرہ کو جن پر ملتوں کا اجماع ہے منضبط فرمادیا اور اُن کے ارکان و شروط و آداب مقرر فرمادئے اور اُن کے لئے مکروہات و مفسدات اور کمی کو پورا کرنے کی ترکیبیں وضع فرمادیں اور اس معاملے میں جیسا کہ چاہئے تھا حکم مکمل فرمادیا۔ لیکن ان کے ارکان وغیرہ کی تعریف کے متعلق زیادہ جامع و مانع بحث نہیں فرمائی اور آپؐ سے جب کبھی ان جزوی باتوں کے متعلق سوال کیا جاتا جو اُن ارکان وغیرہ سے متعلق ہوتیں تو اُن باتوں کو آپؐ اُن الفاظ مستعملہ پر ہی محمول فرمادیتے جن کو وہ لوگ اپنے دلوں میں سمجھتے تھے اور اُن کو ہدایت فرمادیتے کہ جزئیات کو اسی قسم کی کلیات سے سمجھ لیا کرو اور اس سے زیادہ ہرگز نہ فرماتے۔ مگر ہاں صرف چند مسائل میں اتفاقی اسباب کی بنا پر مثلاً قوم کے اصرار کرنے پر یا اور کسی وجہ سے کبھی کچھ تشریح بھی فرمادی۔۔۔۔۔۔۔۔
۔۔۔۔۔ آپؐ نے قبلہ رُو ہو کر نماز پڑھنے کا تو حکم دیا لیکن قبلہ کی سمت معلوم کرنے کا کوئی قاعدہ تعلیم نہیں فرمایا حالانکہ صحابۂ کرامؓ سفر کرتے رہتے تھے اور قبلہ کے معاملے میں اجتہاد کرتے تھے اور سمتِ قبلہ کے معلوم کرنے کا قاعدہ جاننے کی اُن کو سخت ضرورت تھی۔ اس کا اصل سبب یہ تھا کہ آپؐ نے اس قسم کی تمام باتیں اُنھیں لوگوں کی رائے کے سپرد کردی تھیں۔ اور آنحضرت صلعم کے اکثر فتووں کا حال ایسا ہی ہے جیسا کہ دانا مصنف پر پوشیدہ نہیں۔۔۔۔۔۔۔۔ آپؐ نے حقایق کو شروع ہی سے ماموروں کی رائے کے حوالے کردیا اور اختلافی مسائل میں کسی پر تشدد نہیں کیا درانحالیکہ اختلاف ایسے مسئلہ میں ہو جو اُن کی رائے کے سپرد تھا اور اُس میں اختلاف کا موقع بھی تھا۔"

(اقتباس از عقد الجید مصنفہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ۔ منقول از قولِ حق)

اجتہاد سے کام لینے کی ضرورت واقعات و حالات کی تبدیلیوں کے ساتھ ہی ساتھ پیش آتی ہے اور شریعتِ اسلام نے اس ضرورت کو تسلیم کیا ہی لیکن کتاب و سنت اصل الاصول کے طور پر

اپنی جگہ قایم وباقی رہتی ہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ کتاب و سنت کی خلاف ورزی بھی جائز ہو یا کتاب و سنت کی طرف سے بے نیازی ممکن ہو اور ضروریاتِ پیش آمدہ کتاب و سنت کی خلاف عمل پیرا ہونے کا حق دے سکیں۔ مسلمانوں نے جو سب سے بڑی مصیبت اپنے لئے پیدا کی ہے وہ یہ ہے کہ اُنھوں نے قدیم زمانے کے بزرگ و محترم فقہا کے اجتہاد کو جو اُنھوں نے اپنے پیش آمدہ حالات کے موافق اور اُس زمانے کے حسب حال کیا تھا اصول اور اصل الاصول کا مرتبہ دیکر آئندہ کے لئے ہر ایک مسلمان سے اجتہاد کا حق غصب کر لیا اور اُس قدیم اجتہاد کی پیروی کو لازم قرار دیکر اسلام کی اُس ہمہ گیری اور فطری لچک کو جو آنحضرت صلعم نے بڑی احتیاط واہتمام کے ساتھ قایم کی تھی ایک منجمد چیز بنا دیا۔ یہ بالکل صحیح اور عین تعلیم اسلام کے موافق ہے کہ اسلامی قوانین کتاب۔ سُنت۔ اجماع اور اجتہاد یا قیاس پر مشتمل ہیں لیکن تقلیدِ جامد کا بُرا ہو کہ اُس نے اجتہاد اور اجماع کو ایک چیستاں بنا کر سامانِ وحشت اور کتاب و سنت کو بیکار بنا دیا۔ اجماع و اجتہاد کی صحیح تعریفیں ہی ہمارے نام نہاد علماء میں مابہ النزاع بنی ہوئی ہیں۔ بجائے اسکے کہ کتاب و سنت کو پیش نظر رکھکر اجتہاد و قیاس کا حق ہر زمانے میں مسلمانوں کو حاصل ہوتا قدیم فقہا کے اجتہاد و قیاس کو اصولِ دین قرار دیکر اُسی پر غور کرنے اور اُسی کی موافق قیاس کرنے یعنی قیاس پر قیاس کرنے کو عین اسلام سمجھ لیا گیا اور کتاب و سنت کی جگہ فقہائے قدیم کے اجتہادات و قیاسات کو مل گئی اور غیر الہامی وہنگامی چیز کو وحی الٰہی اور سنت نبوی کا قایم مقام بنا کر کتاب و سنت کی طرف سے بالکل بے نیازی حاصل کر لی گئی حالانکہ قیاس کے مقیس علیہ کا منصوص ہونا لازمی تھا۔ اسطرح تقلیدِ جامد اور آبا پرستی کی بدولت کتاب و سنت سے ہجر و بُعد اور بے تعلقی اختیار کر لینے کے بد نتائج سب کے سامنے ہیں۔ اب ان تمام باتوں پر غور و فکر کر لینے کے بعد نسخۂ شفا یعنی قرآن مجید کیطرف متوجہ ہونے اور اپنی مہلک بیماری کے علاج کرنیکا موقع ہر شخص کو حاصل ہے اور حاصل رہیگا۔ وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ۔ میری کتاب قولِ حق اس مضمون کو شرح و بسط کیساتھ سمجھا دینیوالی چیز ہے فارجع الیہ

اِنتباہ

عام طور پر لوگوں نے ہر مسلمان کہلانے والے پادشاہ کی سلطنت کو اسلامی سلطنت سمجھکر ان سلاطین اور ان کی سلطنتوں کے عیوب کو اسلامی تعلیم کے سر تھوپ دیا ہے۔ مسلمانوں نے بھی اپنے نفس پرست۔ مذہب سے غافل۔ اور نالایق سلاطین کے قابلِ اعتراض اور مخالفِ اسلام طرزِ عمل کو صحیح اور جائز ثابت کرنے کی کوشش میں مبالغے سے کام لیکر غیر مسلم معترضین کے غلط اور نادرست اعتراضات میں اور بھی زیادہ اثر پیدا کر دیا اور دنیا نے بہت سی ہوا پرستوں۔ ظالموں۔ عیش پسندوں۔ اور بلکہ بعض درندوں کی حکومتوں کو اسلامی حکومتیں سمجھ لیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام اور اسلامی نظامِ سلطنت کا صحیح مفہوم آج کسی کو سمجھانا بیحد دشوار کام ہو گیا اور اس سے تبلیغ اسلام اور عالمِ انسانیت کی صلاح و فلاح کے کام کو سخت نقصان پہونچا۔

میرے نزدیک اب وقت آگیا ہی کہ ہم اسلام کی محبت کو مسلمان کہلانے والے پادشاہوں کی محبت پر مقدم قرار دیں اور بجائے اسکے کہ غیر مسلم طعن و تشنیع کرنے والوں کے مقابلے میں ان کی حمایت کا غیر ضروری کام کیا جائے یہ ثابت کرنے کی کوشش کریں کہ قرآن مجید اور سُنتِ نبوی صلعم کی خلاف ورزی کر کے اُنھوں نے کیا کیا خرابیاں پیدا کیں اور تعلیماتِ اسلامیہ سے جُدا ہونے کے نتیجے میں عالمِ بشریت نے کس قدر نقصان اُٹھایا۔ خدا و رسول کے احکام کی پرواہ نہ کرنے والے گنہگاروں کو محض اسلیئے اپنی حمایت میں لینا اور اُنکی طرف سے سینہ سپر بننا اور اُن کے عیوب پر پردہ ڈالنا کہ وہ مسلمانوں کے سے نام رکھتے یا مسلمانوں کے گھر پیدا ہوئی یا مسلمان ہونیکے مدعی تھے ہرگز ہرگز جائز نہیں۔ مسلمانوں کے طرزِ عمل کی یہ ذراسی تبدیلی اسلام کے لئے یقیناً بیحد مفید اور غیر مسلموں کو اسلام کا گرویدہ بنانے کا موجب ہو سکتی ہی۔ بیجا تعصب کا ترک کر دینا ذرا بھی مشکل نہیں بلکہ بہت ہی خوشگوار اور آسان کام ہے اس سے قلب کو زندگی اور روح کو راحت حاصل ہوتی ہے۔ اس آسان کام کو انجام دیکر ہم اسلام کے لئے

ایک بڑا کام انجام دے سکتے اور اُن مسلمان بادشاہوں کی جو سچے پکے مسلمان تھے پُر اثر زبردست اور صحیح حمایت کر سکتے ہیں اور اسکے لئے اسی زمانے میں سب سے بہتر موقع میسر ہی جبکہ مؤرخ کا قلم ایک حد تک مستبد سلاطین کے اثر و اقتدار سے آزاد ہے۔ فَتَدَبَّرُوْا

اِن چند سطروں کو ملاحظہ فرما کر میرے احباب اُس تاریخ ہند کا صحیح اندازہ فرما سکتے ہیں جس کو میں مستقبل قریب میں شایع کرنے کا قصد رکھتا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ میرے بعض پُرجوش اور ناعاقبت اندیش دوستوں کو میرے مذکورہ الفاظ افسردہ خاطر بنا دیں گے کیونکہ اُن کا اندازہ میرے متعلق غالباً کچھ اور تھا۔ لیکن حق اور اسلام اور رضائے الٰہی کے لئے بعض کیا تمام دوستوں کو بھی اگر ضرورت پڑے تو میں اپنے ہاتھ سے ذبح کر ڈالنے کی ہمت رکھتا ہوں۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۝ ٥

ازبس کہ سراپا زغمِ عشق تو داغم   چوں کاغذِ آتش زدہ یک شہر چراغم

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ۝ وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ۝
وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۝

اکبر شاہ خاں
نجیب آباد

خاتمہ

اسلامی نظامِ سلطنت

"جب اس کتاب کی کاپیاں لکھی جا چکیں تو میں نے مُصنف علام کو توجہ دلائی کہ آپ نے اپنی مشہور آفاق کتاب "آئینۂ حقیقت نما" کے مقدمہ میں منجملہ اور ضروری مضامین کے ایک مضمون اسلامی نظامِ سلطنت کے عنوان سے بھی لکھا ہے اور وہ مضمون اس کتاب موسومہ نظامِ سلطنت کا خاتمہ بن سکتا ہے۔ حضرت مولانا کو اس کا مطلق خیال نہ رہا تھا کہ وہ اس عنوان کے ماتحت آئینۂ حقیقت نما میں کچھ لکھ چکے ہیں۔ مجھ سے کہا کہ لاؤ دکھاؤ کہاں لکھا ہے چنانچہ میں نے آئینۂ حقیقت کے مقدمہ میں مذکور عنوان نکال کر پیش کیا اور عرض کیا کہ اس مضمون کو نظامِ سلطنت کے خاتمہ میں درج کرنے کی اجازت دیجئے۔ چنانچہ اجازت مل گئی اور میں اس کو آئینۂ حقیقت نما جلد اول سے ذیل میں نقل کرانے کا شرف حاصل کرتا ہوں۔ میرا خیال ہی کہ یہ مضمون بہت ہی باموقع درج ہو رہا ہے۔"

نیاز مند

محمد ایوب خان

۲ر جنوری ۱۹۳۵ء

اسلامی نظامِ سلطنت

فکرِ عمیق اور کافی غور و تدقیق سے کام لیا جائے تو یہ حقیقت ضرور بے پردہ ہو جائیگی کہ دُنیا کی سب سے بڑی مصیبت اور نوعِ انسان کی سب سے بڑی ہلاکت و لعنت یہ ہے کہ طاقتور انسان کمزور انسان کو دبانے۔ ڈرانے۔ اُس کے حقوق چھیننے اور غصب کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے

دوسرے لفظوں میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ دُنیا میں عام طور پر عدل و انصاف کے قیام میں مشکلات حائل رہی ہیں۔ آریوں نے طاقت پاکر غیر آریوں کو۔ برہمنوں اور چھتریوں نے شودروں کو جس طرح دبایا۔ ڈرایا اور اُن کے حقوق سے محروم کیا عالم آشکارا ہے۔ رومیوں نے افریقیوں پر غلبہ پایا تو کسی درگذر اور رعایت کو جائز نہ رکھا۔ مصریوں نے شامیوں کو اور یونانیوں نے ایرانیوں کو اپنے آپ سے کمزور پاکر خون کے دریا بہانے اور کمزوروں کو انسانی حقوق سے محروم کرنے میں کوئی کوتاہی روا نہ رکھی۔ گاتھ اور گال نے طاقت پاکر کمزوروں کو چوپایوں سے بدتر سمجھا اور مغول نے چیرہ دست ہو کر مغلوبوں کے لوٹنے۔ قتل کرنے میں جنگل کے درندوں اور بھیڑیوں کو مات کر دیا۔ نوعِ انسان میں عورت مرد کے مقابلہ میں کمزور تھی لہذا ہر ملک اور ہر قوم نے عورت کو اس قدر ذلیل بنایا کہ وہ چوپایوں اور جمادی جائدادوں کی طرح مرد کی بے زبان ملکیت سمجھی گئی۔ قانون منو نے عورت کا جو مرتبہ قایم کیا ہے اُس کے تصور سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں عربوں نے دختر کشی کو جیسا قابل فخر کام سمجھا تھا اُس کی روئداد پڑھکر بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ غرض دُنیا کا کوئی ملک ایسا نہیں بتایا جاسکتا جہاں طاقتوروں نے کمزوروں کو مظالم کا تختۂ مشق نہ بنایا ہو اور ضعیفوں کو طاقتوروں کے آگے اپنے شرف انسانیت سے دست بردار نہ ہونا پڑا ہو۔ فرعون مصر نے اگر خدائی کا دعویٰ کر کے لوگوں سے اپنے روبرو سجدہ کرایا تھا تو اس تہذیب و شائستگی کے زمانے میں آج بھی اکثر عمال سلطنت کے متعلق سُنا جاتا ہے کہ کسی کے جھک کر سلام نہ کرنے اور تعظیم کے لئے کھڑے نہ ہونے پر اُس کو پٹواتے اور بعض اوقات تو تھوک کر چٹواتے ہیں۔ دُنیا میں طاقتوروں کے ظلم و غرور کی جس قدر لمبی عمر ہے اُسی قدر کمزوروں کی بُزدلی اور بیجا خوشامد طویل العمر ہے۔ دنیا کے یہ دونوں مرض سب سے زیادہ پُرانے اور سب سے زیادہ انسانی شرف کو برباد کرنے والے ہیں۔ انھیں دونوں پلید بیماریوں نے انسان کو خدا تعالیٰ کی معرفت اور عبادت سے باز رکھکر یا تو خود خدائی کا مدعی اور دہریہ بنایا یا مشرک اور بُت پرست

بنا کر پتھروں اور زہریلے کیڑوں کے آگے اُس کا سر جھکایا۔ ان دونوں مذکورہ بیماریوں کے دُور کرنے اور انسان کو اُس کی شرافت پر قایم رکھنے کے لئے خدائے تعالےٰ نے ہر زمانے میں ہادی۔ رہبر۔ اوتار۔ خشور اور رسول بھیجے جنھوں نے طاقتوروں کو ظلم وستم سے روکنے اور کمزوروں کو ظالموں کے مقابلہ میں اپنے حقوق کی حفاظت پر آمادہ کرنے یعنی تمام طاقتوں کے مالک اور معبودِ حقیقی کی عبادت وفرمانبرداری بجالانے پر مستعد کیا۔ جب سے اس ربع مسکون پر نسل انسانی آباد ہے اُسی وقت سے مذکورہ دونوں بیماریاں انسانوں میں موجود ہیں اور اسی وقت سے ان دونوں بیماریوں کے معالج یعنی پیغمبروں کی تعلیمات کا سلسلہ جاری ہے وَاِنْ مِّنْ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلَا فِیْھَا نَذِیْرٌ۔ ان پیغمبروں اور ہادیوں نے ہمیشہ انسان کو انسانیت پر قایم رکھنے کی کوشش کی اور انسانوں کے باہمی تعلقات کو خوشگوار رکھکر معبودِ حقیقی کی عبادت بجالانے کی فراغت اُن کیلئے مہیا کی۔ اس کوشش میں اُن کو کبھی وعظ وپند سے کام لینا پڑا۔ کبھی ضعیفوں کو بہادر بنا کر کج فہم اور سرکش ظالموں کا سر توڑنے اور اُنکے کبروغرور کو خاک میں ملانے کی ضرورت پیش آئی۔ دُنیا کے ہادیوں اور پیغمبروں کی تاریخ اس قسم کے واقعات سے لبریز ہے۔ انھیں ہادیوں اور رہبروں کی لائی ہوئی تعلیمات کا نتیجہ تھا کہ دنیا میں بار بار ظلم وعصیان اور جور وطغیان کے طوفان برپا ہونے کے بعد فرو ہوگئے۔ سب سے بڑا اور عظیم الشان طوفان جس نے تمام رُبع مسکوں کا احاطہ کرلیا تھا اُس وقت برپا تھا جبکہ رہبرِ کاملِ عالمِ انسانیت کو اُس کا حق واپس دلانے کے لئے مبعوث ہونے والا تھا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

مندرجۂ بالا تمہید سے غالباً یہ بات بخوبی سمجھ میں آگئی ہوگی کہ انسانی آبادی کے لئے نظام سلطنت جس چیز کا نام ہے وہ اگر دنیا میں عدل وانصاف قایم کرنے اور حقوق انسانی کی حفاظت کا ذریعہ ہے تو وہ ہادیانِ برحق کی تعلیمات کا نتیجہ ہو سکتا ہے اور اسی لئے کہا جا سکتا ہے کہ نسل انسانی کی بہبود وفلاح کے لئے سلطنت وحکومت کے جس قدر نظام قایم ہوئے وہ سب کے سب پیغمبروں۔ رسولوں اور ہادیوں کے قایم کئے ہوئے یا اُن کی تعلیمات سے ماخوذ تھے

آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ دُنیا کے آخری اور سب سے بڑے اور کامل ہادی تھے اس لئے نوع انسان کی بہبود وفلاح کے لئے آپ کی لائی ہوئی شریعت یعنی اسلام سے ہمکو سب سے بڑی یہی توقع ہو سکتی تھی کہ وہ سب سے بہتر نظامِ سلطنت پیش کریگا۔ آؤ ہم اپنی فکر وتمیز اور فہم وعقل کی کسوٹی پر بھی اس کو پرکھ کر دیکھ لیں۔

پُرانے مذہبوں نے نسل انسانی کے حقوق کی حفاظت کے لئے جو نظامِ سلطنت قائم کئے تھے وہ ہمیشہ نوع انسان کی مذکورہ پشتینی بیماریوں کے بار بار عود کر آنے کے سبب درہم برہم ہو ہو گئے اور نئے ہادیوں اور نئے رسولوں کے آنے کی ضرورت پیش آتی رہی۔ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ایسی شریعت لیکر آئے جو آج تک من کل الوجوہ محفوظ اور ہر قسم کی تحریف وتبدیل سے پاک موجود ہے اور آئندہ بھی اُس کے متغیر ومتبدل ہونے کا امکان نہیں لہٰذا اسلامی نظامِ سلطنت میں اگر انسان کی قدیمی بیماریوں کے عود کر آنے کی وجہ سے کوئی اختلال پیدا ہو تو اُس کی اصلاح کے لئے ہمکو صرف شریعت اسلامی کی طرف متوجہ ہونا پڑیگا جو محفوظ وموجود ہے کسی دوسری شریعت اور دوسرے ہادی کے انتظار کی ضرورت نہیں جس طرح ہر شریعت ایک ہادی اور پیغمبر کی اطاعت انسان سے چاہتی رہی ہے اسی طرح اسلام بھی نوع انسان کی فلاح وبہبود کے لئے انسان سے پیغمبر اسلام کی اتباع اور نظامِ اسلام یعنی قرآن کریم کی دی ہوئی تعلیم کی تعمیل چاہتا ہے جس طرح ہر ایک مذہب انسان کو غلامی اور خواری سے نکالکر آزادی وحریت عطا کرنے کیلئے احکامِ خداوندی یعنی مذہب اور احکامِ مذہب کی اطاعت چاہتا رہا ہے اسی طرح اسلام بھی انسان کو غلامی کے طوق سے آزاد کرنے کے لئے فرمانبرداری کا خواہاں ہے۔

تمام مذاہب کے احکام دو حصوں میں تقسیم کئے جا سکتے ہیں ایک کو تعظیم لامر اللہ اور دوسرے کو شفقت علیٰ خلق اللہ یا ایک کو عبادات اور دوسرے کو معاملات کہہ سکتے ہیں اسی دوسرے حصے کو سلطنت سمجھنا چاہئے۔

اسلام تجویز کرتا ہے کہ تمام انسان یکساں حقوق رکھتے ہیں۔ پیدائشی طور پر کسی انسان کو دوسرے انسان پر محض خاندان یا قوم کی وجہ سے کوئی فضیلت و برتری حاصل نہیں ہے۔ ہاں اپنے اعمال سے ہر شخص اپنے مرتبہ اور استحقاق کو بڑھا یا گھٹا سکتا ہے۔ کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ جبکہ محفوظ و موجود ہے تو تمام سمجھدار لوگ کسی ایک شخص کو منتخب کر کے اپنا امیر اور قانون کے نافذ کرنے کا مہتمم بنالیں۔ اس امیر کو منتخب ہونے کے بعد شاہانہ اختیارات حاصل ہو جاتے ہیں لیکن ایسے اختیارات حاصل نہیں ہو سکتے کہ وہ مسئول نہ ہو سکے بلکہ وہ قانون یعنی شریعت کے قائم کئے ہوئے اصول و احکام کے ماتحت ملک و قوم میں امن و انتظام قائم رکھنے کا ذمہ دار ہوتا ہے اور ہر ایک شخص اُس کو کوئی خلاف قانون کام کرتے ہوئے دیکھکر روک ٹوک کر سکتا اور ہر معاملے میں اُس سے جواب طلب کرنے کا آزادانہ حق رکھتا ہے اس امیر یا بادشاہ کو خلیفہ کہتے ہیں۔ خلیفہ کو بیت المال کا بھی انتظام کرنا پڑتا ہے۔ بیت المال میں جو روپیہ یا مال جمع ہوتا ہے وہ رعایا کا مشترکہ خزانہ ہے خلیفہ کو اپنی ذات یا اپنی ذاتی خواہشات کے لئے بیت المال سے کچھ بھی خرچ کرنے کا اختیار نہیں اُس کی حیثیت محض ایک امین یا مہتمم کی ہوتی ہے وہ رفاہِ رعایا اور مخلوقِ خدا کے فائدے کے لئے اس خزانے کو خرچ کرتا ہے۔ یتیموں۔ بیواؤں۔ محتاجوں۔ مسافروں کی امداد اور فوج و پولیس وغیرہ کے مصارف میں بیت المال کا روپیہ خرچ ہوتا ہے۔ اگر ملک میں بغاوت ہو تو اُس کے فرو کرنے اور بدامنی کو امن و امان سے تبدیل کرنے کی تدابیر عمل میں لاتا ہے۔ مظلوموں کے حقوق ظالموں سے دلاتا اور ہر ایک بدمعاش کو تکلے کی طرح سیدھا بنا دیتا ہے۔ چوروں۔ ڈاکوؤں اور رہزنوں کو سزائیں دیتا اور رعایا کی جان و مال و آبرو کی حفاظت و نگرانی کرتا ہے۔ انفصالِ خصومات میں عدل و انصاف کو مدنظر رکھتا اور مسلم وغیر مسلم کا اس عدل کے معاملے میں کوئی امتیاز نہیں کرتا ہے۔ تمام بیحیائی کے کاموں کو روکتا ہے اور لوگوں کو پُرامن اور سنجیدہ زندگی بسر کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ ملک کی حفاظت کے لئے فوج کی ضرورت ہو تو مسلمانوں کی فوج بھرتی کرتا ہے لیکن

غیر مسلموں کو فوج میں بھرتی ہونیکے لئے مجبور نہیں کرتا۔ بیرونی حملات۔ اندرونی فسادات اور ہر قسم کی بے راہ روی کے مٹانے اور دور کرنے نیز رفاہِ رعایا کے اہتمام کے لئے بیت المال مین خزانہ فراہم ہونے کے ذرائع یہ ہیں کہ مسلمانوں سے زکوٰۃ وعشر کے ذریعہ روپیہ وصول ہوتا ہے جس کی تشریح خود احکامِ شرع میں موجود ہے۔ اسی طرح غیر مسلموں سے ایک نہایت خفیف اور معمولی ٹیکس جزیہ کے نام سے وصول کیا جاتا ہے غیر مسلموں کو سوائے اس جزیہ کے اور کوئی ٹیکس ادا کرنا نہیں پڑتا۔ لیکن مسلمانوں کو زکوٰۃ کے علاوہ صدقات اور ضرورت کیوقت بڑے بڑے چندے ادا کرنے پڑتے ہیں مسلمان فوجی خدمات ادا کرنے پر بھی مجبور ہیں اور زکوٰۃ وغیرہ سے بھی کسی حالتیں معاف نہیں کئے جا سکتے غیر مسلم اگر اپنی خوشی سے فوجی خدمات ادا کرنے پر آمادہ ہوں تو جزیہ سے معاف ہو جاتے ہیں۔ غیر مسلموں کے مقابلے میں مسلمانوں کے جان ومال کو اس لئے زیادہ خرچ کیا جاتا ہے کہ یہ نوعِ انسان کی فلاح وبہبود کے زیادہ خواہاں اور امن وامان کی قدر وقیمت کو پہچاننے کے سبب اُس کے قیام کے ذمہ دار ہیں خلیفہ مسلمانوں کو نماز وروزہ۔ حج وزکوٰۃ وغیرہ عبادات پر قائم رکھتا اور ان چیزوں کے ادا کرانیکا اہتمام کرتا ہے غیر مسلم رعایا کے عبادت خانوں کی حفاظت کا بھی خلیفہ اسی طرح ذمہ دار ہی جس طرح غیر مسلموں کی جان ومال کی حفاظت اُس کا فرض ہی۔ راستوں کی حفاظت اور تجارت وصنعت وزراعت کی ترقی کی تدابیر عمل میں لانا بھی خلیفہ کے فرایض میں داخل ہی خودرو پیداوار یعنی جنگلوں۔ پہاڑوں اور دریاؤں سے حاصل ہونے والی چیزیں تمام لوگوں کی مشترکہ ملکیت ہیں ان پر کوئی ٹیکس حکومت کی طرف سے عائد نہیں کیا جا سکتا۔ اسلامی نظامِ سلطنت کا کامل نمونہ خلفائے راشدین کی حکومت وسلطنت ہی۔ جو شخص پورے اور مکمل اسلامی نظامِ سلطنت سے واقف ہونا چاہے وہ خلفائے راشدین کے حالات مطالعہ کرے۔ اسلام نے اپنے سکھائے ہوئے اخلاق پر چونکہ مدارِ حکومت رکھا ہے لہٰذا اُس نے دوسری قوموں یعنی دوسرے مذاہب کے ماننے والوں پر حکومت کرنے میں کسی بے اعتمادی کے دخل کو مطلق

ضروری نہیں سمجھا اور اس بات کی بھی اجازت دیدی کہ تم دوسری قوموں یعنی دوسرے مذہب والوں کو بھی عاملانہ عہدے دے سکتے ہو کیونکہ مسلمان اگر سچے پکے مسلمان ہوں تو کبھی اس قدر کمزور ہو ہی نہیں سکتے کہ دوسروں سے مغلوب ہو جائیں بخلاف دوسرے مذاہب اور دوسری قوموں کے کہ اُنھوں نے دوسروں پر مطلق اعتماد نہیں کیا۔ خلیفہ اگر غلط روی اختیار کرے تو اُس کو مسلمانوں کی جماعت فوراً معزول کر سکتی اور دوسرے موزوں شخص کو انتخاب کر لینے کا حق رکھتی ہے۔ لیکن بلا وجہ خلیفہ کے حکم سے سرتابی اور اُس کی نافرمانی جرمِ عظیم اور بغاوت ٹھہرائی گئی ہے خلیفہ کے انتخاب میں کسی وراثت کسی خاندانی یا قومی استحقاق کو رتّی برابر بھی دخل نہیں ہے۔ آنحضرت صلعم کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ استحقاق قابلیت کی بناء پر مسلمانوں کے خلیفہ منتخب ہوئے اُن کے بعد باوجود اس کے کہ اُن کے جوان۔ بہادر۔ عقلمند اور لایق بیٹے موجود تھے حضرت عمر فاروق اعظم رضؓ خلیفہ منتخب ہوئے جو حضرت ابو بکرؓ سے کوئی قریبی رشتہ داری نہیں رکھتے تھے۔ فاروق اعظمؓ کے بعد حضرت عثمان غنیؓ خلیفہ ہوئے حالانکہ فاروق اعظمؓ کے نہایت لایق و فائق بیٹے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ موجود تھے حضرت عثمان غنیؓ کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ خلیفہ منتخب ہوئے حالانکہ حضرت عثمان غنیؓ کے بیٹے اور قریبی رشتہ دار موجود تھے خلافت راشدہ نے صاف طور پر تعلیم اسلامی کا بہترین نمونہ پیش کر دیا ہے کہ سلطنت اور حکومت کسی خاص خاندان اور کسی مخصوص قبیلہ کا حق نہیں ہے۔ اسلام اگر اس خاندانی حق اور امر سلطنت میں وراثت کو تسلیم کرتا تو صدہا اسلام میں ایسی بے عنوانی ہرگز نہیں ہو سکتی تھی۔ حقیقت یہ ہی کہ اسلام ہی نے سب سے پہلے وراثتی شخصی سلطنت کی لعنت کو دنیا سے مٹایا اور بتایا کہ حکومت و سلطنت ایک امانت ہے جو تمام لوگوں کی طرف سے کسی ایک شخص کو سپرد کی جاتی ہے۔

جب وہ شخص فوت ہو یا معزول کیا جائے تو اُس کی جگہ پھر تمام سمجھدار لوگ کسی دوسرے شخص کو منتخب کر کے قایم کر دیں اس طرح دنیا میں نہ کوئی شاہی خاندان موجود ہو سکتا ہے

نہ کوئی فرمانروا اپنے بیٹے کو اپنا ولیعہد بنانے کا خیال دل میں لا سکتا ہے۔ ساتھ ہی اس بات کو بھی لازمی قرار دیا کہ ہر خلیفہ تمام اعاظم امور میں اقدام سے پیشتر لوگوں سے مشورہ ضرور کرے اور ایک مجلس شوریٰ ہمیشہ امورِ سلطنت میں خلیفہ کو امداد پہنچاتی رہے۔ خلفائے راشدین کو جب کوئی اہم معاملہ پیش آتا تو وہ منادی کو حکم دیتے کہ الصلوۃ جامعۃ کی آواز بلند کرتا ہوا گلی کوچوں میں سے گذر جائے۔ اس اعلان کو سنتے ہی تمام لوگ مسجد نبوی میں جمع ہو جاتے خلیفہ ممبر پر چڑھ کر حمد و نعت کے بعد حاضرین کے سامنے ایک مختصر اور جامع تقریر میں وہ مسئلہ پیش کر دیتا صاحب الرائے اور سمجھدار لوگ باری باری سے تقریریں اُس مسئلہ کے متعلق کرتے اور آخر میں کثرت رائے سے فیصلہ ہو جاتا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلیفہ منتخب ہونے کے بعد اپنی سب سے پہلی تقریر میں فرمایا کہ

"لوگو میں تمہارا خلیفہ مقرر ہوا ہوں حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں اگر میں ٹھیک کام کروں تو مجھے مدد دو اور اگر میں غلط روی اختیار کروں تو مجھکو سیدھا کر دو۔"

حضرت فاروق اعظمؓ کے عہد خلافت میں ایک مرتبہ مجلس شوریٰ منعقد ہوئی اور اختلاف آرا ہوا تو فاروق اعظمؓ نے اس موقع پر ایک تقریر کی جس میں فرمایا کہ

"میں بھی تم میں سے ایک کے برابر ہوں میرا یہ منشا نہیں کہ میں جو چاہتا ہوں اس کو آپ لوگ بھی مان لیں۔"

بہرحال اسلام نے سب سے پہلے باقاعدہ اور موثر طریقے سے شخصی وراثتی سلطنت کے سلسلے کو مٹانے کی کوشش کی۔ اگرچہ کچھ دنوں کے بعد مسلمانوں کی غفلت اور بدنصیبی سے خود مسلمانوں کے اندر موروثی سلطنت کا سلسلہ جاری ہو گیا مگر پھر بھی مسلمانوں میں اسلامی نظام سلطنت کے اصول نمایاں رہے اس مروجہ جمہوریت میں جو جو خرابیاں شخصی سلطنت کے حامیوں نے بیان کی ہیں اسلام کی مجوزہ سلطنت میں اُس قسم کی خرابیوں میں سے ایک بھی ثابت نہیں کیجا سکتی۔ مسلمان اپنے حکمراں کو اگر وہ خدا اور رسول کے حکم کی مخالفت میں کوئی حرکت

کرے تو فوراً روکنے اور ٹوکنے کا قانونی حق رکھتے ہیں لیکن اُس کے ہر ایک حکم کی تعمیل کو جو قرآن و سنّت کے خلاف نہ ہو ضروری سمجھتے اور اُس سے بغاوت و سرکشی کے خیال تک کو دل میں نہیں آنے دیتے۔ مسلمانوں کو جبکہ یہ حق حاصل ہے کہ وہ خدا اور رسول کے احکام کی خلاف ورزی پر اپنے خلیفہ کو معزول کر سکتے ہیں تو پھر اس سے بڑھ کر اور کیا حماقت ہو سکتی ہو کہ ایک تجربہ کار مفید ملک و قوم۔ نیک طینت۔ نیک نیت اور قیمتی شخص کو جو اپنے فرائض عمدگی سے بجا لا رہا ہے محض اس لئے کہ اُس کو تین یا پانچ سال کی مدت گذر چکی ہو معزول کر کے نئے انتخاب کی زحمت گوارا کریں اور کسی نئے تجربہ کی مصیبت میں اپنے آپ کو مبتلا کریں۔

عیسائیت نے مال و دولت کا مرتبہ مذہباً اس قدر ذلیل ٹھیرایا ہے کہ دولتمندوں کو آسمانی بادشاہت میں داخل ہونے سے روک دیا ہے۔ بودھ مذہب نے پیشوایان مذہب کو گداگر بننے کی اجازت دی ہو مگر اسلام نے مال کو سامانِ معیشت قرار دے کر اُس کا اصلی مرتبہ ظاہر فرمادیا ہے۔ ملک کے تمام باشندوں یا تمام بنی نوع انسان کے اندر مالی مساوات محال اور عقلاً اشتراکیت و بولشویت کے اصول ناقابل عمل ہیں مگر ملک و قوم کی فلاح و بہبود کے لئے یہ ماننا ضروری ہے کہ جس قدر مال و دولت افراد کے قبضہ میں ہے وہ تمام مجموعی طور پر ملک و قوم کی دولت ہے اور اسی لئے قوم کے ہر فرد کا فرض ہے کہ وہ دوسرے شخص کی دولت کو برباد اور تلف ہونے سے بچائے تاکہ ملک و قوم کی دولت میں کمی واقع نہ ہو اور اگر کوئی شخص اپنی دولت خود اپنے ہاتھ سے برباد کر رہا ہو تو دوسرے کا فرض ہو کہ وہ اُس کو اس غلطی سے روک دے۔ اسلام نے اس حقیقت کو مدنظر رکھ کر حکم دیا ہے کہ لَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمْ (اپنے اموال بے وقوفوں کے سپرد نہ کرو) اسی طرح لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ (انسان جو کچھ کوشش کرتا ہے وہی اُس کے لئے ہے) فرما کر ہر شخص کو کسبِ معاش کی طرف متوجہ کر دیا ہو رشوت کو جو انسان کے لئے بلا استحقاق آمدنی ہو اسلام نے ناجائز قرار دیا ہے۔ تجارت کی تو اسلام نے ترغیب دی ہے لیکن سود خوری کو اس لئے ممنوع قرار دیا کہ اسمیں بہت سی

اخلاقی اور اقتصادی مضرتیں مضمر ہیں سود خوری سے انسان کی باہمی محبت و مہربانی و ہمدردی کی صفتِ حسنہ معدوم ہو جاتی ہے۔ بے محنت دولت کمانے سے انسان آرام طلب اور بزدل ہو جاتا ہے۔ سود خوری کے رواج سے ملک کی تمام دولت بتدریج سمٹ کر ایک محدود گروہ کے قبضہ میں آجاتی ہے اور باقی لوگوں کو مظلومانہ طور پر افلاس میں مبتلا ہونا پڑتا ہے غلہ یا دوسری ضروریات زندگی کی چیزوں کو گرانی کے انتظار میں فروخت نہ کرنے اور روکے رکھنے کو بھی اسلام نے منع کیا ہے کیونکہ اس سے اگرچہ ایک شخص کو فائدہ پہنچتا ہے لیکن باقی تمام لوگوں کو اس سے اذیت ہوتی ہے۔ قمار بازی اور شراب خواری کو بھی اسلام نے ممنوع قرار دیا ہے کیونکہ ان چیزوں سے فتنے اور فسادات پیدا ہوتے ہیں۔

آج کل کے یورپی ملکوں کو اپنی تہذیب اور ترقی یافتہ حالت پر بڑا غرور اور گھمنڈ ہے لیکن انھیں ملکوں میں آئے دن اُن کے نظام سلطنت کو ظالمانہ قرار دینے والے گروہ پیدا ہو رہے ہیں۔ ای بلفورٹ ایک فلاسفر کا قول ہے۔

"وہ وقت قریب ہے جبکہ کسی انسان کو محب وطن یا وطن پرست کہدینا اُسکی انتہائی توہین ہوگی کیونکہ ہم اتفاق سے ایک ایسے زمانے میں پیدا ہوئے ہیں جس میں مخصوص نظام حکومت اور ممتاز طبقہ کے افراد کے مفاد کی خاطر غارتگری کا بازار گرم ہے۔ اسی غارت گری کو حب الوطنی کہا جاتا ہے"

اس قول کے قائل ای بلفورٹ نے آجکل کی مہذب عیسائی سلطنتوں اور جمہوریتوں کی بداعمالیوں سے تنگ آکر مندرجہ بالا الفاظ کہے ہیں۔ روس کا سب سے بڑا مدبر طالسطائی کہتا ہے کہ نوع انسان میں سے ہر قسم کے ملکی و قومی و خاندانی امتیازات بکلی مٹا دینے چاہئیں ان لوگوں نے یورپی اور عیسائی جمہوریتوں کے مفاسد و مظالم کا گہرا مطالعہ کرنے کے بعد یہ باتیں زبان سے نکالی ہیں لیکن اسلام ملکی و قومی امتیازات کو تسلیم کرتا ہوا وہ نظام سلطنت اور وہ اخلاقی تعلیم پیش کرتا ہے کہ ای بلفورٹ اور طالسطائی کو اس قسم کی خلاف فطرت انسانی تجاویز پیش کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی اور ہر قسم کے مفاسد و مظالم کا پورے

طور پر سدِّ باب ہو جاتا ہے اور انسان نہایت آسانی سے سعادت انسانی تک پہنچنے کی سہولت پا جاتا ہے منطقۂ حارّہ کو جس طرح منطقۂ باردہ نہیں بنایا جا سکتا اسی طرح اقوام عالم کے خصوصی امتیازات اور انسان کی حب الوطنی کو فنا نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا اسلام نے قبائل وشعب کے امتیازات اور انسان کے جذبۂ حب الوطنی کی بخوبی تکریم کی ہے مگر اس امتیاز قومی اور حب الوطنی کو کہیں بھی ایسا ناجائز موقع نہیں دیا کہ وہ نوع انسانی پر مظالم روا رکھنے کا ذریعہ بن سکے۔

غیر مسلموں کی گواہی

(۱) امریکہ کے مشہور عالم ڈریپر کا قول ہے۔

"دنیا کی تاریخ میں کوئی مذہب اتنی جلدی اور اس قدر وسعت کے ساتھ نہیں پھیلا جتنا کہ مذہب اسلام تھوڑے ہی عرصہ میں کوہ التائی سے لیکر بحر اوکاہل تک اور ایشیا کے مرکز سے افریقہ کے مغربی کناروں تک جا پہنچا"

اس قول کو پڑھ کر سوچنا چاہئے کہ اسلام کی یہ حیرت انگیز اشاعت تلوار یعنی جبر و تشدد کے ذریعہ ہوئی تھی یا اپنے اعلیٰ اصول اور مفید تعلیمات کے ذریعہ۔

(۲) سر ولیم میور (لائف آف محمدؐ کا مصنف) جو اسلام کی مخالفت میں شہرت حاصل کر چکا ہے ایک جگہ مندرجہ ذیل الفاظ لکھنے پر مجبور ہو گیا ہے۔

"اسلام نے ہمیشہ کے واسطے توہمات باطلہ کو جن کی تاریکی مدتوں سے چھا رہی تھی کالعدم کر دیا۔ مذہب اسلام اس بات پر فخر کر سکتا ہے کہ اُس میں پرہیزگاری کا ایک ایسا درجہ موجود ہے جو کسی اور مذہب میں نہیں پایا جاتا"

(۳) چیمبرز ان سائیکلو پیڈیا میں ایک آرٹکل لکھنے والا لکھتا ہے کہ یورپ میں علوم و فنون کی ترقی کا اصل سبب اسلام ہی ہوا ہے"

(۴) ڈاکٹر گستاولی بان فرانسیسی لکھتا ہے کہ

"جس وقت ہم فتوحات عرب پر نظر ڈالیں گے اور اُن کی کامیابی کے اسباب کو ابھار کر

دکھائیں گے تو معلوم ہو گا کہ اشاعت مذہب میں تلوار سے مطلق کام نہیں لیا گیا کیونکہ مسلمان ہمیشہ مفتوح اقوام کو اپنے مذاہب کی پابندی میں آزاد چھوڑ دیتے تھے اگر اقوام عیسوی نے اپنے فاتحین کے دین کو قبول کر لیا اور بالآخر اُن کی زبان کو بھی اختیار کیا تو یہ محض اس وجہ سے تھا کہ اُنھوں نے اپنے جدید حاکموں کو اُن قدیم حاکموں سے جن کی حکومت میں اُس وقت تک تھے بہت زیادہ منصف پایا اُن کے مذہب کو اپنے مذہب سے بہت زیادہ سچا اور سادہ پایا یہ امر تاریخ سے ثابت ہو چکا ہے کہ کوئی مذہب بزور شمشیر نہیں پھیل سکتا۔ جس وقت عیسویوں نے اندلس کو عربوں سے فتح کر لیا اُس وقت اس مفتوح قوم نے جان دینا قبول کیا لیکن مذہب کا بدلنا قبول نہیں کیا۔ فی الواقع دین اسلام بعوض اسکے کہ بزور شمشیر پھیلایا گیا ہو محض بہ ترغیب اور بزور تقریر شائع کیا گیا ہے اور یہی ترغیب تھی جس نے اقوام ترک و مغل کو بھی جنھوں نے آگے چلکر عربوں کو مغلوب کیا دین اسلام قبول کرنے پر آمادہ کر دیا۔ چین میں بھی اشاعت اسلام کچھ کم نہیں ہوئی (منقول از تمدن عرب)

(۵) رابرٹس اپنی تاریخ چارلس پنجم میں لکھتا ہے کہ

"وہ مسلمان ہی تھے جن میں اشاعت مذہب کے جوش کے ساتھ رواداری ملی ہوئی تھی ایک طرف تو وہ اپنے پیغمبر کے دین کو پھیلاتے تھے دوسری طرف اُن اشخاص کو جو اُسے قبول نہیں کرتے اپنے اصلی ادیان پر قایم رہنے دیتے تھے۔"

(۶) میشو رہبان اپنی کتاب سفر مشرق میں لکھتا ہے کہ

"عیسائیوں کیلئے نہایت افسوس کی بات ہے کہ مذہبی رواداری جو مختلف اقوام میں ایک بڑا قانون مروت ہے عیسائیوں کو مسلمانوں نے سکھایا۔ یہ بھی ایک ثواب کا کام ہے کہ انسان دوسرے کے مذہب کی عزت کرے اور کسی کو مذہب کے قبول کرنے پر مجبور نہ کرے۔"

(۷) تاریخ جنگ صلیبی میں مذکورہ مصنف میشو لکھتا ہے کہ

"جس وقت حضرت عمرؓ نے بیت المقدس کو فتح کیا تو اُنھوں نے عیسائیوں کو مطلق نہیں ستایا

برخلاف اس کے جب صلیبیوں نے اسی شہر مقدس کو لیا تو انھوں نے نہایت بے رحمی سے مسلمانوں کا قتل عام کیا اور یہودیوں کو جلادیا۔"

(۸) فتح بیت المقدس کے متعلق ڈاکٹر گستاؤلی بان لکھتا ہے کہ

"بیت المقدس کی فتح کے وقت حضرت عمرؓ کا اخلاق ہم پر ثابت کرتا ہے کہ ملک گیران اسلام مفتوح اقوام کے ساتھ کیسا نرم سلوک کرتے تھے اور یہ سلوک اُس مدارات کے مقابل جو صلیبیوں نے اسی شہر کے باشندوں سے کئی صدی بعد کی نہایت حیرت انگیز معلوم ہوتا ہے حضرت عمرؓ اس شہر مقدس میں بہت تھوڑے اشخاص کے ساتھ داخل ہوئے تھے اور آپ نے سفرونیس بطریق سے درخواست کی کہ مقامات مقدسہ کی زیارت میں آپ کے ہمراہ چلیے۔ اُسی وقت حضرت عمرؓ نے منادی کرادی کہ میں ذمہ دار ہوں کہ باشندگان شہر کے مال اور اُن کی عبادت گاہوں کی حرمت کی جائے گی اور مسلمان عیسائی گرجوں میں نماز پڑھنے کے مجاز نہوں گے۔ جو سلوک عمرو بن عاصؓ نے مصریوں کے ساتھ کیا وہ اس سے کم نہ تھا اُس نے باشندگان مصر سے وعدہ کیا کہ اُنھیں پوری مذہبی آزادی۔ پورا انصاف بلا رورعایت اور جائداد کی ملکیت کے پورے حقوق دیئے جائیں گے عمال اسلام اپنے عہد پر اس درجہ مستحکم رہے اور اُنھوں نے اُن لوگوں کے ساتھ جو ہر روز شاہنشاہ قسطنطنیہ کے عاملوں کے ہاتھ سے انواع واقسام کے مظالم سہا کرتے تھے اس طرح کا عمدہ برتاؤ کیا کہ سارے ملک نے بہ کشادہ پیشانی دین اسلام اور عربی زبان کو قبول کرلیا۔ میں بار بار کہوں گا کہ یہ وہ نتیجہ ہے جو ہرگز بزور شمشیر نہیں حاصل ہوسکتا۔"

(۹) مصر کے مشہور اخبار ایجپٹ میں ایک مسیحی نے لکھا تھا کہ

"ہم عیسائیت اور اسلام کا مقابلہ کرتے ہیں تو ایک نمایاں فرق یہ نظر آتا ہے کہ عیسائی مذہب کے راستے میں جب علوم وفنون آگئے تو اُس نے نہایت بیدردی سے اُن کو پامال کیا لیکن اسلام نے خود علوم وفنون کی بنیادیں قایم کیں اور عیسائیت ومجوسیت نے جن شائقین علوم کو شوق علم کے جرم میں جلاوطن کیا اسلام نے اُن کو اپنے دامن میں پناہ دی۔" جس طرح عیسائیت علم اور

تمدن کے میدان میں اسلام کو دوش بدوش نہیں چل سکتی اسیطرح اخلاقی حیثیت سے بھی اسلام کا مقابلہ نہیں کر سکتی"

(۱۰) بیروت کے ایک مسیحی اخبار الوطن میں ایک مسیحی نامہ نگار نے آنحضرت صلعم کے متعلق ایک مضمون لکھا اُسمیں وہ لکھتا ہے کہ

"پیغمبر اسلام نے مسلمانوں کی قوم کے پھیلنے اور باقی رہنے کے تمام سامان فراہم کردئے کیونکہ مسلمان جب قرآن وحدیث میں غور کریں گے تو وہ اپنی ہر دینی ودنیوی ضرورت کا علاج اُسمیں پائیں گے۔ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان پر سوائے تقوی کے اور کسی چیز کے سبب ترجیح نہیں دی گئی۔ مسلمان اپنے پریسیڈنٹ کا جس کو وہ خلیفہ کہتے ہیں خود انتخاب کرتے تھے غیر مسلم یعنی ذمیوں کے لئے اسلامی ممالک میں عیش وراحت کے ساتھ رہنا آسان کردیا کیونکہ حکم دیا کہ تمام مخلوق خدا کی اولاد ہے اور سب سے پسندیدہ خدا کے نزدیک وہ ہے جو اُس کی اولاد کو نفع پہنچائے۔ اُنھوں نے عورت کے مرتبہ کو بلند کردیا۔ بیت المال کے لئے قواعد مرتب کئے اور حکمت ودانائی کو مسلمانوں کا گم شدہ مال قرار دیا اور اُس کے حاصل کرنے کی تاکید کی"

(۱۱) جون ڈیون پورٹ صاحب لکھتے ہیں کہ

آنحضرت (صلعم) نے ہرگز اسقدر خونریزی نہیں کی جس قدر موسی علیہ السّلام نے بت پرستی کی بیخ کنی کے لئے کی تھی۔

(۱۲) مشہور مورخ ایڈورڈ گبن لکھتا ہے کہ

"قدرت کے قانون میں ہر شخص اسلحہ کے ذریعہ اپنی ذات وملکیت کی حفاظت کا حق رکھتا ہے وہ اپنے دشمنوں کو دفع کرسکتا یا اُن سے زیادتی کا بدلہ لے سکتا ہے اور اپنے انتقام ومعاوضہ کو ایک مناسب حد تک وسیع کرسکتا ہے۔ محمد صاحب (صلعم) کو اُن کے ہم وطنوں کی ناانصافی نے اسوقت محروم وجلا وطن کیا جبکہ وہ اپنی خیر اندیش مذہب اور صلح آمیز رسالت پر عامل تھے۔

(۱۳) مسٹر طامس کارلائل اپنی کتاب "لیکچرز آن ہیروز" میں لکھتا ہے کہ

"اسلام کا آنا عرب کی قوم کے حق میں گویا تاریکی میں روشنی کا آنا تھا عرب پہلی ہی پہل اُسکو

ذریعہ زندہ ہوا۔ اہل عرب گلہ بانوں کی غریب قوم تھی اور جب سے دُنیا بنی تھی عرب کے چٹیل میدانوں میں پھرا کرتی تھی اور کسی شخص کو ان کا کوئی خیال بھی نہ تھا۔ اس قوم میں ایک اولوالعزم پیغمبر ایسے کلام کے ساتھ جس پر وہ یقین کرتے تھے بھیجا گیا۔ اب دیکھو کہ جس چیز سے کوئی واقف ہی نہ تھا وہ تمام دنیا میں مشہور و معروف ہوگئی اور چھوٹی چیز نہایت بڑی بن گئی اسکے بعد ایک صدی کے اندر ایک جانب غرناطہ اور ایک طرف دہلی ہوگئی ایک چنگاری ایسے ملک میں پڑی جو ظلمت میں چھپا ہوا ریگستان تھا مگر دیکھو اس نے زور شور سے اڑ جانے والی بارود کی طرح نیلے آسمان تک اُٹھتے ہوئے شعلوں کے ذریعہ دہلی سے تا بہ غرناطہ روشن کردیا۔

(۱۴) جی ایم۔ راڈویل کہتا ہے کہ

"دلیلوں سے ثابت ہے کہ آنحضرت (صلعم) کے سب کام اس نیک نیتی کی تحریک سے ہوتے تھے کہ لوگوں کو جہالت اور بُت پرستی سے چھڑائیں اور یہ کہ اُن کی زیادہ سے زیادہ خواہش یہ تھی کہ امر حق یعنی توحید الٰہی کا جوش جو اُن کی روح پر غایت درجہ مستولی ہو رہا تھا اُسکا خوب اشتہار اظہار کریں اُن کی ذات کریم اور سیرت صداقت مشحون کی نسبت اُن لوگوں کا تصور کرنا چاہئے جن کے اخلاق اور ایمان کو ابنا جنس کے تمام امور دنیوی پر کامل اختیار حاصل ہے قرآن میں ایک نہایت گہری حقانیت ہے جو اُن لفظوں میں بیان کی گئی ہے جو باوجود مختصر ہونے کے قوی اور صحیح رہنمائی اور الہامی حکمتوں سے مملو ہیں"

(۱۵) جرمن مستشرق عمانویل ڈیوش لکھتا ہے کہ

اسی قرآن کی مدد سے تمام سامی اقوام میں صرف عرب ہی یورپ میں شاہانہ حیثیت سے داخل ہوئے جہاں اہل فینیشیا بطور تاجروں کے اور یہودی لوگ پناہ گزینوں اور اسیروں کی حالت میں پہنچے۔ ان عربوں نے بنی نوع انسان کو روشنی دکھلائی جبکہ چاروں طرف تاریکی چھائی ہوئی تھی ان عربوں نے یونان کی عقل و دانش کو زندہ کیا اور مغرب و مشرق

کو فلسفہ۔طب اور علم ہیئت کی تعلیم دی اور موجودہ سائنس کے جنم لینے میں اُنھوں نے حصہ لیا۔ ہم ہمیشہ اُس روز کا ماتم کرینگے جس دن غرناطہ عربوں کے ہاتھ سے نکل گیا۔"

(۱۶) ڈاکٹر سموئیل جانسن لکھتا ہے کہ

"قرآن کے مطالب ایسے ہمہ گیر ہیں اور ہر زمانہ کے لئے اسقدر موزوں ہیں کہ زمانہ کی تمام صدائیں خواہ مخواہ اُس کو قبول کر لیتی ہیں اور وہ محلوں۔ ریگستانوں۔شہروں اور سلطنتوں میں گونجتا ہے"

(۱۷) لڈولف کریہل جس نے ۱۸۴۸ء میں آنحضرت صلعم کے حالات شائع کئے تھے لکھتا ہے کہ

"قرآن میں عقائد۔ اخلاق اور ان کی بنا پر قانون کا مکمل مجموعہ موجود ہے اسمیں ایک وسیع جمہوری سلطنت کے ہر شعبہ کی بنیادیں بھی رکھدی گئی ہیں عدالت۔حربی انتظامات مالیات اور نہایت محتاط قانون غربا وغیرہ کی بنیادیں خدائے واحد کے یقین پر رکھی گئی ہیں۔"

(۱۸) ریورنیڈ ڈبلیو اسٹیفن لکھتا ہے کہ

"آنحضرت نے بُت پرستی کے ایک منتشر انبار کے عوض میں خالص توحید کا عقیدہ قائم کیا۔آپ نے لوگوں کے اخلاقی معیار کو بلند کیا اور ان کی تمدنی حالت کو ترقی دی اور ایک سنجیدہ اور معقول طریق عبادت جاری کیا آخر کار آپ نے اس ذریعہ سے بہت سے وحشی اور آزاد قبیلوں کو جو محض ذرّوں کی طرح اِدھر اُدھر اُڑتے پھرتے تھے باہم ملاکر ایک ٹھوس ملکی جماعت کی شکل میں منتقل کر دیا آپ ایک ایسے ملک میں پیدا ہوئے تھے جہاں ملکی نظام معقول اعتقاد اور خالص اخلاق سے لوگ ناواقف تھے آپ نے ان تینوں باتوں کو وہاں رواج دیا۔ملکی حالت۔ مذہبی اعتقاد اور اخلاقی حالت کی اصلاح کردی بہت سے آزاد قبیلوں کی جگہ آپ نے ایک قوم چھوڑی۔ بہت سے معبودوں اور بہت سے خداوندوں کے باطل عقیدے کی جگہ آپ نے ایک قادر مطلق مگر رحمٰن و رحیم خدا کا معقول عقیدہ قایم کیا لوگوں کو تعلیم دی کہ وہ اس خیال کے ساتھ زندگی بسر

کریں کہ وہ وجود مطلق ہر دم ہمارا محافظ و نگہبان ہے۔ اسی کو نیکیوں کا جزا دینے والا سمجھیں اور اسی کو بدوں کو سزا دینے والا سمجھ کر اُس سے ڈریں"

(۱۹) ڈاکٹر ڈبلیو ٹی آرنلڈ کی کتاب پریچنگ آف اسلام اسی موضوع پر لکھی گئی ہے کہ "اسلام کی اشاعت بزور شمشیر نہیں بلکہ صلح و آشتی کے ساتھ ہوئی ہے" جو قابل مطالعہ ہے۔ اور اُسکا اُردو ترجمہ دعوت اسلام کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

(۲۰) موسیو لیبلی جنھوں نے ایک بے نظیر کتاب مشرق پر لکھی ہے اور جو ایک نہایت محقق اور مذہبی مصنف ہیں اُنکا قول ڈاکٹر گستاولی بان نے اپنی کتاب تمدن عرب میں اسطرح نقل کیا ہے "مسلمان اُن نظامات میں جو اقوام مزدوری پیشہ کی بہبودی سے متعلق ہیں اسوقت تک اُن سخت غلطیوں سے بچے ہوئے ہیں جو مغرب میں واقع ہوئی ہیں۔ ان میں اب تک وہ عمدہ نظامات کامل طور سے باقی ہیں جن کے ذریعہ سے اُنھوں نے امیر و غریب و غلام و مالک میں صلح قایم رکھی ہے اسی قدر کہنا کافی ہے کہ وہ قوم جس کو تعلیم دینے کا دعویٰ یورپ کر رہا ہے فی الواقع وہ قوم ہے جس سے خود اُسے سبق لینا چاہیئے۔

(۲۱) پروفیسر ایڈورڈ مونٹٹ پروفیسر السنہ مشرقیہ جنیوا یونیورسٹی کہتے ہیں کہ "آنحضرت صلعم کو اصلاح اخلاق اور سوسائٹی کے متعلق جو کامیابی ہوئی اُس کے اعتبار سے آپ کو انسانیت کا محسن اعظم یقین کرنا پڑتا ہے۔

اشتہار

مکتبۂ عبرت میں مندرجۂ ذیل کتابیں فروخت کیلئے موجود ہیں

مقدمۂ تاریخ ہند قدیم	(مصنفہ مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی)	قیمت فی جلد علاوہ محصولڈاک	عہ/
نظام سلطنت	″	″	۶عہ/
آئینۂ حقیقت نما جلد اوّل	″	″	۶عہ/
گائے اور اُسکی تاریخی عظمت	″	″	۴/
وید اور اُس کی قدامت	″	″	۴/
جنگ انگورہ	″	″	۴/
مسلمانان اندلس	″	″	۳/
نواب امیر خاں	″	″	۵/
احقاق حق	″	″	۵/
باطل شکن	″	″	۴/
لا الہ الا اللہ	″	″	۵/
حجۃ الاسلام	پہلے دو ایڈیشن ختم ہوگئے تیسرا ایڈیشن زیر طبع		
قول حق	پہلا ایڈیشن ختم دوسرا ایڈیشن زیر طبع		
آئینۂ حقیقت نما جلد دوم	″	″	″

فرمایش کا خط اس پتہ سے بھیجئے

محمد ایوب خاں منیجر مکتبۂ عبرت نجیب آباد (یو،پی)